محدث

شیخ الحدیث نمبر

۱

بیادگار محدث کبیر حضرت علامہ ابوالحسن عبید اللہ رحمانی مبارکپوری رحمہ اللہ

مؤلف: مرعاۃ المفاتیح شرح مشکوٰۃ المصابیح

ولادت محرم الحرام ۱۳۲۷ھ وفات ۲۲ رجب المرجب ۱۴۱۴ھ مطابق ۵ جنوری ۱۹۹۴ء

عدد مسلسل ۱۶۸، ۱۶۹ ★ شعبان، رمضان ۱۴۱۷ھ ★ جنوری، فروری ۱۹۹۷ء

دار التالیف والترجمۃ، بنارس، الہند

ماہنامہ **محدث** بنارس

شیخ الحدیث نمبر

(۱)

بیادگار محدث کبیر حضرت علامہ ابوالحسن عبیداللہ رحمانی مبارکپوری ؒ

مؤلف مرعاۃ المفاتیح شرح مشکوۃ المصابیح

(ولادت محرم الحرام ۱۳۲۷ھ / وفات ۲۲ / رجب المرجب ۱۴۱۴ھ مطابق ۵ / جنوری ۱۹۹۴ء)

عدد مسلسل ۱۶۸، ۱۶۹ ☆ شعبان، رمضان ۱۴۱۷ھ ☆ جنوری، فروری ۱۹۹۷ء

دار التالیف والترجمہ بنارس، الہند

ماہنامہ محدث	شیخ الحدیث نمبر (۱)
مدیر	عبد الوہاب حجازی
صفحات	۳۷۱
کمپوزنگ	محمد داود سلفی
"	محفوظ الرحمٰن سلفی
قیمت فی شمارہ	۴۰/ روپیئے
مطبع	سرفراز پریس مئو

شعبان / رمضان ۱۴۱۷ھ = جنوری / فروری ۱۹۹۷ء

ملنے کے پتے

(۱) بی ۱۸/ ۱ جی، مکتبہ سلفیہ، ریوڑی تالاب وارانسی

(۲) دار المعارف ۱۴۳ محمد علی بلڈنگ، بھنڈی بازار ممبئی - ۴۰۰۰۰۳

(۳) مکتبہ ترجمان ۴۱۱۶ جمعیت اہل حدیث منزل، اردو بازار جامع مسجد دہلی ۱۱۰۰۰۶

فہرست

پیغامات ، تاثرات ومقالات علماء افاضل بتفصیل ذیل — صفحہ

افادات شیخ الحدیث رح

منظومات	شعراء کرام	
قطرات الدموع	جناب محمد یونس مومن اثری غازی پوری	۳۵۷
تاریخ وفات شیخ مبارکپوری رحمہ اللہ	جناب شوق اعظمی	۳۵۹
وہ افتخار بزم افاضل نہیں رہا	پروفیسر حفیظ بنارسی	۳۶۰
سن وصال شیخ الحدیث مرحوم	جناب تابش حجازی	۳۶۱
نیرؔ اسلام	جناب حیرت بستوی ایم، اے	۳۶۲
رہبر خوب تر	جناب حیرت بستوی ایم، اے	۳۶۳
گفتگو اس کی حدیث مصطفیٰ کا آئینہ	جناب شاد عباسی بنارسی	۳۶۴
فخر ایشیا	جناب عاطر صدیقی دوحہ، قطر	۳۶۵
حضرت شیخ الحدیث رحمانی کی رحلت	جناب محمد یونس مومن اثری غازی پوری	۳۶۶
بتعزیت شیخ الحدیث رحمانی	جناب قدسی گونڈوی	۳۶۷
ہر کلی اوڑھے ہوئے ہے رنج و غم کا پیرہن	جناب سالک بستوی	۳۶۸
وہ حدیثوں کا تاجدار گیا	جناب راشد سراجی	۳۶۹
رہے ان کی لحد پر رحمتوں کی شبنم افشانی	جناب کلیم انصاری مئو	۳۷۰
خوب دلکش تھی	جناب فہد جھنڈانگری	۳۷۱

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

افتتاحیہ

شیخ الحدیث نمبر

شیخ الحدیث علامہ عبید اللہ رحمانی رحمہ اللہ جن سے یہ یادگار خصوصی شمارہ منسوب ہے ہم سے جدا ہو کر اپنے معبود حقیقی کے پاس پہونچ گئے، غفر اللہ لہ وأدخلہ جنۃ الفردوس، لیکن ایسی پر خلوص یادیں اور عظیم الشان یادگاریں چھوڑ گئے ہیں کہ جن سے ان کے بابرکت اعمال اور سیرت حسنہ کا تذکار ان شاء اللہ ہمیشہ ترو تازہ رہے گا، موصوف اپنی علمی جلالت شان خصوصا علم حدیث اور عمل بالحدیث کے نمونۂ کامل ہونے کے سبب نہ صرف جماعت اہل حدیث میں بلکہ عام ملت اسلامیہ میں بڑے سچے مقام اور بلند لسان صدق سے بہرور تھے اور اس تعلق سے ملک سے باہر خصوصا عالم اسلام میں موصوف مستند ومعتبر محدث، عمل بالحدیث کے نمونۂ کامل اور ولی اللہ کی حیثیت سے معروف ومشہور تھے، ہندوستان میں شیخ الحدیث رحمہ اللہ اس سنہرے سلسلہ کی ایک نہایت اہم کڑی تھے جسے معشر المحدثین کہا جاتا ہے، محدثین عظام نے عام معاشرت میں سنت رسول ﷺ کو رواج عام دینے کے لئے تدریس وتصنیف اور دعوت وتبلیغ کا جو ہمہ گیر منصوبہ صدیوں سے چھیڑ رکھا تھا شیخ الحدیث رحمہ اللہ اس کا ایک روشن باب تھے، موصوف کے تدریسی وتعلیمی، دعوتی واصلاحی، نیز تصنیف وتالیف اور افتاء کے کارنامے بے نظیر ولازوال ہیں، جن سے جماعت، عام ملت اسلامیہ اور پاکیزہ ارواح ونفوس ہمیشہ بہرہ اندوز ہوتے رہیں گے۔

جامعہ سلفیہ بنارس جماعت اہل حدیث کا مرکزی تعلیمی تصنیفی ودعوتی ادارہ ہے، عام

جماعت کو اس ادارہ سے دلی وابستگی رہی ہے، شیخ الحدیث رحمہ اللہ آغاز سے لے کر تا حیات اس کے صدر رہے، انتظامی اور تعلیمی وغیرہ مہمات امور کی مجالس میں ہمیشہ شرکت فرماتے اور اپنے ٹھوس اور مخلصانہ مشوروں سے نوازتے، مؤتمرات کانفرنسوں اور مہمانوں کی آمد کے مواقع پر تشریف لاتے، عام حالات میں بھی بذریعہ مکاتیب اپنی ہدایات اور مشوروں سے نوازتے رہتے، جامعہ سلفیہ اپنے اس عظیم سرپرست کی رحلت سے سوگوار ہے، شیخ الحدیث رحمہ اللہ سے ان دیرینہ روابط وتعلقات کا اقتضاء تھا کہ جامعہ سلفیہ کے اردو ترجمان ماہنامہ محدث کا خصوصی شمارہ بطور یادگار شائع کیا جاتا، شیخ صاحب رحمہ اللہ کی مؤلفات کی اشاعت کا بھی منصوبہ ہے، ان کی بے نظیر تالیف مرعاۃ المفاتیح شرح مشکوۃ المصابیح کی سات جلدیں ان کی زندگی میں جامعہ سے طبع ہو چکی ہیں اور اب جب کہ وہ ہم میں نہیں رہے جامعہ ان کی عظیم علمی یادگار کی اشاعت کا عزم رکھتا ہے، اور جامعہ کے ذہن میں ہے کہ اس کی تکمیل کا سامان کیا جائے۔

شیخ الحدیث رحمہ اللہ کی وفات کی خبر جوں ہی ملک اور بیرون ملک پہونچی متعلقین اور منزلت شناس حضرات کے تعزیتی پیغامات وتاثرات کا سلسلہ بندھ گیا، بہت سے حضرات نے خصوصی نمبر کی اشاعت کی فرمائش کی بالآخر خصوصی شمارہ کی اشاعت کا اعلان ماہنامہ محدث میں کر دیا گیا، صحیح معلومات جمع کرنے کے لئے ہم نے نیپال سمیت بعض دیگر علاقوں کا دورہ بھی کیا، اعلان کے بعد جماعت کے متعدد اصحاب قلم علماء وفضلاء نے اپنے تاثرات اور مقالات ارسال فرمائے، متعدد حضرات نے شیخ صاحب ؒ کے فتاوی اور مکاتیب عنایت فرمائے، جماعتی شعراء کرام نے اپنی منظوم نگارشات سے نوازا، مکرم ومحترم جناب مولانا عبد الرحمٰن صاحب رحمانی ابن شیخ الحدیث ؒ سے ہم نے انٹرویو کا وقت لیا موصوف نے وقت نکال کر ہمارے سوالات کے تفصیلی جوابات مرحمت فرمائے جو ان کی نظر ثانی کے بعد شامل اشاعت ہیں، جامعہ سلفیہ کے متعدد اساتذہ کرام

نے اپنے تاثرات اور مقالات عطاء فرمائے خاص طور سے استاذ گرامی محترم جناب ڈاکٹر مقتدی حسن ازہری حفظہ اللہ نے "مرعاۃ المفاتیح" پر ایک فاضلانہ مقالہ تحریر کر کے عنایت فرمایا ، جامعہ سلفیہ کے ناظم اعلی محترم جناب مولانا شاہد جنید صاحب سلفی حفظہ اللہ و نائب ناظم جناب مولانا عبد اللہ سعود صاحب سلفی اور جامعہ کے دیگر ذمہ داران نے بھی شیخ الحدیث رحمہ اللہ سے متعلق محدث کے خصوصی شمارہ کی اشاعت پر پوری توجہ مبذول فرمائی ، اور اسے شایان شان بنانے کی برابر تاکید کی ۔ ہم تمام حضرات کے صمیم قلب سے شکر گزار ہیں اور دعا گو ہیں کہ اللہ تعالی تمام حضرات کو ان کے پاکیزہ ارادوں ، محنتوں اور حسن اعمال کا بہترین صلہ عطا فرمائے (آمین)

اس خصوصی یادگار شمارہ کو در اصل آج سے بہت پہلے شائع کرنے کا ارادہ تھا ، لیکن تاخیر کے متعدد اسباب جمع ہوتے گئے اور نمبر موخر ہوتا گیا ، اب صورت حال یہ ہے کہ بعض اسباب زائل ہو گئے بعض اب بھی باقی ہیں ، اس لئے مزید تاخیر گوارا نہ کرتے ہوئے یادگار شمارہ کا جزء اول شائع کر رہے ہیں جزء دوم کی اشاعت بعد میں کی جائے گی ان شاء اللہ ، ہمیں خوشی ہے کہ شبانہ روز کی کاوشوں کے بعد یادگار خصوصی شمارہ قارئین کے ہاتھوں میں پہونچا سکے ، لیکن در اصل حقیقی مسرت اور سعادت اس وقت ہوگی جب نئی نسلیں ذوق علم حدیث ، عمل بالحدیث ، اخلاص ، تقوی ، اسوۂ حسنہ اور طریقۂ سلف صالحین کی اتباع کے پاکیزہ اور قوی و پرجوش جذبات و عزائم سے سرشار ہوں ، ہم شیخ الحدیث رحمہ اللہ کی سیرت حسنہ کو اس کا بہتر نمونہ خیال کرتے ہیں ، وصلی اللہ علی خیر خلقه محمد وعلى آله وصحبه أجمعين ومن تبعهم باحسان الى يوم الدين .

☆☆☆

پیغامات

و

تاثرات

و

مقالات

(۱)

من عبد العزيز بن عبد الله بن باز الى حضرة الأخوين الكريمين الشيخ عبد الرحمن والدكتور عبد العزيز إبني الشيخ عبيد الله الرحماني وفقهما الله

سلام عليكم و رحمة الله و بركاته وبعد.

فقد بلغنا وفاة أخينا في الله والدكم المحدث الشيخ عبيد الله الرحماني . فأقول : أعظم الله اجركم و أحسن عزاءكم وإنا لله وإنا اليه راجعون ' وأساءل الله سبحانه ان يتقبل حسناته و يغفر له و يرحمه رحمة واسعة ويدخله فسيح جناته كما أسأله تعالى لكم وللأخرين من ذريته ولا خوا ننا أهل الحديث بالهند الصبر على هذه المصيبة والثبات والاستقامة على دينه ' إنه سميع قريب . والسلام عليكم ورحمة الله و بركاته.

مفتي عام المملكة العربية السعودية

و رئيس هيئة كبار العلماء وادارة البحوث العلمية والإفتاء

برادران مکرم شیخ عبد الرحمان اور ڈاکٹر عبد العزیز ابنائے شیخ عبید اللہ رحمانی / وفقہما اللہ ۔

السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ وبعد :

ہمیں اپنے دینی بھائی آپ کے والد گرامی محدث شیخ عبید اللہ رحمانی کے انتقال (پر ملال) کی خبر ملی ۔ تو عرض ہے کہ اللہ تعالی آپ لوگوں کے اجر کو بڑا کرے اور آپ لوگوں کو (اس مصیبت میں) اچھی طرح صبر کی توفیق بخشے انا للہ وانا الیہ راجعون ۔

اللہ سبحانہ سے دعا کرتا ہوں کہ انکی نیکیوں کو قبول فرمائے اور انھیں بخش دے اور ان پر بہت زیادہ مہربانی کرے اور انھیں اپنے کشادہ باغ بہشت میں داخل فرمائے ۔ (آمین)

ایسے ہی آپ حضرات اور انکی دوسری اولاد اور ہندوستان کے اہلحدیث بھائیوں کے لئے اللہ تعالی سے اس مصیبت پر صبر وثبات اور اسکے دین پر استقامت کی دعا کرتا ہوں بیشک وہ سننے والا اور قریب ہے ۔ والسلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ

عبد العزیز بن عبد اللہ بن باز
مفتی عام حکومت سعودیہ عربیہ
بڑے علماء کی تنظیم اور ادارہ بحوث علمیہ اور افتا کے صدر

(۲)

الحمد لله رب العالمين والصلاة والسلام على نبينا محمد وعلى آله وصحبه وسلم أجمعين / وبعد:

فالى الاستاذ الجليل والشيخ النبيل مولوي / عبد الرحمن بن الشيخ عبيد الله الرحماني وآله وإخوانه وجماعة أهل الحديث حفظهم الله وأدام عزهم وتوفيقهم ' وأعز بهم هذه الملة والدين القويم.

السلام عليكم ورحمة الله وبركاته

ثم أفيدكم انه في ظهر يوم الجمعة ٢٥ / ٧ / ١٤١٤ هـ وبعد خروجي من المسجد الحرام التقيت بالأبناء الاعزاء وبعض اخوانهم في مكة فاخبروني بنبيء وفاة الوالد الشيخ عبيد الله الرحماني رحمه الله رحمة واسعة ' واغدق عليه نعمه وفضله في جنات الفردوس ' وجعله مع النبيين والصديقين والشهداء والصالحين ' وحسن أولئك رفيقا ــ جزاء ما قام به من خدمة السنة ' ودحض البدعة والتفاني في سبيل رفع رايات العقيدة التي بعث الله بها النبيين والمرسلين.

لذا رأيت من الواجب علي ان اقدم لكم جميعا جميل التعزية وبالغ الحزن على فراقه ــ غير اننا لا نقول إلا ما يرضى الرب وانا لفراقه لمحزونون. وحسبنا الله ونعم الوكيل. ولا حول ولا قوة إلا با الله العلي العظيم وانا اليه راجعون.

هذا ما لزم واذا كان الشيخ رحمه الله قد فارق الحياة الدنيا فانه بحمد الله تعالى ستظل آثاره المباركة التي خلفها ' واعماله المباركة وجهوده ' واسطر تاليفه التي قام بها تبقى ان شاء الله وتكون احد الامور الثلاثة التي ذكرها رسول الله ﷺ ' وثانيها قد ترك اولادا وطلابا بررة كراما يدعون الله تعالى له ويشمل العلم النافع الذي يعتبر صدقة جارية له. وأسأل الله جل وعلا أن يكرم وفادته ' ويوسع له في قبره وينور له فيه انه ولي ذلك والقادر عليه وياجرنا في مصيبتنا ويخلفنا خيرا منها.

وصلى الله وسلم وبارك على أشرف خلقه وأفضل أنبيائه ورسله محمد صلى الله عليه وآله وصحبه.

جلیل القدر عظیم المرتبہ استاد جناب مولانا عبد الرحمان بن شیخ عبید اللہ رحمانی اور انکی اولاد، ان کے برادران اور جماعت اہلحدیث اللہ ان سب کی حفاظت فرمائے اور ہمیشہ انکی عزت قائم رکھے اور انکے

ذریعہ اس ملت اور دین اسلام کو عزت بخشے۔

السلام و علیکم و رحمتہ اللہ وبرکاتہ

آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ ۲۵ / ۷ /۱۴۱۴ھ بروز جمعہ ظہر کے وقت میرے مسجد حرام سے نکلنے کے بعد ابناء عزیز اور مکہ (مکرمہ) میں بعض اخوان سے ملاقات ہوئی۔ تو انھوں نے مجھے والد شیخ عبید اللہ رحمانی کے انتقال کی خبر دی۔ اللہ تعالی ان پر خوب رحمت نازل فرمائے اور فردوس کی جنتوں میں بکثرت ان کے اوپر اپنی نعمتوں کی بارش برسائے اور انہیں انبیاء، صدیقین، شہداء، صالحین کے ساتھ کرے اور یہ لوگ بہترین ساتھی ہیں ان اعمال صالحہ کے بدلے میں جنہیں انھوں نے انجام دیا ہے یعنی حدیث کی خدمت اور بدعت کا ابطال اور اس عقیدے کے جھنڈوں کو بلند کرنے کے سلسلے میں اپنے آپ کو فنا کردینے جسے دیکر اللہ تعالی نے انبیاء ورسل کو مبعوث کیا ہے۔

اسلئے میں نے اپنے لئے ضروری سمجھا کہ ان کی جدائی پر انتہائی رنج وغم کا اظہار کروں اور آپ سب لوگوں کی خدمت میں اچھی تعزیت پیش کروں لیکن میں صرف وہی کہونگا جس سے ہمارا رب راضی ہو اور ہم سب انکی مفارقت کیوجہ سے غمگین ہیں اور ہم سب کیلئے اللہ کافی ہے اور وہ بہترین کارساز ہے اور کوئی طاقت اور قوت نہیں ہے مگر اللہ ہی کی مدد سے جو برتر وبالا ہے اور ہم سب اللہ کیلئے ہیں اور اسی کی طرف لوٹ کر جانیوالے ہیں۔

یہ لازمی شئ ہے۔ اور جب شیخ رحمہ اللہ نے دنیاوی زندگی سے مفارقت اختیار کرلی تو بحمد اللہ انکی مبارک خدمات جو پیچھے چھوڑ گئے ہیں اور انکے مبارک اعمال اور انکی کوششیں اور انکی کتابوں کی سطریں جسے انھوں نے لکھا ہے یہ سب باقی رہیں گی انشاء اللہ۔ اور یہ سب خدمات ان تین امور میں سے ایک ہونگی جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ذکر کیا ہے۔ اور ان میں سے دوسرا امر وہ نیک اولاد اور طلباء کرام ہیں جنھیں انھوں نے چھوڑا ہے جو انکے لئے اللہ تعالی سے دعائے مغفرت کریں گے۔ اور نفع بخش علم پر مشتمل ہے جسے انکے لئے صدقہ جاریہ سمجھا جائیگا۔ اللہ جل وعلا سے دعا ہے کہ انکی پزیرائی فرمائے انکی قبر کو کشادہ کر دے اور اسے نور سے بھر دے بیشک وہی کارساز اور اسپر قادر ہے۔ ہماری مصیبت میں فریادرسی کرے اور ہمیں اسکا بہترین بدلہ عنایت فرمائے (صلی اللہ علیہ وسلم وبارك على اشرف خلقه

وافضل انبیائه و رسله محمدصلی الله علیه وسلم.

آپکا محب

عمر محمد فلاتہ

مدرس مسجد نبوی مدیر شعبہ دارالحدیث مدینہ منورہ

(۴)

مکرمی جناب مولانا عبدالرحمان صاحب / حفظہ اللہ ورعاہ

السلام علیکم ورحمتہ اللہ و برکاتہ

مع الخیر رہکر خیریت مزاج گرامی کا طالب ہوں

بڑے افسوس وانتہائی رنج وغم کے ساتھ مدینہ منورہ میں کل بروز بدھ مورخہ ۵ / جنوری ۹۴ھ کو اپنے وطن کے طلباء خصوصا الطاف الرحمان سلمہ سے یہ جانگداز خبر سنی کہ حضرت مولانا استاذنا شیخ الحدیث رحمتہ للہ کا انتقال پر ملال ہو گیا ہے انا للہ وانا الیہ راجعون :

اس صدمۂ جانکاہ پر آنسوؤں کے قطرے جھلملانے لگے اور دل محزون کو وہ رنج و غم لاحق ہوا جو بیان سے باہر ہے ۔

صبت علی مصائب لو أنها صبت علی الأیام صرن لیالیا

آپ لوگوں کو کتنا حزن و غم لاحق ہوا ہوگا اسکا اندازہ کرنا کوئی مشکل نہیں ہے اطراف وجوانب سے مولانا کے آخری دیدار کیلئے جماعت کے کتنے حضرات پہونچے ہوں گے کاش میں بھی ہوتا تو سر اور آنکھوں کے بل اس غمناک فضا میں افسردگی کے عالم میں پہونچتا۔ لیکن میں اتنی دور حرم نبوی میں ہوں کہ کسی طرح بھی شریک نہیں ہوسکتا اللہ تعالی سے میں نے دعا کی تھی کہ یا اللہ مولانا کی حیات مبارکہ کو ابھی کچھ دن اور قائم رکھ وہ ملت کی آبرو اور خانوادۂ حدیث کے آخری قافلہ کے سالار تھے ان کی جدائی سے ملت کا علمی وقار رخصت ہوگیا تقوی اور طہارت کی دنیا اجڑ گئی امانت و دیانت کا پہاڑ نظر نہیں آتا علم حدیث کے نکات کا تو کوئی رازدار نہیں رہا حدیث کے مسائل کے استنباط و استخراج کا کوئی مرد میداں نظر نہیں آتا۔

مولانا ذکراللہ بسکوہری نے حضرت مولانا استاذنا علام عبید اللہ صاحب شیخ الحدیث رحمتہ اللہ کے اور استاذ نا علامہ نذیر احمد رحمانی رحمتہ اللہ کے متعلق نوگڑھ کانفرنس میں کیا خوب استقبالیہ شعر لکھا تھا وہی زبان پر آرہا ہے

اور مولانا عبید اللہ وہ شیخ الحدیث بحث اور تحقیق میں ہے منفرد جنکا مقام
اور علامہ نذیر احمد ہیں بے شک بے نظیر ان کے خامہ کی روانی جیسے دریا کا خرام

اللہ تعالی دونوں مرحومین کو جنت الفردوس میں جگہ دے قبر کی منزل کو کشادہ کرے اور کنج وتاریک گوشے میں روشنی پیدا کرے اور انکو زمرہ صالحین اتقیاء اخیار وابرار میں شمار کرے۔ آپ حضرات کے دل کو صبر و سکون عطا کرے اور قرار و اطمینان بخشے (آمین)

اب جو وہ اللہ کو پیارے ہوگئے میں وہی شعر لکھنا چاہتا ہوں جسے حضرت عبد اللہ بن عباس کے پاس کسی صحابی رسول صلی اللہ و علیہ وسلم نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے انتقال پر ملال پر تعزیت میں لکھا تھا۔

خير من العباس أجرك بعدة وا الله خير منك للعباس

آپ جملہ بھائیوں کیلئے صبر و سکون کی اللہ تعالی سے درخواست ہے وہ آپ حضرات کے غم خوردہ دلوں پر مرہم رکھے (آمین)

تمام بھائی صاحبان سے نام بنام سلام مسنون عرض کریں مولانا مرحوم کے تمام پوتوں ازہر واجمل کو دعائیں

میں نے ٹیلیفون کرکے معلوم کیا تھا کہ مولانا مختار احمد، مولانا خورشید احمد اور اسلم صاحب اور مولانا فضل حق وغیرہ علامہ استاذنا مرحوم و مغفور کی تکلیف کی خبر سن کر ملاقات کیلئے مبارکپور گئے اور خلق خدا اطراف وجوانب اور ملک کے گوشے گوشے سے آئے ہوں گے۔ اللہ تعالی مرحوم کا مقام بلند کرے اور قبر کو نور سے بھر دے۔

نور سے معمور یہ خاکی شبستاں ہو ترا مثل ایوان سحر مرقد فروزاں ہو ترا
آسماں انکی لحد پر شبنم افشانی کرے سبزہ نورستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

میرے چھوٹے بھائی عبد الرحمان سلمہ بھی کدر بڑا سے حاضر ہوئے ہوں گے اس صدمہ دل گداز میں وہ بھی شریک ہوئے ہوں گے مرحوم کے جنازے میں ہر طرف سے دعا گو ثنا خواں لوگوں کا قافلہ در قافلہ پہونچا ہوگا :

عبد الروف رحمانی ناظم سراج العلوم جھنڈانگر نیپال

(۴)

برادران گرامی مولانا عبد الرحمان ودکتور عبد العزیز مدنی

السلام و علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ

فجر کی نماز کے بعد معلوم ہوا کہ ابھی تھوڑی دیر پہلے حضرت شیخ علیہ الرحمہ کی وفات ہوئی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

میں نے اسی دن بمبئی کے اخبارات میں فون سے خبر بھیج دی اور اسیدن عصر کی نماز کے بعد الدار السلفیہ میں صوبائی اہلحدیث بمبئی کی طرف سے ایک تعزیتی میٹنگ ہوئی جس میں تقریبا ۳۰/۲۵ علماء اور اعیان جماعت تشریف لائے ، مولانا احسان اللہ صاحب مولانا امین ریاضی صاحب اور میں نے حضرت شیخ صاحب رحمہ اللہ کی بابت تعزیتی کلمات کہے۔ اور آج تمام اخبارات میں خبر شائع ہو گئی ہے ۔ اللہ مغفرت فرمائے انشاء اللہ ہمارے قدیم مخلصانہ تعلقات جوں توں باقی رہیں گے اب آپ حضرات کی ذمہ داری بڑھ گئی ہے ۔

تمام متعلقین کو سلام عرض کر دیں

مختار احمد ندوی بمبئی صدر جامعہ محمدیہ مالیگاؤں

(۵)

گرامی قدر جناب مولانا عبد الرحمان صاحب اطال اللہ بقاءہ ووفقہ لما یحب ویرضی

السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ

بہت معذرت کے ساتھ یہ خط تاخیر سے آپکو لکھا جارہا ہے میں رائے بریلی میں تھا اور کچھ عرصہ

سے علیل بھی چل رہا ہوں۔ ضعف بہت ہے ۔ آپ کے والدماجد وفاضل گرامی منزلت جناب مولانا عبید اللہ رحمانی صاحب کی وفات کا علم مجھے رائے بریلی میں ہوا اس وقت کوئی ایسا آدمی نہ تھا جس کے کچھ تفصیل معلوم ہو۔ وقت پر خط بھی نہ لکھا جا سکا ، البتہ یہ معلوم کرکے قدرے اطمینان ہوا کہ ہمارے یہاں دارالعلوم کے دو استاذ تعزیت اور نماز جنازہ میں شرکت کے لئے مبارک پور گئے تھے معلوم ہوا کہ وہ نماز جنازہ کے بعد پہونچے یہاں بھی ان شاء اللہ ایصال ثواب کا انتظام کیا جائے گا ۔ جب مولانا دہلی میں تدریس حدیث کے مبارک مشغلہ میں مشغول تھے تو درس میں حاضری کی سعادت حاصل ہوئی اس درس کو سن کر بہت مسرت ہوئی اور مرحوم کی فضیلت علمی ووسعت نظر اور فن پر عبور کا اندازہ ہوا وہ ہمارے ساتھ ایک مرتبہ نظام الدین کے تبلیغی مرکز میں بھی تشریف لے گئے ۔ اور حضرت مولانا محمد الیاس صاحب سے بھی ملاقات کی ۔

آپ اور جملہ افراد خاندان ہماری طرف سے دلی تعزیت قبول کریں اس تعزیت نامے کے ارسال میں جو تاخیر ہوئی ہے اسے معاف کریں اللہ تعالی آپ کو ان کی نیابت کی سعادت عطا فرمائے اور خدمت حدیث کی توفیق دے ۔

ابو الحسن علی الحسنی الندوی
ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ

(۲)

فضيلة الدكتور مقتدى حسن الأزهري سلمه الله آمين.

السلام عليكم ورحمة الله وبركاته وبعد .

فلقد تلقيت اليوم خبر وفاة شيخنا العلامه محدث الهند عبيد الله المباركفوري فإنا لله وإنا إليه راجعون ' اللهم أجرنا في مصيبتنا وأخلفنا خيرا منها . وإنا نعزي أنفسنا و نعزيكم و نعزي عموم أهل الحديث بالهند وغيرها بهذا المصاب الجلل و نسأل الله سبحانه أن يغفر له وأن يكرمنا وإياه بجنته و يحشرنا تحت لواء نبينا محمد رسول الله صلى الله عليه وسلم.

هذا وبلغوا التعازي مع التكرم لأبناء الشيخ وسائر أفراد عائلته ولمنسوبي الجامعة و إن الله لا

ينتزع العلم انتزاعا من العباد ولكن يقبض العلم بقبض العلماء .... والحمد لله على كل حال.

هذا ولقد حاولت إرسال الرسالة مرات بالفاكس و لم يفتح الخط عندكم و لعله خير.

أخوكم عاصم بن عبدالله القريوتي

أستاذ مشارك بالجامعة الإسلامية

المدينة النبوية

المملكة العربية السعودية.

جناب ڈاکٹر مقتدی حسن ازہری / سلمہ اللہ (آمین)

السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ وبعد

ہمارے شیخ علامہ (دھر) محدث ھند عبید اللہ مبارکپوری رحمہ اللہ کی وفات کی خبر مجھے آج موصول ہوئی انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اے اللہ ہماری مصیبت میں ہماری فریاد رسی فرما اور ہم سے اس مصیبت کو ہٹا دے۔

میں اپنی، آپ لوگوں کی اور ھند وبیرون ھند کے تمام اہل حدیث کی اس بڑی مصیبت پر تعزیت کرتا ہوں اور اللہ سبحانہ سے دعا کرتا ہوں کہ انھیں بخش دے اور ہمیں اور انھیں اپنی جنت میں داخل فرما اور ہم سب کو ہمارے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے جھنڈا تلے اٹھائے (آمین)

مہربانی کر کے شیخ کے لڑکوں اور انکے خاندان کے تمام افراد اور منسوبین جامعہ کی خدمت میں میری تعزیت پہونچادیں۔ اور بیشک اللہ تعالی علم کو بندوں (کے سینوں) سے یک بیک نہیں نکالے گا۔ لیکن وہ علم کو علماء کے قبض کرنے کے ذریعہ نکال لیگا۔ ہر حال میں اللہ کی تعریف ہے۔

آپکا بھائی

عاصم بن عبد اللہ قریوتی

شریک کار پروفیسر جامعہ اسلامیہ

مدینہ منورہ سعودیہ عربیہ

(۷)

مکرمی و محترمی جناب مولانا عبد الرحمان صاحب مبارکپوری حفظہ اللہ

برادر مکرم جناب ڈاکٹر حافظ عبد العزیز صاحب مبارکپوری حفظہ اللہ

السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ

اللہ تعالی آپ لوگوں کو ہمیشہ بخیر وعافیت رکھے۔ پرسوں بدھوار ۲۳/ رجب ۱۴۱۴ھ (بحساب تقویم ام القری) موافق ۵/ جنوری ۱۹۹۴ء کو بعض احباب نے بذریعہ ٹیلیفون یہ اندوھناک خبر سنائی کہ آج رات میں محدث العصر علامتہ الہند بقیتہ السلف شیخنا واستاذنا بالاجازہ حضرت شیخ الحدیث مولانا عبید اللہ صاحب رحمانی مبارکپوری رحمہ اللہ اس دار فانی سے رحلت فرماگئے خبر مجھ پر اور تمام متعلقین پر بجلی بنکر گری اور سب کو سخت صدمہ پہونچا لیکن اللہ تعالی کی مرضی کے سامنے سب کو سر تسلیم خم کرنا پڑتا ہے۔ انا للہ ما اخذ، وللہ ما اعطی وکل شئی عندہ الی اجل مسمی۔

اللہ تعالی سے دعا ہے کہ مرحوم کو غریق رحمت کرے ان کو جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائے اور آپ سب حضرات اور ان کے تمام متعلقین وتلامذہ کو صبر جمیل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

حضرت شیخ الحدیث رحمہ اللہ کی وفات سے ہندوستان میں علم حدیث یتیم ہوگیا اور ایک ایسا خلا پیدا ہوگیا جس کا پر کرنے والا کوئی نظر نہیں آتا ہے۔ لیکن انکی مایہ ناز تصنیف مرعاۃ المفاتیح شرح مشکوۃ المصابیح انشاء اللہ تا قیامت زندہ رہے گی اور ان کے علم وفضل۔ علم حدیث میں ان کے عظیم مرتبہ، فقہ الحدیث میں انکی بے مثال شخصیت انکی محبت رسول اور اتباع سنت کی شہادت دیتی رہے گی اللہ تعالی اس کو اور انکی دیگر تصنیفات ورسائل کو ان کے لئے صدقۂ جاریہ بنائے اور آپ حضرات کو یا ان کے تلامذہ میں سے کسی کو مرعاۃ کی تکمیل کی توفیق عطا فرمائے۔

آج جمعہ کی نماز کے بعد ان کے محبین ومعتقدین کی ایک بڑی تعداد نے حرم شریف میں نماز جنازہ غائبانہ ادا کی۔

اللہ رب العزت سے دعا ہے کہ جس طرح حضرت شیخ مرحوم نے اپنی زندگی علم حدیث اور سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں صرف کردی اسی طرح انکو اور ہم سب لوگوں کو بروز قیامت

اپنے رسول کی صحبت عطا فرمائے اور ان کے جھنڈے تلے سب کا حشر فرمائے۔ ان کے حوض کوثر سے سب کو آسودہ فرمائے اور ان کی شفاعت عطا فرمائے آمین

بقیہ سب خیریت ہے ۔ تمام پرسان حال کی خدمت میں بہت بہت سلام عرض ہے ۔

فقط والسلام

غمزدہ

عبدالعلیم بستوی

مکہ مکرمہ ، سعودیہ عربیہ

(۸)

محترمی جناب مولانا عبد الرحمان صاحب وڈاکٹر عبد العزیز صاحب و جناب محترم فضل الباری

حفظہم اللہ

السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ

خیریت دارم وخواہم

۵/ جنوری بروز بدھ بوقت ٦ بجے صبح یہ افسوس ناک خبر ملی کہ شیخ الحدیث مدظلہ جنہیں اب مرحوم لکھنا پڑ رہا ہے اس دار فانی سے کوچ کر گئے ۔ اللہ تعالی شیخ الحدیث مرحوم کو غریق رحمت کرے اور جنت الفردوس میں جگہ دے ، مرحوم علم و تقوی قناعت اور تواضع میں نمونہ سلف تھے ، شیخ الحدیث موحوم کی شخصیت ان تمام الفاظ واوصاف سے بالاتر تھی جن الفاظ یا اوصاف کے ذریعہ شیخ الحدیث کو اب یاد کیا جائے ۔ بس ایک ایسی جامع شخصیت تھی جنکی مثال نہیں ملتی ۔ شیخ الحدیث رحمتہ اللہ علیہ کے بعد جماعت میں ایک ایسا خلا پیدا ہوگیا ہے جسکا پر ہونا بظاہر مشکل نظر آتا ہے ۔ ویسے اللہ ہر چیز پر غالب و قادر ہے ۔ آپ تمام جملہ اہل خاندان اور خویش و اقارب کے غم میں ہم برابر شریک ہیں اور اللہ تعالی سے دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالی آپ تمام حضرات کو صبر کی توفیق بخشے اور جماعت کو جو خسارہ ہوا ہے اس کا نعم البدل عطا فرمائے ۔ شیخ الحدیث رحمہ اللہ کی شخصیت اتنی بلند اور ہمہ گیر تھی کہ انکے متعلق کچھ لکھنا مجھ جیسے کم علم کی طاقت سے باہر ہے ۔ اس لئے اب اس دعا کے ساتھ ختم کر رہا ہوں ۔ **اللھم اغفر له**

وارحمه واسكنه فسيح جنا ته۔

شریک غم : عبدالوہاب خلیل الرحمان
مدرس دار الحدیث الخیریہ بمکتہ المکرمہ

(۹)

بسم الله الرحمن الرحيم

الى فضيلة الشيخ عبد الرحمن الرحماني والدكتور عبد العزيز الرحماني حفظهما الله تعالى

السلام عليكم ورحمة الله وبركاته

فقد بلغني ببالغ الحزن والأسى نبأ وفاة والدكم العلامة الجليل خاتمة المحدثين ورئيس الجامعة السلفية بنارس الهند وثقة اهل الحديث قاطبة الشيخ ابو الحسن عبيد الله الرحماني. انا لله وانا اليه راجعون.

والتي وافاه الأجل المحتوم صباح يوم الاربعاء. ٥/١/ ١٩٩٤ هـ الموافق ٢٢ /٧/ ١٤١٤هـ.

وإني أتقدم اليكم جميعا بأحر التعازي القلبية. واسأل الله تعالى للفقيد الراحل ان يتغمده بواسع رحمته ويسكنه فسيح جنا ته. ويلهم اهله و ذويه الصبر والسلوان. انا لله وانا اليه راجعون

اخوكم الحزين
جاويد اعظم عبد العظيم
ص ب ٥٤٦٦ ' مكة المكرمة
المملكة العربية السعودية
١٤١٤/٧/٢٢هـ

فضیلتہ الشیخ عبد الرحمان رحمانی اور ڈاکٹر عبد العزیز سلفی / حفظهما الله تعالى

السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ

انتہائی رنج و غم کے ساتھ آپکے والد عظیم المرتبتہ علامہ دہر خاتم المحدثین اور جامعہ سلفیہ بنارس، ہند اور پوری (جماعت) اہلحدیث کی قابل اعتماد ہستی شیخ ابوالحسن عبید اللہ رحمانی کے انتقال (پر ملال) کی خبر مجھے بروز چہار شنبہ بتاریخ ۵ /۱ / ۱۹۹۴ء مطابق ۲۳ / ۷ / ۱۴۱۴ھ کو ملی، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

میں آپ سب کی خدمت میں دلی تعزیت پیش کرتا ہوں اور اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ

انھیں اپنی وسیع رحمت سے ڈھانپ لے اور اپنی کشادہ جنتوں میں ٹھہرائے اور انکے گھر و خاندان والوں اور رشتہ داروں کے دلوں میں صبر و تسلی ڈالدے (آمین)

والسلام
آپکا غمگین بھائی
جاوید اعظم عبدالعظیم
پوسٹ بکس نمبر ۵۴۶۶ ، مکہ مکرمہ ، سعودیہ عربیہ

(۱۰)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حضرات الإخوة المكرمين : الشيخ فضل الباري والشيخ عبد الرحمن ، والدكتور عبد العزيز أبناء الشيخ المحدث عبيد الله الرحماني الموقرين .

السلام عليكم ورحمة الله وبركاته ، وبعد :

فقد تلقينا ببالغ الاسى ، والحزن والألم خبر وفاة والدكم الشيخ المحدث عبيد الله الرحماني ، فنقول : أحسن الله عزاءكم ، وجبر مصيبتكم ، وإنا لله وإنا اليه راجعون .

ولا شك أن هذه فاجعة عظيمة ، وخسارة كبرى لكافة المسلمين بصفة عامة ، ولجماعة أهل الحديث بصفة خاصة في العالم بأسره ، لما امتاز به ــ رحمه الله ــ من صفات العلماء الربانيين من العلم الغزير في السنة الشريفة ، وعلومها ، والإخلاص في الدعوة الى الله ، والزهد في الدنيا ، نسأل الله أن يتقبل حسناته ، ويغفر له ، ويرحمه رحمة واسعة ، ويدخله فسيح جنانه ، كما نسأله تعالى لكم ولوالدتكم ، حفظهما الله ، وللآخرين من ذريته الصبر والثبات على دينه ، وأن يجعلكم خير خلف لخير سلف حتى تواصلوا مسيرته العلمية ، وتخدموا الدعوة السلفية في أرجاء العالم ، والسلام عليكم ورحمة الله وبركاته .

أبناء الجامعة السلفية ، والإخوة السلفيين

في الريـــاض

د. محمد لقمان السلفي ، عبد القدوس محمد نذير ، محمد إسماعيل عبد الحكيم ، د. محمد إسحاق ،

الحافظ محمد الياس محمد طاهر ' عبد الحميد حبيب الله نشاطي، ' شمساد علي ' عباد الله بن هداية الله ' عبد الله وعبد المحسن ابناء عبد الرحمن الفريوائي ' وغيرهم.

حرره : عبد الرحمن بن عبد الجبار الفريوائي

يوم الأربعاء ٥/١/١٩٩٤م

برادران مکرم جناب شیخ فضل الباری وشیخ عبد الرحمٰن اور ڈاکٹر عبد العزیز ابنائے شیخ محدث عبید اللہ رحمانی

السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ وبعد :

انتہائی دکھ اور رنج وغم کے ساتھ آپ کے والد شیخ محدث عبید اللہ رحمانی کی وفات (حسرت آیات) کی خبر ہم لوگوں کو ملی انا للہ وانا الیہ راجعون ۔ ہم سب دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالی آپ لوگوں کو (اس مصیبت میں) اچھی طرح صبر کرنے کی توفیق مرحمت فرمائے اور آپ لوگوں کی مصیبت کو دور کر دے ، (آمین)

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ (ان کی موت) عمومی طور پر سارے عالم کے تمام مسلمانوں کے لئے اور خصوصی طور پر جماعت اہل حدیث کے لئے عظیم سانحہ اور بہت بڑا خسارہ ہے کیونکہ محدث رحمہ اللہ علماء ربانی کے صفات سے متصف ہونے کے اعتبار سے ممتاز تھے یعنی حدیث شریف اور علوم حدیث کے بہت بڑے عالم تھے ، دعوت الی اللہ میں اخلاص کے پیکر تھے اور دنیا سے بے رغبتی کرنے والے تھے ، ہم سب اللہ سے دعا کرتے ہیں کہ وہ ان کی نیکیوں کو شرف قبولیت بخشے انہیں بخش دے اور ان پر خوب رحمت کا نزول فرمائے اور انہیں کشادہ باغ بہشت میں داخل کرے (آمین)

اور ایسے ہی ہم سب آپ لوگوں کے لئے اور آپ کی والدہ - حفظہا اللہ - کے لئے اور خاندان کے دوسرے لوگوں کے لئے صبر اور دین پر ثبات قدمی کی دعا کرتے ہیں ، اور (اس بات کی دعا کرتے ہیں کہ) اللہ تعالی آپ لوگوں کو بہترین سلف کا اچھا جانشیں بنائے تاکہ آپ حضرات ان کے علمی سفر میں برابر لگے رہیں اور دنیا کے کونے کونے میں سلفی دعوت کی خدمت انجام دیتے رہیں ۔

والسلام علیکم رحمہ اللہ وبرکاتہ

ابناء جامعہ سلفیہ اور ریاض کے سلفی اخوان

ڈاکٹر محمد لقمان سلفی، عبد القدوس محمد نذیر ، محمد اسماعیل عبد الحکیم ، ڈاکٹر محمد اسحاق ، حافظ محمد الیاس

محمد طاہر، عبد الحمید حبیب اللہ نشاطی، شمساد علی، عباد اللہ بن ہدایت اللہ، عبد اللہ وعبد المحسن ابنائے عبد الرحمٰن پریوائی وغیرہم ۔

تحریر : عبد الرحمٰن عبد الجبار الفریوائی
جامعۃ الامام ریاض
چہار شنبہ ۵ /۱/ ۱۹۹۴ء

(۱۱)

گرامی قدر جناب ڈاکٹر مقتدی حسن ازہری صاحب / وجملہ منتظمین جامعہ سلفیہ
حفظکم اللہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

۵/ جنوری بروز چہار شنبہ بوقت صبح ہم ابنائے جامعہ سلفیہ (مدینہ منورہ) پر یہ خبر بجلی بن کر گری کہ بر صغیر ہندوپاک کی مایہ ناز شخصیت شیخ الحدیث حضرت مولانا عبید اللہ صاحب رحمانی اپنی نوے ۹۰ سال کی عمر قوم وملت کی خدمت میں گزار کر اس دار فانی سے دار بقا کیطرف رحلت فرماگئے ، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

آپ علمی ، تحقیقی اور تصنیفی دنیا کے ایک عظیم شہسوار ، سیرت وکردار کی ایک عدیم المثال شخصیت ، حلم وبردباری ، زہد وتقوی ، قناعت وخودداری کا پیکر اور خیر الجلیس الصالح کی ایک عملی تصویر تھے ، مختصر یہ کہ سلف صالحین کی بہترین نشانی تھے۔

جماعتی اعتبار سے جامعہ سلفیہ مرکزی دار العلوم بنارس ، جامعہ سراج العلوم بونڈیہار جیسی عظیم سلفی درسگاہوں کو آپکی سرپرستی اور تاسیس کا شرف حاصل رہا، اور تادم زیست خلوص وللّٰہیت کے ساتھ آپ اپنے فرائض کو بحسن وخوبی انجام دیتے رہے۔ آپ نے اپنی ایک مفصل وبے نظیر تالیف مرعاۃ المفاتیح شرح مشکاۃ المصابیح چھوڑی جو عالم اسلام کے لئے ایک گرانقدر علمی سرمایہ ہے ۔ آپ کے رحلت کرجانے سے علم وتحقیق کی وہ شمع بجھ گئی جو بر صغیر ہندوپاک ہی نہیں بلکہ پوری سلفی دنیا

کیلئے باعث صد افتخار تھی۔ خصوصا مرکزی جمعیت اہلحدیث اپنے ایک عظیم محدث کی رہنمائی سے محروم ہوگئی۔

ہم ابنائے جامعہ سلفیہ (جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ) شیخ الحدیث مرحوم کے جملہ لواحقین کے غم میں برابر کے شریک ہیں۔ اور رب العزت سے دعاگو ہیں کہ مرحوم کو جنت الفردوس میں بلند مقام عطا فرمائے، اور اعلی علیین میں جگہ نصیب کرے نیز جامعہ سلفیہ اور جماعت اہل حدیث کو آپ کا نعم البدل عطا فرمائے۔ آمین، تقبل یا رب العالمین۔

والسلام

ابنائے جامعہ سلفیہ (مدینہ منورہ)
ص۔ب۔ ۱۰۰۳۳
المدینہ المنورہ

(۱۲)

عزیز مکرم

السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ

امید کہ مزاج بخیر ہوگا۔

۶/ جنوری کی شام کو یہ اندوہناک خبر سنی کہ میرے محترم مشفق استاد رحلت فرماگئے، انتہائی صدمہ ہوا، حقیقت میں موت تو سب کو آتی ہے لیکن : موت العالم موت العالم : کے مصداق مولانا مرحوم تھے۔ تقریبا دو سال ہوئے عظمت حدیث پر انکا مختصر تبصرہ مجھے موصول ہوا تھا۔ اس کے بعد کئی مرتبہ خط لکھنے کا ارادہ کیا، لیکن معاملہ ملتوی ہوتا رہا اصل میں ہمارے شیخ الحدیث صرف مرجع طلبہ نہیں تھے بلکہ مرجع علماء تھے۔ جب مجھے کوئی علمی اشکال پیش آتا تو اس کے حل کیلئے انکے سوا کسی پر نظر نہیں پڑتی تھی۔ انکی تحریریں بطور یادگار، میرے پاس موجود ہیں۔ انکی سب سے بڑی یادگار اور علمی و تحقیقی تحفہ "مرعاۃ المفاتیح" ہے۔ معلوم نہیں اس کی تشریحات کن ابواب تک پہونچی ہیں۔ غالبا ابھی کتاب النکاح شروع نہیں ہو سکی ہے۔ آئندہ اسکی تکمیل کی کیا شکل ہوگی؟ مولانا مرحوم جیسا محنتی اور وسیع

المطالعہ عالم ملنا مشکل ہے ۔ اللہ انکی مغفرت فرمائے ۔ اور جنت الفردوس میں اعلی مقام سے نوازے ۔ اور آپ سب بہن بھائیوں کو اور پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے ۔

کوشش کی جائے کہ مولانا مرحوم کی مفصل سوانح عمری مرتب ہو جائے اور اچھے انداز میں اسکی اشاعت ہو۔ اللہ تعالی ہم سب کو بھی صبر کی توفیق عطا فرمائے ۔ میرے شیوخ اور اساتذہ میں سے شیخ الحدیث مرحوم میرے آخری استاذ تھے جنکی رحلت کی خبر سنکر انتہائی حزن وملال طاری ہوا ۔ مولانا اس حدیث کے مصداق تھے " من طال عمره وحسن عمله " آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کے جواب میں فرمایا تھا جس نے سوال کیا تھا " ای الناس خیر " (رواہ احمد والترمذی والدارمی)

اللہ تعالی شیخ الحدیث کی اولا کو ان جیسا علمی ذوق اور اتباع سنت کا شوق عطا فرمائے ۔

راقم الحروف نے شیخ الحدیث مرحوم سے جہاں تک مجھے یاد ہے ، تین کتابیں پڑھی ہیں (۱) بلوغ المرام مکمل (دوسرے سال میں) (۲) موطا امام مالک مکمل (آخری سال میں) (۳) شرح جامی (چوتھے سال میں) مولانا مرحوم کا انداز تدریس ایسا تھا کہ جیسے پرسکون سمندر میں ہلکی ہلکی لہریں اٹھتی اور ابھرتی ہیں یعنی پرجوش خطابت کے بجائے پر لطف انداز میں تفہیم کا پہلو ہوتا تھا ۔ جیسے کسی سے خوشگوار انداز میں گفتگو کررہے ہیں ۔ اور تدریس کا انداز دھیما تھا لیکن پروقار اور پر تاثیر ۔ جس وقت میں ۲۶ء میں دار الحدیث رحمانیہ میں داخل ہوا تو مولانا مرحوم آٹھویں سال (آخری سال)میں زیر تعلیم تھے حدیث کی دونوں کتابیں انہوں نے بڑی محنت اور کاوش سے پڑھائیں دونوں کتابوں پر حواشی باریک خط میں انکی علمی یادگار کے طور پر آپ کے پاس موجود ہوں گے ، انکو محفوظ رکھئے ۔ اللهم اغفر له وارحمه وعافه واعف عنه واكرم نزله ووسع مدخله وادخله جنة الفردوس وأعذه من عذاب القبر وعذاب النار "

عزیزان کو دعا ، اللہ تعالی آپ کی والدہ محترمہ کو بھی صبر جمیل عطا فرمائے

والسلام

شریک غم : عبد الغفار حسن

اسلام آباد پاکستان

(۱۳)

مکرمی و محترمی جناب مولانا عبد الرحمان صاحب مبارکپوری

السلام علیکم و رحمتہ اللہ وبرکاتہ

بعدہ ۸ / جنوری ۱۹۹۴ء ۔ بروز سنیچر مدرسین و متعلقین نماز عصر کیلئے مسجد جارہے تھے ۔ استاذنا شیخ الحدیث صاحب رحمانی مدظلہ کی موت کی خبر بذریعہ ٹیلی گرام ملی ، انا للہ وانا الیہ راجعون ۔ ہم سب غمزدہ ہوگئے ، بعد نماز عشاء جنازہ کی نماز پڑھی گئی اور ہم سب اس حادثہ جانگداز پر اپنی پر نم آنکھوں کے ساتھ عند اللہ دعا گو ہوئے ۔ کہ اللہ پاک آپکو اعلی علیین میں ممتاز مقام عطا فرمائے آمین۔

نیز ۱۰ / جنوری بروز پیر بعد نماز عصر مرحوم کی مغفرت کیلئے دعا کی گئی جس میں جامعہ کے علماء و طلباء کے علاوہ قرب وجوار کے لوگ کثیر تعداد میں حاضر تھے ۔ عند اللہ دعا گو ہوں کہ اللہ پاک مرحوم کو جنت الفردوس میں جگہ دے ۔ اور آپ لوگوں کو صبر جمیل عطا فرمائے آمین۔

کتبہ

غمزدہ عبد الستار غفر لہ الرحمان

صدر المدرسین مدرسہ اصلاح المسلمین مالدہ بنگال

(۱۴)

محترم المقام حضرت مولانا عبد الوہاب حجازی صاحب مدیر ماہنامہ محدث بنارس

السلام علیکم و رحمتہ اللہ وبرکاتہ

حضرت شیخ الحدیث مولانا عبید اللہ رحمانی مبارکپوری کا سانحہ ارتحال جماعت اہلحدیث اور عالم اسلام کے لئے ایک عظیم سانحہ ہے ، اناللہ وانا الیہ راجعون ۔ مولانا رحمانی مبارکپوری ایک بلندپایہ عالم ، محدث اور محقق تھے ان کے علم و فضل ، تبحر علمی اور حدیث میں انکی معرفت کا اعتراف بر صغیر کے اہل علم نے کیا ہے انکی بلند پایہ تصنیف مرعاۃ المفاتیح حدیث میں ہے انکی غیر معمولی مہارت کی شاہد ہے ۔ حدیث اور اس کے متعلقات میں اس درجہ عبور ہونے کی بنیاد پر انکا شمار بر صغیر اور عالم اسلام کے نامور

محدثین میں ہوتا ہے۔ حدیث کے علاوہ دوسرے فنون میں بھی انکو دستگاہ حاصل تھی۔ تاہم انکو حدیث میں زیادہ نمایاں مقام اور دستگاہ حاصل تھی۔ ان کی اصلی شہرت اسی کی نسبت سے تھی

حضرت مولانا محمد عطاء اللہ حنیف بھوجیانی مغفور و مرحوم سے راقم کا ۱۹۵۵ء سے تعلق تھا ان کی زبان سے سینکڑوں دفعہ حضرت شیخ الحدیث مرحوم کا ذکر سنا۔ مولانا عطاء اللہ مرحوم فرمایا کرتے تھے کہ مولانا شمس الحق ڈیانوی عظیم آبادی، مولانا عبد الرحمان مبارکپوری نے خدمت حدیث میں عون المعبود اور تحفۃ الاحوذی تالیف کرکے حدیث کی بہت بڑی خدمت سرانجام دی۔ مولانا مباکپوری (مولانا عبید اللہ) نے مرعاۃ المفاتیح لکھنی شروع کی ہے یہ کتاب بھی سلفی نہج پر ہے۔ اور حدیث کی خدمت میں ایک سنگ میل ثابت ہوگی، (انشاء اللہ) اور اس کی تالیف میں ناچیز راقم کا بھی حصہ ہے۔ کہ حضرت شیخ الحدیث کو اس کی تالیف پر آمادہ کیا ہے۔

بہر حال یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ، مولانا عبید اللہ رحمانی نامور محدث تھے۔ حدیث کی معرفت، حفظ و ضبط، اتقان اور فنون علل اسناد، صحیح و غریب، مردود و منکر اور سقیم و غیر معتبر روایات کی شناخت اور تمیز میں وہ آخری محدث تھے۔

مرعاۃ المفاتیح میں آپ نے جس طرح حدیثوں کی مفصل تشریح کرکے ان کے معانی و مطالب کی پوری وضاحت کی ہے۔ اور منکرین حدیث اور محدثین پر طعن و تشنیع کرنے والوں اور حدیثوں سے غلط نتائج مستنبط کرنے والوں کا جواب دیا ہے۔ اور اس کے ساتھ فقہی اختلافات نقل کرکے اور ائمہ فقہ واجتہاد کے براھین ودلائل بیان کرکے راجح اور قوی مسلک کی تعیین کی ہے۔ اس سے حضرت شیخ الحدیث مرحوم و مغفور کی حدیث اور متعلقات حدیث میں علمی تبحر کا اندازہ ہوتا ہے۔

مرعاۃ المفاتیح کتاب المناسک تک لکھی گئی ہے اب اس کی تکمیل کوئی صاحب علم و تحقیق کردے۔ تو یہ ایک بہت بڑی علمی خدمت ہوگی۔

اللہ تعالی سے دعا ہے کہ وہ حضرت شیخ الحدیث مرحوم کی لغزشوں سے درگزر کرے اور جنت الفردوس میں جگہ دے، آمین والسلام

عبد الرشید عراقی
عراقی گیٹ سوہدرہ وزیر آباد
ضلع گوجرانوالا پاکستان

(۱۵)

مکرمی و محترمی جناب مولانا عبدالرحمان وڈاکٹر عبدالعزیز صاحبان / حفظکم الله ورعاکم وسلاکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

شیخ الحدیث صاحب رحمہ اللہ وغفر لہ کے انتقال کی خبر بڑے رنج وغم کے ساتھ سنی گئی۔ اور گو یہ خبر پورے عالم اسلام کے لئے ایک عظیم سانحہ ہے پھر بھی " کل نفس ذائقة الموت " کا حکم آگے پیچھے ہر نفس پر لگنا ہے اور اس میں دعاء مغفرت ودعاء صبر کے سوا نہ کوئی چارہ ہے نہ کوئی فائدہ۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

اللہ تعالی سے دعا ہے کہ مرحومین ومغفورین میں سے ممتاز ترین مستحقین جنت میں آپکو جگہ ملے۔ " مع الذين أنعم الله عليهم من النبيين والصديقين والشهداء والصالحين " اور آپ حضرات جملہ پس ماندگان اقرباء اور ہم سب پوری ملت اسلامیہ عموما اور سلفیان عالم خصوصا کو صبروضبط کی توفیق مرحمت فرمائے اور انکی ہر خوبی اپنانے اور اپنی زندگی میں نافذ کرنے کا حوصلہ عطا کرے۔

شیخ الحدیث صاحب ہم سب کے تھے ہم سب کو حزن وملال ہے "انا بفراقك يا شيخ الحديث لمحزونون ، العين تدمع والقلب يحزن ولا نقول الا ما يرضى الرب"

آپ کی جدائی سے سلفیت کے ایک دور کا خاتمہ ہو گیا ، اور بر صغیر کے اہل حدیث یتیم سے ہو گئے ، اللہ کرے آپ کے لگائی ہوئی پود پلے بڑھے سیراب ہو اور تن آور ہو کر سایہ اور پھل دے ، اللہ تعالی آپ کی اولاد ، آپ کے تلامذہ ، آپ کی تالیفات اور آپ کے ادارہ جامعۃ المعارف کو اسی کا مصداق بنائے (آمین) والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

غمزدہ

بدرالزماں نیپالی

وکیل جامعۃ التوحید نیپال

(۱۶)

برادران گرامی قدر جناب مولانا عبد الرحمان صاحب مدنی و ڈاکٹر عبد العزیز صاحب مدنی

حفظکم الله تعالی وعزاکم فی مصیبتکم

السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ　　خیریت مزاج گرامی ؟

میں آج جب عمر آباد پہونچا تو یہ افسوسناک اطلاع ملی کہ آپ کے والد بزرگوار اور ہم سب کے مشفق ومہربان بزرگ اور رہنما کا انتقال ہوگیا انا للہ وانا الیہ راجعون۔

اس اطلاع کو سن کر بے حد رنج ہوا ، ادھر دو سال سے میں کوئی خط بھی نہیں لکھ سکا اور اخبار ورسائل کے ذریعہ آپ کی صحت کی کوئی خبر بھی سننے پڑھنے کو نہیں ملتی تھی ، اچانک انتقال کی خبر سن کر حواس باختہ ہوگیا۔

جماعت کے ایسے بزرگ اب کون رہ گئے ؟ آپ کے تقوی اور آپ کے علم کے سبھی قائل تھے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون ۔

جماعت کا سب سے بے لوث خادم اور رہنما ہم سے جدا ہوگیا، انا للہ وانا الیہ راجعون

دل غم سے بھرا ہے ، سوائے صبر وراضی برضا ہونے کے دوسری کوئی صورت نہیں۔ اللہ تعالی آپ کے درجات کو بلند کرے آپ کے ساتھ مغفرت ورضوان کا معاملہ فرمائے آپ کو اور ہم سب کو صبر ورضا کی توفیق نصیب فرمائے جماعت کے لئے آپ کا جانشین عطا فرمائے ، جذبات میں کیا لکھوں اور کیا نہ لکھوں سمجھ میں نہیں آتا، بروقت اطلاع نہ ملنے کا بھی بے حد صدمہ ہے ، دراصل میں دورے پر تھا آج اطلاع ملی۔

اللہ تعالی آپ کے درجات کو بلند فرمائے جنت الفردوس آپ کا مقام ومسکن ہو اور ہم سب کو صبر کی توفیق نصیب ہو　　والسلام علیکم

مخلص وشریک غم

انیس الرحمان اعظمی

(۱۷)

محترمی ومکرمی جناب حضرت مولانا عبدالرحمان صاحب وبرادرم ازہر عبدالرحمان صاحب
حفظکم اللہ تعالی

السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ

باعث تحریر اینکہ بدھ کے روز برادرم زہیر صاحب نے فضیلتہ الشیخ حضرۃ الاستاذ مولانا، المخدوم عبید اللہ صاحب رحمانی کی وفات کی اطلاع دی جس پر قلب وفکر نے ایک شدید دھچکا محسوس کیا اور اس حادثہ فاجعہ نے مضمحل کردیا اگرچہ کل نفس ذائقۃ الموت کے تحت ہر ایک کو کوچ کرنا ہے مگر افراد کی موت انکی حیثیت کے اعتبار سے ہمیشہ محسوس کی جاتی ہے مولانا ممدوح مرحوم کا جو علمی مقام تھا اس کی بنا پر نہ صرف کہ یہ حادثہ اہل خانہ کیلئے نا قابل برداشت ہے بلکہ جملہ وابستگان علم کے لئے بھی ناقابل تلافی نقصان ہے بلا شبہ عصر حاضر میں علم وفضل کے اعتبار سے ان کا وجود غنیمت تھا جس سے حرماں پر جتنا بھی افسوس کیا جائے کم ہے کیونکہ بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا۔

میری دعا ہے کہ اللہ تعالی مرحوم کے جملہ پسماندگان کو صبر جمیل سے نوازے اور مرحوم کو اعلی علیین میں بلند مقام نصیب فرمائے اور انکی حسنات کو قبول فرمائے بشری لغزشوں سے صرف نظر کرتے ہوئے جوار رحمت میں جگہ دے اور امت کو ان کا نعم البدل عطا فرمائے آمین

میری طرف سے جملہ احباب کو سلام تعزیت والسلام

شریک غم

برق التوحیدی جدہ

(۱۸)

مکرم ومحترم مولانا عبدالرحمان صاحب

السلام علیکم ورحمتہ اللہ

آج یہ اندوہناک خبر ملی کہ شیخ الحدیث اس دار فانی سے کوچ کر گئے انا للہ وانا الیہ راجعون۔

مولانا مرحوم صاحب زہد وتقوی اور پیکر اخلاص تھے - علم کا ایسا روشن مینار تھے جس سے عرب وعجم منور تھا۔ اس روشنی کو پھیلانا اور قائم رکھنا آپکی ذمہ داری ہے۔

دعا ہے کہ رب کریم مرحوم کو اعلی علیین میں جگہ عطا فرمائے اور متعلقین کو صبر جمیل کی توفیق دے۔

خیر اندیش

حافظ محمد یحیی، صدر بازار، دلی

(۱۹)

بگرامی خدمت جناب مولانا عبد الرحمان صاحب مدنی / حفظہ اللہ تعالی

السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ

امید کہ مزاج گرامی بخیر ہوگا۔

کل شام میں اخبار کے ذریعہ یہ روح فرسا خبر معلوم کر کے بیحد افسوس ہوا کہ فضیلتہ الشیخ محدث کبیر علامہ عبید اللہ رحمانی مبارکپوری ہم سب کو چھوڑ کر اپنے مولاء حقیقی سے جا ملے انا للہ وانا الیہ راجعون۔ آہ صد آہ یہ خبر ایک زبردست برق بنکر پوری جماعت پر گری ہے جو نا قابل برداشت ہے۔

میرے مخلص رحمانی صاحب۔ یہ صدمۂ عظیم صرف آپ کے لئے نہیں بلکہ پوری جماعت اہلحدیث کے لئے یکساں ہے۔ جماعت ایک جید عالم دین۔ اور محدث کبیر وبے مثال مربی سے محروم ہوگئی اللہ تعالی آپ تمام پسماندگان کو خصوصا اور جماعت کو عموما صبر جمیل کی توفیق دے اور مرحوم کو کروٹ کروٹ جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائے آمین۔

آج بعد نماز جمعہ مسجد اہلحدیث تلسی باغ میں علامہ مرحوم کے بارے میں جامع تبصرہ کے بعد نماز جنازہ غائبانہ احقر نے پڑھائی۔ پوری جماعت یہ خبر سن کر سکتہ میں رہ گئی اور سب ہی غم میں شریک ہیں اللہ کرے آپ سب گھر والے اچھے بخیر ہوں۔

فقط والسلام

آپکاشریک غم

احقر : انعام اللہ فاروقی

دار العلوم سلفیہ، ناگپور

(۲۰)

عزیزم مولانا عبد الرحمان صاحب المدنی۔ حفظہ اللہ تعالی

السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ۔

۸ / جنوری ۱۹۹۴ء چار بجے شام دوشنبہ کو بذریعہ ٹیلی گرام ایک دردناک خبر ملی کہ استاذ نا

المکرم و محترم شیخ الحدیث ۵ / جنوری ۹۴ء کو دار فانی سے دار البقاء رحلت فرما گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ موصوف نے اپنی زندگی دینی وملی خدمات اور تصنیف و تالیف میں گزاردی۔ دعا کرتے ہیں کہ رب العزت موصوف کو اپنے جوار رحمت میں جگہ عطا فرمائے۔ اور پسماندگان کو صبر جمیل کی توفیق عطا فرمائے۔ خبر پہونچتے ہی جامعہ کے جملہ اساتذہ وطلبہ اور محلہ کے لوگوں کو لیکر صلوۃ جنازہ اور موصوف کیلئے دعائے مغفرت کی گئی۔

ہم جملہ اساتذہ اور اراکین آپ لوگوں کے غم میں برابر کے شریک ہیں تمام کی طرف سے آپ لوگوں کی خدمت میں سلام مسنون عرض ہے۔ والسلام

آپ لوگوں کے خیر اندیش۔

محمد مسلم الرحمانی

جامعہ اصلاح المسلمین، مالدہ، بنگال

(۲۱)

مکرمی جناب مولانا عبد الرحمان صاحب مبارکپوری حفظہ اللہ

السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ

حضرت الشیخ کی وفات حسرت آیات کی خبر سے ہم سب بہت محزون اور مغموم ہوئے نماز جنازہ غائبانہ کے بعد تعزیتی اجلاس میں مختلف اساتذہ کرام نے حضرت مولانا صاحب کے محاسن، کریمانہ اخلاق اور تبحر علمی پر روشنی ڈالی اللہ تعالی مرحوم کے درجات کو بلند کرے اور کروٹ کروٹ جنت نصیب فرمائے (آمین)

میں آپ کو یقین دلاتاہوں کہ اس غم میں ہم سب آپ کے برابر کے شریک ہیں کیونکہ یہ غم صرف آپ ہی کا نہیں بلکہ پوری امت اور خصوصا ہماری جماعت کا ہے

اپنے گھر کے تمام عزیز و بزرگ حضرات تک ہمارا یہ پیغام پہنچادیں۔ اللہ تعالی ہم سب کو حوصلہ اور صبر جمیل کی توفیق عطا فرمائے آمین۔

کاکا سعید احمد عمری

جامعہ دار السلام، عمر آباد

(۲۲)

برادر گرامی جناب مولانا عبد الرحمان صاحب مدنی / حفظہ اللہ

السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ۔

۵/ جنوری ۹۴ء کی شام آل انڈیا ریڈیو کی خبروں میں ایک اطلاع وہ بھی تھی جس نے ہم سب کو ہلا کر رکھ دیا اور خاندان کے سبھی خرد وکلاں بہت غمزدہ اور متاثر ہوئے، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

موت برحق ہے اور عرف عام میں عمر جیسے جیسے بڑھتی ہے آدمی موت سے قریب ہوتا جاتا ہے یہ سب جانتے ہوئے بھی بعض شخصیتوں کے ساتھ موت کا تصور کچھ عجیب سا لگتا ہے۔ خصوصا ایسی ہستیاں جو اس دنیا میں قیامت تک باقی رہنے والی خدمات اور کارنامے انجام دینے میں مصروف رہتی ہیں نہ جانے کیوں ان کے بارے میں یہ خیال جگہ پکڑ لیتا ہے کہ وہ ہمیشہ ہمارے درمیان رہیں گی یہی خیال آپ کے والد بزرگوار محدث جلیل شیخ الحدیث حضرت مولانا عبید اللہ رحمانی صاحب کے بارے میں ہمارا تھا، ہم سوچ رہے تھے مرعاۃ تکمیل کو پہونچے گی تو دیکھنا ہے۔ مولانا صاحب اور کس مجموعۂ حدیث کا انتخاب فرماتے ہیں اور یہ کہ ہم پورے مرعاہ کا مطالعہ کرنے کے بعد مشکل مقامات کی وضاحت حضرت مولانا ہی سے دریافت کریں گے اور نہ جانے ایسی کتنی سوچوں میں مبتلا تھے کہ انتقال اطلاع نے ہمارے سارے منصوبے خاک میں ملا دئے اور محسوس ہوا کہ اب ہمارے خواب ادھورے ہی رہ جائیں گے۔

حضرت مولانا صاحب علمی دنیا کے درخشاں ستارے تھے علوم احادیث میں آپ کا تبحر علم اور ذوق مطالعہ حیران کن تھا طہارت وتقوی زہد وورع خشیت وخوف الٰہی، اخلاص وعمل اور عفت وامانت میں اپنی مثال آپ تھے، جماعت اہلحدیث کا وقار آپ کی ذات والا صفات سے تھا۔ اہلحدیث کو کیسے ہونا چاہئے اور سلف صالح کے عہد میں اہل حدیث کیسے ہوتے تھے اس کی ایک زندہ مثال تھے آپ کے خاندان کے افراد آپ کو بھلا دیں ممکن ہے لیکن جماعت آپ کو ہمیشہ یاد رکھے گی کیونکہ آج آپ کی وفات سے جماعت ہی تو یتیم ہوئی ہے۔

مرحوم کی نیکیاں اور خوبیاں اس قدر تھیں کہ زندگی میں جس طرح کسی کا احسان نہیں اٹھایا، وفات کے بعد بھی کسی کے احسان کی ضرورت نہ تھی لیکن ہم سب نے اپنے اپنے ثواب کی خاطر مرحوم کی

غائبانہ نماز جنازہ ادا کی ، خلوص کے ساتھ دعائیں کیں اللہ تعالی مرحوم کی خدمات پر بے حد وبے حساب اجر وثواب عطا فرمائے۔ امت کو اور خصوصا جماعت اہلحدیث کو ایسے ہی عالم باعمل کی سرپرستی سے سرفراز فرمائے آمین۔

حضرت مولانا صاحب سے ہمارے اکابر کے تعلقات تو بالکل گھریلو ہی تھے جب بھی ملاقات ہوئی آپ نے بڑی شفقت اور محبت دی کوئی بیس پچیس سال پہلے عمر آباد تشریف لائے تو وقت نکال کر قبرستان پہونچے اور والد مرحوم کی قبر کے پاس دیر تک کھڑے رہ کر دعائیں دیں۔

ایسے وضعدار اور قدر شناس بزرگ رخصت ہوتے جارہے ہیں اور ہم ایسے نالائق اور پست ہمت ہیں کہ ان کی زندگیوں سے بقدر ذوق وشوق اور بقدر ضرورت فائدہ اٹھانے میں غفلت برتتے ہیں اور جب وہ ہم سے ہمیشہ کے لئے رخصت ہو جاتے ہیں تو آنسو اور حسرتوں کے سوا ہمارے پاس کچھ نہیں رہتا۔ ہم حقیقت پسند ہوتے لائق حضرات کی قدر کرتے اور اپنے آپ کو ان کے رنگ میں رنگنے کی کوشش کرتے تو آج قحط الرجال کی شکل میں جو وبا اور بلا ہمیں گھیرے ہوئے ہے اس کے جال سے ہم محفوظ رہتے تو مرگ کی جگہ جشن زیست ہمارا شیوہ اور شعار ہوتا۔

اللہ تعالی ہم سب کو مرحوم کی خوبیوں سے قریب تر کردے اب صبر اور تسلی کے کلمات آپ کے لئے لکھ کر سورج کو چراغ دکھانے کی جرأت کیوں کروں ؟ اللہ آپ سب کا حامی وناصر رہے۔ و بيده الخير ونعم المولى ونعم النصير۔

والسلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ

آپ کا بھائی

حفیظ الرحمان عمری

جامعہ دار السلام عمر آباد

(۲۳)

الى حضرة المكرم فضيلة الشيخ عبد الرحمن عبيد الله المباركفوري وإخوانه المحترمين وأبنائه الكرام وجميع أفراد أسرته وعائلته الكريمة .

السلام عليكم ورحمة الله وبركاته

تحية مباركة وبعد :

عظم الله أجركم في فقيدنا الراحل سماحة الوالد العظيم العالم الكبير محدث الهند بحق ' فإنا لله وإنا اليه راجعون ' نور الله مرقده ' وطيب الله ثراه ' وجعل الفردوس مأواه ومثواه ' ورزقنا جميعا سلالة وتلامذة الصبر والسلوان ' وما مات من خلف أمثالكم ' وفقكم الله لتكملة المرآة و انتهاج سبيله وسلوكه على أحسن امتياز ' وحياه الله في البرزخ وفي مندرج أعلى عليين ' ملحقا بالصديقين ' والشهداء والصالحين ' ومرافقا لهم ' وجعله الله من المنعمين في عالم الرزخ الى ما شاء الله .

الموت فاجعة والله قاتلة فالعين باكية والقلب مضطرم

وآخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمين ' لا اله إلا الله وحده لا شريك له ' له الملك وله الحمد ' يحيى ويميت وهو حي لا يموت بيده الخير وهو على كل شئ قدير ' والسلام خير ختام منا جميعا أفرادا وأسرة وعائلة وجوارا .

والسلام عليكم ورحمة الله وبركاته

سيف الرحمن أحمد دهلوي
مؤسسة الأمن للتجارة والمقاولات
ص.ب ۱۹۲۰ 'حرة شرقية قبلية
المدينة المنورة

مکرمی فضیلتہ الشیخ جناب عبد الرحمان عبیداللہ مبارکپوری اور آپ کے براداران محترم اور ابناء کرام اور گھر اور خاندان کے تمام افراد !

السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ وبعد

عزت مآب والد عظیم عالم کبیر صحیح معنوں میں محدث ہند کی رحلت کے سلسلے میں اللہ تعالی آپ حضرات کے اجر وثواب کو بڑھائے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون ۔

اللہ تعالی انکی قبر کو منور فرمائے اور انکی قبر کی مٹی کو خوشبو میں بسائے اور جنت الفردوس کو انکی جائے پناہ

اور ٹھکانا بنائے اور ہم سب یعنی نسلی اولاد اور شاگردوں کو صبر و سکون کی توفیق مرحمت فرمائے (آمین)

اور آپ جیسے خلف زندہ ہیں ۔ اللہ تعالی آپ لوگوں کو "مرعاۃ المفاتیح" کی تکمیل اور انکے راستے پر چلنے اور انکی اتباع کرنیکی توفیق عنایت فرمائے اور انھیں صدیقین ، شہداء اور صالحین سے ملائے اور جب تک اللہ تعالی چاہے انھیں عالم برزخ میں انعام کئے گئے لوگوں میں سے بنائے۔

اللہ کی قسم یہ موت جان لیوا مصیبت ہے آنکھ اشکبار ہے اور دل بیقرار ہے۔

17.3.3//
24.5.02

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

والسلام

سیف الرحمان احمد دہلوی

مؤسسة الأمن للتجارة والمقاولة

پوسٹ بکس نمبر ۱۸۲۰

حرة شرقية قبلية

مدینہ منورہ

(۲۴)

مکرمی ومحترمی حضرت مولانا عبد الرحمان صاحب مبارکپوری حفظہ اللہ وتعالی

السلام وعلیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ　　　　　مزاج عالی

گزشتہ کل رات کو ریڈیو سے یہ الم ناک خبر ملی کہ شیخنا العلام حضرت شیخ الحدیث مبارکپوری کا انتقال ہوگیا اور علم وعرفان سے معمور یہ عظیم المرتبت ہستی اپنے رحیم وکریم آقا کی بارگاہ میں پہونچ گئی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

حضرت شیخ الحدیث مرحوم ومغفور کے انتقال پر ملال سے نہ صرف برصغیر ہندوپاک کی جماعت اہلحدیث یتیم ہوئی بلکہ ہندوپاک نیپال وبنگلہ دیش اور پورا عالم اسلام استاد جرح وتعدیل اور امام حدیث و نقد حدیث سے محروم ہوگیا اس الم ناک حادثہ موت پر جس قدر غم کیا جائے کم ہے یہ چند سطریں لکھتے وقت قلم تھر تھرا رہا ہے اور انکھیں آنسوؤں سے لبریز ہیں۔

میری اور پوری جماعت کی اللہ رحیم وکریم کی بارگاہ میں یہ دعا ہے کہ حضرت شیخ الحدیث کی عظیم علمی، قلمی، تدریسی خدمات کے صلے میں مہربان آقا ان کو کروٹ کروٹ جنت الفردوس عطا فرمائے۔ اور پس ماندگان کو اور پوری جماعت کو ان کا بدل اور نعم البدل نصیب کرے (آمین)

ابھی خطبہ جمعہ کے بعد نماز جنازہ غائبانہ پڑھایا ہے اور مسجد میں بیٹھ کر یہ چند تعزیتی کلمات عرض خدمت کر رہا ہوں۔

آپ کے غم میں شریک
عارف سراجی
سکریٹری ادارہ دعوت دین کونڈراگرانٹ
ضلع سدھارتھ نگر

(۲۵)

محترم جناب مولانا عبد الرحمان صاحب حفظہ اللہ تعالی

السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ

حضرت شیخ الحدیث صاحب رحمتہ اللہ علیہ کی جدائی آپ اہل خاندان ہی کے لئے نہیں بلکہ پوری جماعت کے لئے صدمۂ عظیم ہے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

بلا شبہ شیخ صاحب جماعت اور جماعتی اداروں کے سر پرست اعلے تھے اور جب بھی کوئی معاملہ ہوتا، تو جماعت کی نظر ان کی طرف اٹھتی تھی۔ افسوس اب کوئی سر پرست نہیں رہا اللہ تعالی غریق رحمت کرے۔ اور ان کی نیکیاں قبول فرمائے

آپ حضرات نے ایام پیری میں ان کی جو خدمت کی وہ باعث سعادت ہے اللہ تعالی اسے قبول فرمائے۔ امید ہے کہ آپ حضرات شیخ صاحب رحمتہ اللہ علیہ کی سنت افتاء نویسی کا خیال رکھیں گے۔ اور جو سابقہ ذخیرہ ہے اسے منقح فرما کر شائع فرمائیں گے۔

والسلام
آپکا مخلص : حکیم محمد اجمل خاں
ایڈیٹر مجلہ اہل حدیث

(۲۶)

برادر مخلص عالی جناب مولانا عبد الرحمان صاحب مدنی **متعنا الله تعالٰی بطول حیاته**

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

الحمد للہ خیریت سے ہوں اور آنجناب کی خیر وعافیت کا بدرگاہ رب ودود میں نیک متدعی وملتجی ہوں- آپ کے والد محترم کی رحلت کی خبر مختلف ذرائع سے ملی- بے حد دکھ ہوا- دعا ہے کہ رب العالمین احکم الحاکمین جنت الفردوس کے اعلیٰ مقام سے نوازے آمین ثم آمین

بعد نماز جمعہ جنازہ غائبانہ ہم سبھوں نے پڑھا- امروز وفردا میں ایک تعزیتی جلسہ بھی کریں گے انشاء اللہ-

موصوف ہمارے امام تھے عوام وخواص علماء واساتذہ سبھوں کے نزدیک آپ بے حد مقبول تھے- اور سبھی آپ کے عقیدت مند تھے- کیا لکھوں؟ اور کیا نہ لکھوں؟ عجیب بے چینی سی ہے-

بمبئی میں میں نے خیر وعافیت پوچھی تو آپ نے فرمایا کہ والد صاحب اچھے ہیں اور گھر کے اندر چلتے پھرتے ہیں- اس لئے مجھے اطمینان ہوگیا تھا- مگر افسوس- اب جب کہ موصوف ہم سبھوں سے ہمیشہ کیلئے جدا ہوگئے تو مجھے اس کا بے حد قلق ہورہا ہے کہ تمنا کے باوجود آخری بار لقاء ودیدار سے محروم رہا کاش بمبئی سے سیدھے آپ کے ساتھ مبارک پور جاتا افسوس صد افسوس؛ مشیت الٰہی کے آگے کسی کو کیا چارہ؟

انشاء اللہ اس ماہ کے اخیر تک ضرور آپکی خدمت میں حاضر ہو جاؤں گا تاکہ مجھے قلبی سکون میسر ہو جائے-

آپ بھی مجھے اپنی یادوں اور دعاؤں میں یاد رکھیں- اور گھر کے سبھی خرد وکلاں خصوصا اپنی والدہ محترمہ کی خدمت میں میرا اسلام سنادیں- فقط والسلام

آپکا مخلص بھائی

محمد ریاض الدین ندوی جیت گڈھ

ناظم صوبائی جمعیت اہلحدیث اڑیسہ

ونائب ناظم مرکزی جمعیت اہلحدیث ہند

(۲۷)

مکرمی جناب عبد الرحمان بھائی و حافظ عبد العزیز سلمہ

السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ

کئی روز سے بارہا فون لگانے کی کوشش کرتا رہا مگر نہیں لگ سکا۔ محترم پھوپھا صاحب کے مرحوم ہونے کی خبر ہم پر صاعقہ بنکر گری۔

دل میں مدت سے تھی خلش جسکی وہی برچھی جگر کے پار ہے آج

ہفتہ عشرہ سے جسکا خوف اور ڈر لگا ہوا تھا وہی سانحہ پیش آگیا۔ چند ثانیہ کے لئے سکتہ طاری ہو گیا۔ سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ کیا کروں۔ ۴/ جنوری کی صبح سہیل احمد سلمہ کا فون محصول ہوا جس سے معلوم ہوا کہ محترم پھوپھا صاحب کی حالت انتہائی نازک ہے مجھے فورا بلایا تھا مگر میرا آنا مقدر نہ تھا۔ پھر اس کے بعد میں نے ساڑھے نو بجے رات تک باربار کوشش کی کہ فون لگ جائے مگر نہیں لگ سکا۔ پھر ۵/ کی صبح لگانے کی کوشش کی مگر مایوسی ہوئی۔ دل اندر سے کہہ رہا تھا کہ وقت موعود آچکا ہے مگر کچھ علم نہ ہونے سے آس اور یاس کی ملی جلی کیفیت طاری رہی دن بھر دل بجھا بجھا سا رہا ۵/ بجے کی شام کو عصر کی نماز پڑھ کر بیٹھا تھا کہ ڈاکٹر نسیم سلمہ مالیگاؤں سے آگئے انھوں نے یہ اندوہناک خبر دی کہ نانا کا انتقال ہو چکا ہے ۶/ بجے صبح انکے انتقال کی خبر مالیگاؤں پہنچ چکی تھی جامعہ منصورہ مالیگاؤں میں فورا چھٹی کردی گئی اور تعزیتی میٹنگ ہوئی اور جمعہ (۷ جنوری) کو بعد نماز جمعہ غائبانہ نماز جنازہ پڑھے جانے کا اعلان ہوا۔ نسیم کے ہمراہ میں بھی ۶/ کو مالیگاؤں چلا گیا اور ۷/ کو منصورہ کی جامع مسجد میں نماز جنازہ میں شرکت کی۔ شہر کی مساجد میں بھی نماز جنازہ ادا کی گئی۔ مولانا مختار احمد ندوی صاحب سے فون پر گفتگو ہوئی وہاں بمبئی کی تمام مساجد اہلحدیث میں غائبانہ نماز جنازہ کا خصوصی اعلان ہوا۔ اب تک ہم لوگ پھوپھا صاحب کے لئے صحت وسلامتی کی دعا کرتے تھے اب وہ ہر طرح کی فکر علائق سے منہ موڑ کر اللہ کو پیارے ہو چکے ہیں تو دل کی گہرائیوں سے دعا ہے کہ اللہ رب العالمین انکے بال بال کی مغفرت فرما کر جنت الفردوس میں اعلی مقام نصیب فرمائے۔ انکی خدمات حسنہ کو قبول فرمائے، غلطیوں اور خطاؤں کو معاف فرمائے تمام پسماندگان و متعلقین کو صبر جمیل کی توفیق عطا کرے نیز انکی ذریات کو انکا سچا جانشین

بنائے۔ (آمین)

محترم پھوپھا صاحب علم وفضل کے آسمان تھے۔ تقوی وپرہیز گاری انکا شعار تھا۔ بغض وعناد سے کوسوں دور تھے طالب علمی کے زمانہ سے لیکر آخری عمر تک احادیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں غور وفکر انکے شب و روز کا مشغلہ تھا۔ جب تک اللہ تعالی کو منظور تھا وہ دین حنیف کی خدمت کرتے رہے اور اب جبکہ وہ اپنے رفیق اعلی سے جا ملے ہیں اللہ تعالی سے دعا ہے کہ انھیں اپنی جوار رحمت میں جگہ نصیب کرے اور ان کے درجات بلند فرمائے ۔ (آمین)

اس حادثۂ فاجعہ سے آپ لوگ جس قدر متاثر ہوئے ہوں گے اسکا اندازہ لگانا آسان نہیں ہے۔ خدا کرے یہ غم بتدریج مندمل ہوجائے اور آپ لوگ پھوپھا مرحوم کی چھوڑی ہوئی علمی میراث کو آگے بڑھانے میں یکسو ہو کر لگ جائیں اللہ تعالی آپ دونوں بھائیوں کو اس کی طاقت اور توفیق بخشے (آمین)

بہت سے علمی کام کا نئے سرے سے جائزہ لینا ہے اور منصوبہ بند طریقہ سے کام کرنا ہے۔ مرحوم کے خطوط کو یکجا کر کے انہیں اس سلیقہ سے ترتیب دینا کہ وہ ایک علمی دستاویز بن جائے ، ان کے فتاوی کو یکجا کرنا ان کے منتشر مضامین ومقالہ جات کی تدوین کرنا اور ایک مبسوط سوانح حیات لکھنا وغیرہ مختلف النوع قسم کے کام ہیں جو بہر حال اعلی پیانے پر انجام دینا ہیں۔ اگر اس طرف سے تساہل اور غفلت ہوئی تو یہ بہت بڑا جماعتی خسارہ ہوگا۔ اگر جماعت کے باشعور اور باصلاحیت اشخاص یا ادارے اس کام کو انجام دینے میں دلچسپی لیں تو فبہا ورنہ آپ بذات خود یہ کام شروع کر دیجئے۔ مولوی صفی الرحمان اگر اس کام کیلئے کچھ وقت نکال لیں اور سنجیدگی کے ساتھ اس طرف متوجہ ہوجائیں تو میرے خیال میں یہ علمی پروجیکٹ بڑا مثالی بن سکتا ہے۔

مجھے اس سے بڑا اطمینان اور سکون ہوا کہ ام نسیم کو یہاں سے روانہ کردیا اور وہ بھی بروقت پہنچ گئی اللہ تعالی اسے ہمت وحوصلے اور صبر جمیل کی توفیق عطا کرے (آمین)

یہاں اردو ٹائمز اور انقلاب میں بھی پھوپھا مرحوم کے انتقال پر ملال کی خبریں شائع ہوچکی ہیں۔ محترمہ پھوپھی صاحبہ اپنی کمزوری اور ضعیف العمری میں اس حادثۂ جانکاہ سے سخت متاثر ہونگی اللہ تعالی انھیں ہمت وحوصلہ دے اور انکی زندگی کا سایہ تادیر ہم لوگوں پر قائم رکھے اور انکی خدمت کرنے

اورانکی دعائیں لینے کی ہمیں توفیق بخشے- ان سے میرا بہت بہت سلام کہئے- راشدہ، ریحان، شاہد نسیم، تحسین سبھی کا چہرہ فکر وغم سے اترا ہوا ہے- سوائے صبر کے کوئی چارہ نہیں -اللہ تعالی صبر کی ہمت عطا کرے-

اب کی مرتبہ نومبر میں حسن اتفاق سے سبھی چھوٹے بڑے وطن میں جمع ہوگئے تھے اور ہر ایک نے محترم پھوپھا سے ملاقات کا شرف حاصل کرلیا تھا - انکی جیسی کچھ حالت تھی میرادل اندر سے بول رہا تھا کہ اب یہ شاید آخری ملاقات ہے اور وہ گمان صحیح ثابت ہوا- چلتے وقت جب آخری ملاقات کے لئے انکی خدمت میں میں اور ام نسیم حاضر ہوئے تو انکی بیقراری دیکھی نہیں جاتی تھی گلوگیر ہوگئے تھے- کہنے لگے " میری جیسی حالت ہے کچھ کہا نہیں جاسکتا کہ اللہ کی طرف سے کب بلاوا آجائے اور کس حال میں آئے بس اللہ تعالی ایمان پر خاتمہ فرمائے معلوم نہیں کیا صورت پیش آئے بس اللہ سے بڑھاپے کی مجبوریوں سے پناہ مانگتا ہوں اور ایمان پر خاتمہ کی دعا کرتا ہوں"

غمزدہ

فاروق جلگاؤں

(۲۸)

محترم مولانا عبد الرحمان صاحب وبرادران

السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ

یہ جان کر دلی صدمہ ہوا کہ آپ کے والد محترم محدث عصر شیخ الحدیث مولانا عبید اللہ الرحمانی صاحب اپنے مالک حقیقی سے جاملے - انا للہ وانا الیہ راجعون - مولانا کا ایسے حالات میں دنیا سے کوچ کر جانا جبکہ ملت اسلامیہ کو انکی شدید ضرورت تھی ایک ناقابل تلافی نقصان ہے- مولانا کے انتقال سے علمی ودینی حلقہ میں جو خلا پیدا ہوا ہے اسکا پر ہونا انتہائی مشکل نظر آتا ہے-

اینگلو اردو ہائی اسکول ، جونیئر کالج جلگاؤں کے اساتذہ طلباء اور دیگر ملازمین آپ کے غم میں برابر کے شریک ہیں- ہم اللہ تعالی سے دعا کرتے ہیں کہ مرحوم کی خدمات حسنہ کو شرف قبولیت بخشے-

پسماندگان کو صبر جمیل عطا کرے اور جنت الفردوس میں اعلی مقام عطا کرے (آمین)

سوگوار

اساتذہ، وطلباء ودیگر ملازمین

اینگلو اردو ہائی اسکول جے، آر کالج

جلگاوں

(۲۹)

بعالی خدمت جناب حضرت مولانا عبد الرحمان صاحب وڈاکٹر عبد العزیز صاحب

السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ

(علامہ زماں ومحقق دوراں) حضرت شیخ الحدیث جناب مولانا عبید اللہ صاحب رحمانی کے انتقال پر ملال کا جو اثر میرے قلب پر ہے، بیان سے باہر ہے- میں اس وقت کو کبھی بھول نہیں سکتا جب میں نے اپنی ایک دشواری کو ان کے سامنے رکھا اور مرحوم نے قرآن وحدیث کی روشنی میں مجھے قطعی مطمئن کردیا تھا- یوں تو مرحوم ومغفور مولانا محترم میں بہت سی خوبیاں تھیں مگر میرے نزدیک سب سے بڑی خصوصیت ان کی خدا ترسی- بزرگی اور بے غرض خدمات تھیں-

اللہ تعالی سے پر خلوص دعا ہے کہ مرحوم کی قبر کو نور سے بھر دے اور جنت الفردوس میں اعلی مقام عطا فرمائے - امین

احقر اکبر علی سابق پرنسپل

مسلم انٹر کالج مئو

(۳۰)

محترمی جناب مولانا عبد الرحمان صاحب مبارکپوری / حفظہ اللہ وتولاہ

السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ

آج صبح صبح یہ خبر وحشت اثر سننے کو ملی کہ (بقیتہ السلف محدث وقت حضرۃ الشیخ عبید اللہ رحمانی

اعلی اللہ درجتہ وجعل الجنتہ مثواہ اس دار فانی سے دار بقا کو رخصت ہوگئے انا للہ وانا الیہ راجعون

آپکی وفات نہ صرف آپ کے لئے بلکہ ساری جماعت کے لئے عظیم حادثہ ہے اور ایسا حادثہ جسکی تلافی ممکن نہیں۔

شیخ الحدیث صاحب کی وفات سے صوبائی جمعیت اہلحدیث مغربی یوپی والمعہد الاسلامی السلفی رچھا بریلی کے تمام ذمہ داران کو سخت صدمہ پہونچا ہے

ہم اس غم واندوہ کے موقعہ پر آپ کو تسلی کیا دے سکتے ہیں کہ ہم خود تسلی کے محتاج ہیں اللہ تعالی سے دعا ہے کہ وہ ہمیں اور آپ کو صبر وسکون عطا فرمائے اور مرحوم کو جوار رحمت میں جگہ عنایت فرمائے آمین

غم زدہ : رضاء اللہ عبد الکریم المدنی

المعہد الاسلامی السلفی رچھا - بریلی

(۴۱)

گرامی قدر جناب مولانا عبد الرحمان صاحب مبارکپوری حفظہ اللہ تعالی

السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ

آج محترم امیر جمعیت مولانا مختار احمد ندوی نے فون پر یہ اندوہناک اطلاع دی کہ جناب والد ماجد شیخ الحدیث کا انتقال ہوچکا ہے ، انا للہ وانا الیہ راجعون ، اس طرح دنیائے علم حدیث کا ایک عظیم ستون گرگیا ، اللہ تعالی انھیں اعلی علیین میں مقام عطا فرمائے ، اور پس ماندگان کو صبر جمیل کی توفیق بخشے ، أعظم اللہ اجرکم واحسن عزاءکم۔

جمعیت اہلحدیث برطانیہ کے عہدیداران واراکین اس غم میں برابر کے شریک اور دعاگو ہیں۔

آپ کے بھائی مولانا ڈاکٹر عبد العزیز اور اہل خانہ کی خدمات میں سلام

والسلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ

محمد عبد الهادی عمری

سکریٹری جنرل مرکزی جمعیت اہلحدیث برطانیہ

(۳۲)

برادر محترم جناب مولانا عبد الرحمان صاحب مبارکپوری

السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ

حضرت شیخ الحدیث ؒ کو رحمتہ اللہ علیہ لکھتے ہوئے قلم کانپ رہا ہے دل غم میں ڈوبا ہوا اور اپنی اس محرومی پر گریہ کناں ہے کہ میں اس حادثے سے پہلے مرحوم کی خدمت اقدس میں حاضر ہونے کی سعادت سے محروم رہا۔

اس حادثے پر دل رو رہا ہے اور سب ہی حضرات اس سے متاثر ہیں۔ ۵/ جنوری ۹۴ء کو جب میں تدفین میں شریک ہوا تھا، اس دن آپ پر شدید غم کا اثر تھا جو بالکل بجا تھا، میں خود بھی متاثر تھا اس لئے آپ سے کوئی بات نہ کر سکا، نہ ہی تسلی کے کلمات کہہ سکا، میں نے سوچا تھا کہ خط کے ذریعہ اپنے خیالات کا اظہار کروں گا آج اس کی سعادت حاصل کر رہا ہوں۔

موت کے حادثات تو دنیا میں ہوتے ہی رہتے ہیں اور علمی شخصیتیں بھی آئے دن اپنے متعلقین کو داغ مفارقت دیتی رہتی ہیں - لیکن شیخ الحدیث رحمتہ اللہ علیہ کا سانحہ ارتحال گوناگوں وجوہ کی بنا پر بہت بڑا حادثہ ہے۔ مولانا کا نام جب بھی ہماری مجلسوں میں آتا، اس کا دلوں پر اثر پڑتا جیسے معلوم ہوتا تھا کہ اس نام کے ساتھ تقوی اور خشیت الٰہی لازم وملزوم اور جزء لاینفک بن گئے ہیں۔ میرا تو خیال ہے کہ دوسرے حلقوں کے لوگ بھی اس نام کو سننے کے ساتھ یہی تاثر لیتے رہے ہوں گے۔ میں تو آپ کے ہی حلقے کا ایک ادنی فرد ہوں۔ بہر حال یہ کمال میں آج کل کہیں پا نہیں رہا ہوں ممکن ہے کوئی اس میں مبالغہ سمجھے لیکن میں اسے مبالغہ نہیں سمجھتا میں اس موقع پر ایک حدیث کا تذکرہ کروں گا جس کا ذکر میں نے جنازے کے ساتھ چلتے ہوئے آپ سے کر دیا تھا مگر مکرر لکھنا مناسب خیال کرتا ہوں۔

عن أبی هريرة ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال اذا مات الأنسان انقطع عمله الا من ثلاث صدقة جارية او علم ينتفع به أو ولد صالح يدعو له (رواه مسلم)

یہ تین اعمال جن کا سلسلۂ ثواب بعد از مرگ بھی جاری رہتا ہے کسی کی زندگی میں تینوں بیک وقت مجتمع ہو جائیں بہت ہی کم ہوتا ہے اور اگر کسی کی زندگی میں وہ تینوں بیک وقت مجتمع ہو جائیں تو اس

سے بڑھ کر دنیا میں کون خوش قسمت ہو سکتا ہے۔

حضرت شیخ الحدیث کی زندگی ان تینوں اعمال کی جامع تھی یہ اللہ تعالی کا مرحوم کے ساتھ غایت درجہ کا فضل وکرم تھا۔ مولانا کا جاری کردہ صدقہ وہ تمام درسگاہیں ہیں، جو ملک کے مختلف گوشوں میں رواں دواں ہیں اور توحید خالص کا پیغام اس دار شرک میں عام کررہی ہیں کیونکہ مولانا کی بیش بہا مساعی اور خلوص کی روح ان تمام درسگاہوں میں کام کر رہی ہے، چاہے وہ سلفیہ جیسی بڑی درسگاہ ہو یا دیگر چھوٹی درسگاہیں ہوں۔

علم ینتفع بہ کی بابت کیا پوچھنا شارح مشکوۃ نے وہ علمی خزانہ برائے انتفاع عام چھوڑا ہے جس کی مثال دور حاضر میں کہیں نہیں مل سکتی یہ علمی خزانہ صدیوں بر قرار رہے گا اور ملت کو اسی طرح نفع پہونچاتا رہے گا جس طرح ابن تیمیہ اور شاہ ولی اللہ رحمہما اللہ جیسے ائمہ کبار کی تصنیفات لوگوں کو فائدہ پہونچارہی ہیں اور زندہ وجاوید بنی ہوئی ہیں یہ ٹھوس علمی و تحقیقی کارنامہ ہے جس کی توفیق اللہ تعالی نے حضرت شیخ الحدیث کو عطا فرمایا اس کی قدر و منزلت اس وجہ سے مزید بڑھ جاتی ہے کہ اس دور میں سرسری اور چالو کتابیں لکھنے کا رواج تو بہت بڑھ گیا لیکن قدماء کی طرح ٹھوس علمی و تحقیقی کام انجام دینا تو اب جیسے ناپید ہی ہوتا جارہا ہے کیونکہ یہ بہت پتے ماری کا کام ہے-

"ولد صالح یدعولہ" کا انطباق بھی کیا پوچھنا، کیونکہ اللہ تعالی نے آپ جیسی اولاد صالح عطا فرماکر مولانا کی نیکیوں میں اضافہ اور رفع درجات کا ذریعہ بنادیا آپ اپنے والد بزرگوار کے لئے دعائے خیر کرتے رہیں۔

اللہ تعالی سب کو ایسا ہی خوش بخت نیک بخت اور جامع کمالات بنائے (آمین) میں نے مسلم شریف کی جو حدیث اوپر نقل کی ہے اس میں تینوں نیکیوں کے ساتھ لفظ "او" استعمال ہوا ہے یعنی کوئی ایک نیکی کسی کے اعمال نامے میں ہوگی تو وہ اس کے لئے دائمی حسنہ بن جائیگی۔ مگر شیخ الحدیث صاحب کا معاملہ تو اتنا بلند وبالا ہے کہ یہ تینوں ہی نیکیاں مجتمع ہیں۔ اس لئے اب مرحوم اگرچہ دنیا میں نہیں رہے لیکن ان کے اعمال ابھی جاری ہیں اور مدتوں ان کے اعمال میں درج ہوتے رہیں گے اللھم زد فزد۔

ہرگز نہ میرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق

ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما

اخیر میں مولانا کے لئے دعائے مغفرت کرتے ہوئے عرض ہے کہ آپ کے غم میں میں ہی کیا پوری ملت شریک ہے جس طرح آپ تعزیت کے مستحق ہیں اسی طرح ہم سب بھی تعزیت کے مستحق ہیں کیونکہ شیخ الحدیث صرف آپ کے نہیں تھے بلکہ پوری ملت کے لئے سرمایۂ افتخار تھے۔

آپ بھی صبر کریں اور اہل خانہ کو بھی صبر کی تلقین فرماتے رہیں۔ والسلام

آپ کا شریک غم : نظام الدین

جامعۃ الفلاح بلریا گنج ، اعظم گڈھ

(۴۴)

فضیلت مآب الدکتور مقتدی حسن صاحب ازہری حفظہ اللہ وتولاہ

وکیل الجامعہ السلفیہ بنارس الهند

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مورخہ ۵/ جنوری ۱۹۹۴ء کو یہ خبر جانکاہ موصول ہوتے ہی کہ علامہ شیخ الحدیث صاحب مبارکپوری رحمۃ اللہ علیہ اس دنیائے فانی سے رحلت فرماگئے "انا للہ وانا الیہ راجعون" پوری جماعت اهلحدیث نیپال میں کہرام مچ گیا، مگر فرمان باری " کل نفس ذائقة الموت " کی بنا پر کسی کو اس سے جائے فرار نہیں لیکن اس حقیقت سے بھی انکار نہیں کیا جاسکتا کہ شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ کا مبارک وجود پورے بر صغیر کے سلفیوں کے لئے باعث خیر وبرکت تھا، آج ہم ایک طرح موصوف کے فیوض وبرکات سے محروم ہوگئے لیکن جب آپکی شہرۂ آفاق کتاب مرعاۃ المفاتیح ہے ہم سبھی لوگ دوسری طرح سے آپکے علمی برکات سے مستفیض ہوتے رہیں گے۔

اس سانحۂ عظیم پر صبر کے سوا کوئی چارہ نہیں ، ضلعی جمعیت اهلحدیث کپل وستو نیپال کے سبھی اخوان آپ حضرات کے غم میں برابر کے شریک ہیں اور بارگاہ ایزدی میں دعاگو ہیں کہ رب تعالی ہم سبھی لوگوں کو صبر جمیل کی توفیق بخشے اور مرحوم کی دینی وعلمی خدمات واعمال صالحہ کو قبول فرماکر جنت الفردوس عنایت فرمائے۔ آمین فقط والسلام

ناچیز غمزدہ دعاگو : عبدالحیٔ محمد حنیف / المدنی

ناظم اعلی ضلعی جمعیت اہلحدیث کپل وستو نیپال

عمید المعہد الاسلامی تولہوا

(۳۴)

مکرم و محترم حضرت مولانا ڈاکٹر مقتدی حسن صاحب ازہری / حفظہ اللہ وتولاہ

السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ مزاج مبارک

عرض خدمت اینکہ مورخہ ۵ جنوری ۱۹۹۴ء بروز بدھ صبح سویرے یہ خبر پورے عالم اسلام کیلئے صاعقہ بن کر گری کہ حضرت العلام شیخ الحدیث صاحب مبارکپوری رحمتہ اللہ علیہ کی وفات ہوگئی انا للہ وانا الیہ راجعون ۔

آپ کے انتقال کی خبر سنتے ہی معلوم ہوا کہ زمین نیچے سے کھسک گئی- یقین نہیں آرہا تھا ہمارے المعہد الاسلامی تولہوا کے اساتذہ وطلباء کو سخت صدمہ پہونچا جب کہ عالم اسلام کا ایک عظیم محدث اس دنیائے فانی کو الوداع کہہ گیا- لیکن قضاوقدر کے آگے سب کو سر تسلیم خم کرنا ہے انبیاء و اولیاء بڑے بڑے محدث اس دنیا سے رحلت فرماگئے۔

ہم تمام منسوبین المعہد الاسلامی تولہوا جناب باری میں دست بدعا ہیں کہ الہ العالمین ہم سب کو صبر جمیل عطا فرمائے (آمین) اور شیخ مرحوم کی علمی خدمات کو قبول فرماکر انہیں کروٹ کروٹ جنت الفردوس میں جگہ عنایت فرمائے۔

آسماں تیری لحد پر شبنم افشانی کرے-

والسلام

محمد ہارون السّلفی

مرکز الامام احمد بن حنبل الاسلامی تولہوا کپل وستو نیپال

(۳۵)

عزیزم مولوی عبد الرحمان وبرادران

السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ وعلی من لدیکم

رات ریڈیو سے ایک ایسی المناک وغم واندوہ والی خبر آئی جس کو سننے کے بعد میں سراپا غم بن

گیا، سکتہ کی سی کیفیت ہوگئی یہ تو معلوم تھا کہ شیخ الحدیث رحمہ اللہ کی طبیعت ناساز ہے، مگر اس جدائی کا احساس بھی نہ تھا، افسوس صد افسوس کس طرح آپ سبکو صبر کی تلقین کروں، یہ ایک ایسا المیہ ہے جسکا بدل میسر ہی نہیں، آپ لوگ مجھ سے واقف نہیں محترم میرے بزرگ شفیق اور مہربان استاد تھے۔ میں نے نو سال دار الحدیث رحمانیہ میں محترم بزرگ کی شفقت میں گزارے اس وقت کم عمر تھی اور میرے بزرگ میرے داخلہ والے سال میں ہی مسند درس پر رونق افروز ہوئے تھے، سہسوانی کے ناتے میرا بڑا خیال فرماتے وہ میرے والد تھے اور میں انکا بیٹا تھا، میں اور اہل خاندان سوگوار نہیں بلکہ سارا عالم اسلام سوگوار ہے، جس طرح حضرت میاں سید نذیر حسین صاحب رحمہ اللہ اپنے وقت میں فرد تھے بالکل اسی طرح ہمارے شیخ الحدیث صاحب رحمہ للہ بھی اپنے دور میں اپنے علم وفضل زہد و تقوی شرافت وانسانیت کے اس درجہ پر فائز تھے آج کے دور میں آپ کے علاوہ کوئی اور نظر نہیں آتا ہے میرے بزرگ بڑی خوبیوں کے حامل اور بڑی نیکیوں کے مالک تھے اپنے ساتھ نیکیوں کے پہاڑ لے گئے، بلا شبہ آپ عالم با عمل تھے دنیا دار نہیں تھے۔

اللہ تعالی نے آپکو دین کی ترویج وترقی کیلئے پیدا کیا وہ کام اللہ تعالی نے آپ سے لے لیا اور دنیا کی تکالیف سے بچانے کیلئے اپنی مہمانی خاص میں بلا لیا برادرم یہ مشیت خداوندی ہے جب انبیاء کرام علیہم الصلاۃ والتسلیم موت سے نہیں بچ سکے تو پھر دیگر حضرات کیونکر بچ سکتے ہیں۔

اللہ تعالی سے دعا ہے کہ ہم سب مسلمانوں کو بزرگ کے بتائے ہوئے راستے پر چلنے کی توفیق مرحمت فرمائے اور ہمارے محترم بزرگ کی بہتر سے بہتر مہمان نوازی کرے اور جنت الفردوس میں اعلی مقام عطا فرمائے (آمین)

ایک حدیث کے سلسلے میں کئی مرتبہ خط لکھنے کا خیال آیا، مگر تین ماہ سے طبیعت بہت خراب رہی معلومات نہ کرسکا۔ اس کا بھی افسوس ہے کل جمعہ ہے انشاء اللہ نماز جنازہ غائبانہ ضرور ہوگی اللہ تعالی آپ سبکو صبر جمیل کی توفیق مرحمت فرمائے اور صحت وعافیت سے رکھے اور بزرگ محترم کی نیکیوں کے ثمرات سے نوازتا رہے (آمین) اپنی بہن، بھائیوں اور محترم والدہ صاحبہ سے میری طرف سے تعزیت اور صبر کی تلقین کردیں، اللہ تعالی بزرگ محترم کی لغزشوں، برائیوں کو نیکیوں میں تبدیل

کر کے آپکی نیکیوں کو درجہ قبولیت سے سر فراز فرمائے (آمین)

دعا گو دور افتادہ بھائی
سید نذر الحسن
سہسواں ، بدایوں

(۴۶)

برادر مکرم

سلام مسنون

جناب ڈاکٹر عبد الحسیب صاحب کے خط کے ذریعہ حضرت مولانا عبید اللہ صاحب حفظہ اللہ تعالی کے وصال کی خبر موصول ہوئی - وہ آپ کے والد ماجد تھے اور ہم سب کے مذہبی اور روحانی رہنما-

ان کے وصال سے ہم سب ایک معنوں میں یتیم ہوگئے - خدا ان کو اپنی جوار رحمت میں جگہ دے اور ہم سب کو یہ جانکاہ غم اٹھانے کی طاقت عطا فرمائے (آمین) انا للہ وانا الیہ راجعون -

ہم سب کو ان کی زندگی سے سبق لینا چاہئے ان کی زاہدانہ ، عارفانہ ، عالمانہ ، فقرو فاقہ کی زندگی کو اپنی راہ عمل بنانے کی توفیق دے آمین-

آپکا غم شریک بھائی
محمد مبین جیراجپوری

(۴۷)

محترم جناب مولانا عبد الرحمان وڈاکٹر عبد العزیز صاحبان مبارکپوری حفظہما اللہ تعالی

السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ -

آج صبح سوا پانچ بجے مجھے یہاں ریاض میں یہ المناک خبر ملی کہ ہمارے جامعہ سلفیہ کے تاسیسی صدر اول اور ہم سب کے لئے باعث صد افتخار شخصیت اور آپ صاحبان کے والد بزرگوار حضرت العلام شیخ الحدیث مولانا عبید للہ صاحب رحمانی" ہم سب کو سوگوار چھوڑ کر داعی اجل کو لبیک کہہ گئے انا للہ وانا الیہ راجعون

جناب شیخ الحدیث رحمتہ اللہ علیہ ہماری جماعت کے لئے ایک مثالی شخصیت تھے آپ کی عملی بصیرت اور آپ کا تواضع ہر ملنے والے کے دل کو موہ لیتا تھا - ہمارے والد رحمہ اللہ سے آپ کا جو لگاؤ تھا وہ اس وقت دیکھنے کو آیا جب شیخ صاحب والد صاحب کے جنازہ میں شرکت کے لئے بنارس تشریف لائے تھے - اپنی کمزور صحت کے باوجود جس طرح آپ نے والد صاحب کی نماز جنازہ پڑھائی وہ نقشہ آج بھی ذہن میں موجود ہے ۔ یہ بنارس کا آخری سفر تھا - آج وہ ہم میں نہیں رہے ۔ میں اس دور مقام سے آپ کے لئے دعا ہی کر سکتا ہوں اللہ تعالی آپ کے حسنات کو قبول فرمائے کوتاہیوں سے در گزر فرمائے اور اعلی علیین میں جگہ دے، آمین ۔

آپ کی وفات سے جماعت اور خصوصا جامعہ کو جو نقصان ہوا ہے اس خلا کا پر ہونا بظاہر بہت مشکل نظر آرہا ہے اللہ تعالی ہم سب کو صبر وسکون عطا فرمائے اور آپ صاحبان کو شیخ الحدیث کا بہترین خلف بنائے۔ انہ سمیع مجیب - گھر میں جملہ اہل خانہ کو میری طرف سے اور میرے اہل خانہ کی طرف سے خصوصا اپنی والدہ محترمہ کو تعزیت پہونچائیں ۔

اعظم اللہ اجرکم واجر الجمیع- اللہم لا تحرمنا اجرہ ولا تفتنا بعدہ

والسلام علیکم ورحمتہ اللہ

سوگوار : عبداللہ سعود

نائب ناظم جامعہ سلفیہ بنارس

(۳۸)

محترم جناب مولانا عبد الرحمان صاحب زید مجدکم

السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ

آپ کے والد ماجد اور ہم سب کے مخدوم حضرت شیخ الحدیث مولانا عبید اللہ صاحب رحمانی رحمتہ اللہ علیہ کے سانحہ وفات کی خبر سے بڑا صدمہ ہوا ، انا للہ وانا الیہ راجعون ۔ خبر سنتے ہی جی چاہا حاضر ہوکر جنازہ میں شرکت کی سعادت حاصل کروں لیکن بعض اہم مجبوریوں کے باعث توفیق نہیں ہوئی۔ اللہ تعالی آپ سب پسماندگان جن میں ان کے تلامذہ اور مستفیدین بھی ہیں سب کو صبر وسکون عطا

فرمائے حضرت کے رفع درجات کے لئے ہم سب دعا کرتے ہیں۔

بستی کی دینی تعلیمی کانفرنس دسمبر ۱۹۵۹ء میں ملاقات کا شرف حاصل ہوا۔ یوں تو غائبانہ طور پر نیاز حاصل تھا اور ان کے دینی علمی خصوصاً علم حدیث میں اشتغال کا حال معلوم ہوتا رہتا تھا، خوش بختی سے ۱۹۶۳ء کے سفر حجاز میں مدینہ طیبہ میں دو ہفتہ حضرت کے قیام گاہ پر حاضری ہوتی رہی اور ان کی شفقت و محبت سے سر فرازی حاصل ہوئی۔ مرعاۃ شرح مشکوۃ سے بھی اپنی بساط کے مطابق استفادہ کی سعادت ملی۔ حضرت شیخ رحمتہ اللہ علیہ سے استفادہ کرنے والے لاکھوں کی تعداد میں ہیں اللہ تعالی ان کے درجات بلند فرمائیں اور آپ حضرات کو ان کا جانشین بنائیں اور دینی علمی سر فرازیاں عطا فرمائیں۔

گھر کے سبھی حضرات کو سلام عرض ہے اور تعزیت مسنونہ

والسلام

خادم

محمد مرتضیٰ ندوۃ العلماء، لکھنؤ

(۳۹)

جناب مولانا عبد الرحمان صاحب حفظہ اللہ و جناب حافظ عبد العزیز صاحب حفظہ اللہ

السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ

بدھ کے روز علی الصبح شیخ الحدیث صاحب کے انتقال پر ملال کی اندوہناک خبر ملی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

فوراً جماعت میں تمام لوگوں کو خبر کی گئی مہاراشٹر میں جن جن شہروں میں فون تھا بذریعہ فون ورنہ بذریعہ تار خبر دی گئی، احمد نگر شودھ پور، آگرہ، ناگپور اور دیگر تمام مقامات جہاں جماعت قائم ہے خبر کردی گئی، مالیگاؤں میں اسی روز بعد نماز عصر ایک تعزیتی میٹنگ منعقد کی گئی جس میں مولانا ڈاکٹر فضل الرحمان جناب مولانا عبد القدوس اور مولانا شفیق احمد اثری صاحبان نے شیخ صاحب کے متعلق ان کی تدریسی، تخلیقی، تصنیفی، اور جماعتی خدمات سے لوگوں کو روشناس کیا اور ان کے متعلق دعائے مغفرت کی گئی۔ یہ مجلس موتی پورہ مسجد اہلحدیث میں منعقد ہوئی۔ بعد نماز جمعہ نماز جنازہ غائبانہ تمام

اہلحدیث مساجد میں ادا کی گئی - تعزیتی میٹنگ میں خاص طور سے ذکر مرعاۃ المفاتیح کا رہا کہ اب تک نامکمل ہے اور یہ امید ظاہر کی گئی اور دعا بھی کی کہ آپ دونوں حضرات اس کو تکمیل تک پہونچائیں گے۔ دیگر تمام اہل خانہ وعزیز واقارب کو یہاں کی جماعت سلام عرض کرتی ہے اور دعا کرتی ہے کہ اللہ تعالی شیخ صاحب مرحوم کی نیکیوں کو قبول فرمائے، لغزشوں سے درگزر فرمائے، عذاب قبر سے بچائے اور جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائے (آمین) اور آپ تمام لوگوں کو صبر جمیل عطا فرمائے (آمین) ڈاکٹر تقی الدین کو بھی ان احساسات کی خبر کردیں

ڈاکٹر سعید احمد فیضی

مالیگاؤں

(۴۰)

محترم جناب بھائی عبد الرحمان صاحب

السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ

ہم لوگ خیریت سے ہیں - یہ خبر اخبار، ریڈیو کے ذریعہ معلوم ہوئی کہ محترم چچا مولانا عبید اللہ رحمانی شیخ الحدیث صاحب کا انتقال ۵ جنوری کو ہوگیا ہے - یہ خبر ہم لوگوں کو تیر کی طرح لگی- لیکن چچا صاحب کے نہ رہنے کا جو صدمہ ودکھ ہم کو اور ساتھ ہی خاندان والوں کو ہوا ہے اس کا اندازہ نہیں لگا سکتے ہیں۔ ان کو ہم لوگوں سے کتنی انسیت ومحبت تھی اول تو ملاقات کا بہت زمانہ ہوگیا تھا- آخری ملاقات بنارس کے جلسہ میں ہو سکی اس کے بعد خواہش رہی لیکن دنیا کے چکر میں ٹلتا رہا اور آخر وہ اس دنیا سے چلے ہی گئے " انا اللہ وانا الیہ راجعون " آپ لوگوں کو جو والد صاحب کے نہ رہنے کا دکھ ہوگا اس غم میں ہم لوگ بھی شریک ہیں - اللہ تعالی سے دعا ہے محترم کو جنت الفردوس میں جگہ دے (آمین) ان کو کروٹ کروٹ سکون وآرام دے آپ لوگوں کو صبر جمیل عطا کرے (آمین)

اپنی والدہ ماجدہ سے میرا بہت بہت سلام کہئے گا- بچوں کو بہت بہت دعائیں پیار کیئے گا ہم لوگوں کو بھی دعاؤں میں یاد رکھئے گا۔ فقط والسلام

آپکا چھوٹا بھائی خادم : (ڈاکٹر) انیس احمد خان

گینسڑی بازار گونڈہ

(۴۱)

برادر گرامی قدر مولانا عبد الرحمان صاحب رحمانی

السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ

آج ہی اخبار میں یہ المناک خبر نظر سے گزری کہ آپ کے والد محترم اور ہم سب کے لئے لائق احترام بزرگ شیخ الحدیث مولانا عبید اللہ رحمانی کا ۵/ جنوری کو وصال ہوگیا، انا للہ وانا الیہ راجعون - حضرت مولانا مرحوم کی وفات سے دلی صدمہ ہوا ہے، ایک تو مولانا کی علمی حیثیت اور محدثانہ مرتبہ ہم سب کے لئے منارہ نور تھا، جس کا نقصان تمام علمی حلقے محسوس کریں گے، دوسرے آپ کے والد بزرگوار ہونے کی وجہ سے ایک انسیت کا احساس ہوتا تھا جس زمانے میں آپ مدینہ یونیورسٹی میں پڑھتے تھے اور ہم لوگ بھی وہاں تھے، حضرت مولانا حج کے لئے تشریف لائے تھے اور ان کی زیارت وملاقات کا شرف حاصل ہوا تھا، اللہ تعالی ان پر اپنی رحمتیں نازل فرمائے اور آپ سب کو صبر جمیل عطا فرمائے، میری جانب سے تعزیت مسنون قبول فرمائیں اور اہل خانہ وجملہ متعلقین تک پیغام تعزیت پہنچانے کی زحمت فرمائیں

والسلام

آپ کا پرانا رفیق : فضیل الرحمان ہلال عثمانی

جامعہ دار السلام، پنجاب

(۴۲)

علم حدیث کا آفتاب غروب ہوگیا

آل انڈیا ریڈیو سے یہ خبر بجلی بن کر گری اور پوری جماعت میں صف ماتم بچھ گئی کہ عالم اسلام کے نامور عالم مفسر، محدث، محقق، مفکر اور ہندوستان کی ممتاز اسلامی درسگاہ جامعہ سلفیہ بنارس کے صدر حضرت علامہ مولانا عبید اللہ رحمانی مبارکپوری صاحب "مرعاۃ المفاتیح" اللہ کو پیارے ہوگئے انا للہ وانا الیہ راجعون ۔

ایتھا النّفس اجملي جزعا ان ما تحذرین قد وقعا

علامہ کی موت ایک پورے عہد کی موت ہے اب جو جگہ خالی ہوتی ہے وہ پر نہیں ہوتی۔ آج پورا عالم اسلام اس سانحہ پر سوگوار اور ماتم کناں ہے، جماعت اہل حدیث یتیم ہوگئی، خبر ملتے ہی ہر طرف کہرام مچ گیا ہر ایک کا چہرہ مغموم پریشان و مضطرب ہے، مدارس عربیہ ومکاتب اسلامیہ میں فوراً تعطیل کردی گئی، ملک کے گوشے گوشے میں نماز جنازہ غائبانہ ادا کی گئی، محدث عصر سے اخوان جماعت کو اس قدر عقیدت ومحبت تھی کہ خبر ملتے ہی بے وقت کے باوجود ملک کے گوشے گوشے سے عقیدت مندوں کی ایک کثیر تعداد مبارکپور پہونچ گئی، ایک اندازہ کے مطابق تقریبا پچاس ہزار کا مجمع آپ کے جنازہ میں شریک تھا خود اہل مبارکپور کا بیان ہے کہ آج تک سر زمین مبارکپور نے کسی کے جنازے میں اتنا بڑا مجمع نہیں دیکھا۔

محدث عصر علامہ مبارکپوری کے انتقال سے ہر شخص کو ذاتی نقصان پہونچا ہے۔ آپ کی وفات عالم اسلام کے لئے ناقابل تلافی نقصان ہے آپ کی رحلت سے پورے عالم اسلام بلکہ عصر حاضر کی تمام علمی وتعلیمی، فکری واجتہادی حلقہ جات ومجالس کی تابناکیاں کم ہوگئیں، وہ اپنے دور میں علوم اسلامی خاص کر علوم حدیث کی عزت وآبرو تھے۔

علامہ مبارکپوری ایسے ممتاز علمی خاندان کے چشم وچراغ تھے جن کی اخلاقی خوبیوں سے ہر وہ شخص واقف ہے جن کو علامہ سے ملاقات کا شرف حاصل ہوا ہے، علامہ میں علمی تبحر کے ساتھ ساتھ ایسی ذاتی، اخلاقی خوبیاں تھیں جو آج خواص میں مفقود ہے یہ صفت ہمارے سلف صالحین میں پائی جاتی تھی جو کتاب وسنت کے شیدائی تھے، جو پڑھتے اس پر پوری طرح عمل کرتے تھے، اس کو اپنے دلوں میں بیٹھا لیتے تھے، وہ محاسن اخلاق کے مجسمے ہوتے تھے، ان کی جیتی جاگتی چلتی پھرتی تصویر ہوتے تھے، عجز وانکسار، اخلاق ومحبت، صداقت وامانت، صبر واستقامت، تحمل وتشکر، عفت وپاکبازی، عام انسانی ہمدردی، خوف خدا، مہمان نوازی، اور جذبۂ خدمت خلق اور دوسری صفات عالیہ کے ساتھ جن کی تعلیم اللہ اور رسول اللہ ﷺ نے دی ہے متصف ہوتے تھے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ ہمارے علامہ مبارکپوری مذکورہ بالا اوصاف سے مکمل طور پر متصف

تھے دارالعلوم ندوۃ العلماء کے ایک سینیر استاد نے ایک موقع پر فرمایا تھا کہ۔

" جس کو صحابہ کرام جیسی صفات دیکھنی ہوں تو مبارکپور جا کر کے محدث عصر علامہ مولانا عبید اللہ رحمانی کو دیکھ لے"

علامہ مبارکپوری جیسی جامع کمالات شخصیتیں کہیں صدیوں میں پیدا ہوتی ہیں واقعتاً وہ اپنے کمالات میں سلف صالحین کی یادگار تھے جملہ اسلامی علوم پر علامہ کی نظر نہایت گہری اور وسیع تھی اور علوم حدیث میں تو امامت واجتہاد کا درجہ حاصل تھا، علامہ نے اپنی علمی ودینی بصیرت اور تلاش و تحقیق کی ایسی یادگاریں چھوڑی ہیں جو مدتوں علمی دنیا کی رہنمائی کا کام دیتی رہیں گی ان کی حیثیت ایک گنج گرانمایہ کی تھی ان کا علمی درجہ اتنا بلند اور ان کے علمی ودینی خدمات کا دائرہ اتنا وسیع ہے کہ اس کی تفصیل کیلئے ایک مستقل کتاب کی ضرورت ہے اور ایسا کیوں نہ ہو ایسی جامع کمالات ہستی کے حالات کا احاطہ جو تقریبا پون صدی تک علم وفن کی ہر مجلس میں ضیا بار رہی ہو اور جس کے قلم نے علم حدیث کے دفتر کھنگال ڈالے ہوں اور جن کے کارناموں سے دین وملت کا ہر گوشہ معمور ہو ایک مختصر تعزیتی مضمون میں جو نہایت عجلت وذہنی انتشار اور قلم برداشتہ لکھا گیا ہو اس کو سمیٹنا دریا کو کوزہ میں بند کرنے کے مترادف ہے۔

ائمہ محدثین نے علم حدیث کی تحقیق وتصنیف کا جو پودا لگایا تھا اس کی آبیاری میں علامہ مبارکپوری نے جس کاوش اور جانفشانی سے حصہ لیا، اہل علم وفضل ہمیشہ اسے قدر ومنزلت کی نگاہ سے دیکھتے رہیں گے، علم حدیث میں علامہ کی خدمات کو ہندوپاک کے علاوہ بلاد اسلامیہ میں بھی قدر ومنزلت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے آپ کی عالمانہ، محققانہ، محدثانہ مشکاۃ المصابیح کی شرح "مرعاۃ المفاتیح" ہے جس کا درجہ شروح مشکوۃ میں میرے نزدیک وہی ہے جو اصح الکتب بخاری شریف کی شروح میں علامہ ابن حجر عسقلانی ؒ کی شرح "فتح الباری" کا ہے۔

علامہ سے میری پہلی ملاقات دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ میں عہد طالب علمی میں ہوئی تھی الحمد للہ آج تک علامہ سے برابر ربط وضبط رہا، ناچیز پر بڑی شفقت فرماتے تھے، سال میں ایک دو بار ضرور حاضری دیتا اور جب بھی خدمت میں حاضری کا شرف حاصل ہوا بہت کچھ استفادہ کا موقع بھی ملا۔

آہ ! اب ایسی صورتیں کہاں دیکھنے کو ملیں گی جن کا وجود سر تا پا خیر ہی خیر ہو اور جن کی زندگی ایثار مجسم ہو ہمارے علامہ ہر دلعزیز تھے آپ کا دل محبت آشنا تھا، آپ کی زبان شیریں اور طبیعت بے آزار اور آپ کا قلب کینہ بغض و حسد سے پاک تھا آپ کے ساتھ رہنے والوں اٹھنے بیٹھنے والوں میں سے شاید ہی کوئی صاحب بیان کر سکیں کہ علامہ نے انکا دل کبھی دکھایا ہو یا ان کو نقصان پہونچایا ہو

اب وہ شفقت و محبت اور کرم و توجہ یاد کرتا ہوں تو دل تڑپ کر رہ جاتا ہے گویا میر تقی میر سے معذرت کے ساتھ

مصائب اور تھے پر ان کا جانا   عجب اک سانحہ سا ہوگیا ہے

میر کے اصل شعر میں بجائے ان کے "دل" ہے

فرحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ وطاب ثراہ

غمزدہ

عبد الرؤف ندوی تلشی پور، گونڈہ

(۴۴)

عزت مآب جناب استاذ مکرم حجازی صاحب / حفظہ اللہ وتولاہ

السلام علیکم ورحمتہ اللہ

بعد آداب وتسلیمات :

مدرسہ میں تمام اساتذہ اور طلبہ اپنے اپنے کاموں میں قلبی توجہ کے ساتھ مصروف تھے کہ اچانک ۲۰ / جنوری ۹۴ء کو ایک نباء عظیم کی آواز کانوں میں گونج اٹھی جس نے عقل ودماغ میں زلزلہ برپا کردیا، جسموں میں ہلچل مچا دیا، ہونٹوں سے مسکراہٹ چھین لی، رنج وغم نے تمام لوگوں کو اپنے گھیرے میں لے لیا، لوگ خاموش تھے مگر ان کی خاموشی میں ایک لمبی سی داستاں تھی، ان کی آنکھوں سے آنسوؤں کی دھار جاری تھی، اور لوگوں پر ایسی کیفیت کا طاری ہونا کوئی مستبعد بات نہیں ہے کیونکہ وہ نباء عظیم تھی، بنگلہ دیش کی جمعیت اہل حدیث کی مرکزی درسگاہ مدرسہ محمدیہ عربیہ سمیت وہاں کی مختلف مسجدوں میں علامہ موصوف کی نماز جنازہ ادا کی گئی، مدرسہ محمدیہ عربیہ کے شیخ الحدیث

علامہ احمد اللہ رحمانی جو علامہ موصوف کے خاص شاگرد رشید ہیں اور عالمی درسگاہ جامعہ سلفیہ بنارس کے شیخ الحدیث رہ چکے ہیں انھوں نے غائبانہ جنازہ کی نماز پڑھائی اور اساتذہ کے سامنے موصوف کے تبحر علمی اور انکی بے پناہ علمی صلاحیتوں پر روشنی ڈالی کچھ ہی دنوں بعد مجھے اپنے گھر آنیکا اتفاق ہوا اور چونکہ میرا خاندان بحمد للہ علمی خاندان ہے لہذا تقریبا تمام افراد خانہ کو علامہ موصوف سے تعارف تھا میں نے اپنے گاؤں میں آپ کے انتقال پر ملال کی خبر دی تو یہاں بھی وہی منظر دیکھنے میں آیا جو میں نے ڈھاکہ میں دیکھا تھا خاص طور پر میرے محترم چچا علامہ عبد المنان صاحب بہت متاثر ہوئے جو شیخ الحدیث مبارکپوری اور علامہ عبد السلام صاحب بستوی" اور علامہ سیف بنارسی " کے خاص شاگرد رشید ہیں۔

حسن اتفاق وہ جمعہ کا دن تھا- جمعہ کی نماز کی ادائیگی کے بعد میرے چچا نے تقریبا آدھا گھنٹہ تک لوگوں کو خطاب کیا اور علامہ موصوف کی حیات طیبہ، علمی کارناموں اور زہد و تقوی پر روشنی ڈالی-

خدا کا بے حد شکر و احسان ہے کہ اس نے مجھے علامہ موصوف سے دو تین مرتبہ شرف ملاقات سے نوازا ہے، جناب ازہر عبد الرحمان جو ہمارے کلاس فیلو اور علامہ موصوف کے پوتے ہیں انھوں نے میری ضیافت کی جمعہ کا دن تھا فجر کی اذان ہوئی علامہ موصوف نے امامت کی، سبحان اللہ۔

ضعیف العمری کے باوجود بھی انھوں نے سورہ سجدہ اور سورہ دہر کی مکمل تلاوت فرمائی-

اور میں علامہ موصوف کا بیحد ممنون ہوں کہ انھوں نے مجھے ازہر عبد الرحمان صاحب کے ساتھ صحیحین کی پہلی اور آخری حدیث کا درس تبرکا حاصل کرنیکا موقع عنایت فرمایا تھا-

(سقی اللہ ثراہ وجعل الجنۃ مثواہ)

والسلام

آپکا شاگرد : عبداللہ فاروق سلفی

مدرسہ محمدیہ عربیہ ۷۸ اتر جاترابادی

ڈھاکہ ۱۲۰۴، بنگلہ دیش

(۴۴)

روزنامہ انقلاب بمبئی میں ممتاز عالم ومحدث مولانا عبید اللہ رحمانی مبارکپوری کے ناگہانی انتقال کی خبر پڑھ کر بے حد رنج ہوا۔

گزشتہ سال جامعتہ الفلاح کے سیمینار کے لئے اعظم گڈھ آیا تھا تو مولانا سے ملاقات کا شرف حاصل ہوا تھا۔ مولانا ئے محترم نے میرے لئے خصوصی دعائیں کی تھی۔ میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ یہ آخری ملاقات ثابت ہوگی۔ عالم اسلام ایک جید اور ممتاز عالم سے محروم ہوگیا۔ ان کی موت سے جو خلا پیدا ہوگیا ہے وہ شاید ہی پورا ہو۔ خداوند کریم سے دعا ہے کہ وہ مرحوم کی خدمات کو قبول فرمائیں اور اپنی جوار رحمت میں جگہ عطا کرے۔ پسماندگان کو صبر جمیل دے۔ (آمین)

پروفیسر اکبر رحمانی

مدیر اعلی "آموزگار" جلگاؤں

(۴۵)

جا ملے مولی سے اپنے وہ جو تھے شیخ الحدیث
جن کے دم سے تھا منور ہند میں علم الحدیث

شارح مشکوۃ المصابیح ، صاحب مرعاۃ المفاتیح ، صدر جامعہ سلفیہ مرکزی دارالعلوم بنارس، سرپرست جماعت اہلحدیث ہند عزت مآب عالی جناب شیخ الحدیث عبید اللہ رحمانی ،بارکپوری کا انتقال پر ملال ایک سانحۂ عظیم اور دنیائے علم حدیث کیلئے ایک ناقابل تلافی نقصان ہے۔

ذهب الذين يعاش في اكنافهم　　　بقي الذين حياتهم لا تنفع

تواضع ، انکسار ، مؤثر اخلاق وکردار ، فکر وفن اور علم حدیث وفقہ دین کی نعمت خیر سے مالا مال ، سب کی عقیدت ومحبت اور عزت واحترام کا مرجع ، بے شمار کتابوں کے مصنف ، مرعاۃ المفاتیح کے مؤلف ، عالم باعمل ، پاسبان کتاب وسنت ، قاطع شرک وبدعت اور اخلاص وللہیت کی ایک بے مثال وپاکیزہ صورت ہم سے اوجھل ہوگئی اور وہ اپنے رب حقیقی سے جا ملے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اللھم امطر

علی مرقده مطر رحمتك وانعمه بمغفرتك وادخله في جنتك (آمین)

اہالیان راگھو نگر بھوارہ، مدھوبنی، بہار (جو جماعت اہلحدیث کا ایک مشہور مرکز ہے) سے اور یہاں کے قدیم جماعتی ادارہ مدرسہ اسلامیہ سے ان کا قلبی تعلق تھا، ہمیشہ سلام اور دعاؤں سے نوازتے رہتے تھے اخلاق کریمانہ اور خدمات دین متین کے سبب انہوں نے سب کا دل جیت لیا تھا، یہ کہنا بجا ہے کہ شیخ الحدیث صاحب رحمہ اللہ اہالیان راگھو نگر بھوارہ کے روحانی مربی تھے، انہوں نے اپنے اس مربی اور ہر دل عزیز شخصیت کی غائبانہ نماز جنازہ اجتماعی طور پر بعد نماز جمعہ جامع مسجد بھوارہ میں عقیدت ومحبت سے سرشار ہزاروں ہزار کی تعداد میں ادا کی، اللہ تعالیٰ جماعت اہلحدیث کو ان کا نعم البدل عطا کرے، ان کی دینی وعلمی خدمات قبول فرمائے اور ان کے پسماندگان کو صبر جمیل کی توفیق بخشے پھر اس کے بدلے اجر جزیل سے نوازے (آمین)

شیخ الحدیث صاحب تو دنیا سے رخصت ہوگئے لیکن اپنے پیچھے علم وعمل کی جو میراث چھوڑ گئے ہیں، وہ ہمارے لئے ایک بیش بہا نعمت ہے، جس کی حفاظت اور جس سے استفادہ بہت ضروری ہے- ان کے بقیہ علمی کام کی تکمیل جماعت اہلحدیث کی ذمہ داری ہے اور اسے ہر حال میں اپنی ذمہ داری پوری کرنی ہوگی- جانے والے جا چکے، لیکن اپنے عمدہ واعلیٰ خلاق وکردار، تواضع وانکسار، حسن سلوک وحسن خلق اور مہمانوں کی ضیافت کی جو شاندار مثال قائم کرگئے ہیں، اسے اپنانے کی ضرورت ہے اور اس طرح سے بھی ان کے نام کو زندہ رکھنا ہمارا فرض ہے- کہاں ملیں گے ایسے لوگ ؟ اور کہاں تلاشیں ان کی نظیر- بلا شبہ

ہم جہاں میں تیری تصویر لئے پھرتے ہیں
کسی صورت سے نہیں ملتی ہے تیری صورت

محمد نور العین سلفی
ناظم اعلیٰ مدرسہ اسلامیہ
راگھو نگر بھوارہ - مدھوبنی بہار

(۴۶)

آہ ! استاد محترم شیخ الحدیث علامہ عبید اللہ رحمانی رحمہ اللہ

جتنے لوگ اس دنیا میں آئے سب کی رحلت کا ایک وقت مقرر ہے - لیکن کسی کی وفات زیادہ

باعث صدمہ ہوتی ہے- کسی کی کم- کسی کے جانے سے بڑے عظیم پیمانے پر خلا محسوس ہوتا ہے، اور کسی کے جانے سے ایسا نہیں ہوتا اس کی وجہ دراصل یہ ہے کہ آدمی کی ذات جس قدر اوصاف حمیدہ کی حامل ہوتی ہے- اسی قدر اس کے انتقال پر ثمرہ بھی مرتب ہوتا ہے- جس وقت آپ کی وفات کی خبر معلوم ہوئی دل کو سخت صدمہ پہونچا- ہم اس عظیم مصیبت پر انا للہ وانا الیہ راجعون کے سوا کچھ نہیں کہہ سکتے - بیس سال پہلے کی بات ہے جب میں مبارک پور میں زیر تعلیم تھا ہمیشہ آپ کے پاس آتا جاتا تھا- کبھی درسی کتاب سمجھنے، کبھی فتاوی حاصل کرنے کے لئے پہونچتا تھا آپ مجھے محبت کی نظر سے دیکھتے تھے- آپ کی زندگی انفرادی واجتماعی ہر حیثیت سے لائق تعریف تھی آپ بڑے خلیق اور وسیع الظرف تھے - خندہ پیشانی کے ساتھ لوگوں سے ملتے تھے- جب کوئی اجنبی آپ سے ملتا تو اسے احساس نہیں ہوتا کہ ہم اجنبی شخص سے بات کررہے ہیں- ہر شخص آپ سے بے تکلفی سے ملتا- اور آپ نے دین اسلام کی خدمت میں بہت کوشش کی اور ہندوستان میں اسلام کی اشاعت کے لئے سرگرم عمل رہے- میری طرف سے اللہ تعالی سے دعا ہے کہ استاذ محترم کو جنت الفردوس عطا فرمائے - اور آپ کے اعزاء واقارب اور تمام متعلقین کو صبر کی توفیق بخشے اور دین اسلام کے لئے بہتر جانشین عطا فرمائے -(آمین)

والسلام

محمد یونس سلفی

صدر مدرس مدرسہ دارالحدیث سوگڑھ بیر بھوم

(۴۷)

علم حدیث کی بساط سونی ہوگئی

ایک محدث بے بدل کی رحلت

مکرمی ایڈیٹر صاحب روزنامہ آواز ملک

السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ

میں سعودی کے سفر پر تھا کہ ریاض میں جامعہ سلفیہ کے صدر اور علمی دنیا کی نامور شخصیت شیخ الحدیث علامہ عبید اللہ رحمانی مبارکپوری رحمہ اللہ کی وفات کی خبر موصول ہوئی انا للہ وانا الیہ راجعون -

موصوف علم و تحقیق زہد و تقویٰ اور اخلاص وللہیت کا پیکر تھے، آپ کی رحلت صرف برصغیر ہی نہیں بلکہ پورے عالم اسلام کا زبردست خسارہ ہے، مرحوم نے مشکوٰۃ المصابیح کی شرح مرعاۃ المفاتیح تصنیف فرما کر طالبان علوم نبوت کے لئے علم و تحقیق کا جو اعلیٰ معیار قائم فرمایا اس سے آئندہ نسلیں برابر روشنی حاصل کرتی رہیں گی، اسی طرح زہد و تقویٰ اور اخلاص و بے نفسی کا جو نمونہ آپ نے پیش کیا وہ ہم سب کے لئے قابل تقلید ہے۔

آپ کے موقر روزنامہ کے ذریعہ میں مرحوم کے پسماندگان اور جملہ سوگواروں کی خدمت میں تعزیت پیش کرتے ہوئے دعاگو ہوں کہ اللہ تعالیٰ مرحوم کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے، اور ان کے ہونہار فرزندوں اور شاگردوں کو توفیق بخشے کہ ان کی علمی و عملی روایت کو زندہ و تابندہ رکھیں، آمین۔

شریک غم

مقتدیٰ حسن ازہری

وکیل الجامعہ السلفیہ بنارس

(۴۸)

عام الحزن (سال غم)

یہ سال اگر چہ دیگر بہت سے آلام ومصائب کے اعتبار سے رنج و غم اور حزن وملال کا سال گردانا جا سکتا ہے، لیکن غمزدہ راقم الحروف کے نزدیک یہ سال تو شیخ الحدیث علامہ عبید اللہ رحمانی مبارکپوری رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ نیز مشفق ومہربان عم محترم جناب حبیب الرحمان بن علامہ عصمت اللہ رحمانی رحمہ اللہ کے سایہ روحانیت وعاطفت اٹھ جانے کے باعث سال غم یا عام الحزن کی حیثیت رکھتا ہے۔

نئے سال کے پہلے ہی مہینے میں مذکورہ بالا دونوں ہستیوں کی وفات حسرت آیات کی خبر نے دل ودماغ پر سکتہ طاری کردیا، ۲۳ / رجب ۱۴۱۴ھ بروز چہار شنبہ موافق ۵/ جنوری ۹۴ء کو بنارس سے عزیز گرامی شیخ یونس مدنی حفظہ اللہ کا ٹیلیفون موصول ہوا کہ شیخ الحدیث صاحب کا صبح ۶ / بجے انتقال ہوگیا ہے اور شام چھ بجے تجہیز وتکفین عمل میں آئے گی۔ اخوان کو مطلع کردیں، یہ سنتے ہی زبان پہ انا للہ

وانا الیہ راجعون کے کلمات جاری ہوگئے اور ان کے لئے دعائے مغفرت کی اور نماز فجر کے لئے روانہ ہوا، نماز کے بعد امارات میں مقیم اخوان جماعت کو اس حادثۂ فاجعہ کی اطلاع دی اور دن بھر اس خبر سے طبیعت مضمحل رہی، بار بار دعائیہ کلمات زبان سے نکلتے رہے - اللھم اغفر لہ وارحمہ وعافہ واعف عنہ - اس المناک حادثہ کا زخم ابھی ہرا ہی تھا کہ دوسرے ہی روز بذریعہ ٹیلیفون یہ اطلاع ملی کہ مشفق ومہربان چچا جناب حبیب الرحمان بن مولانا عصمت اللہ رحمانی بھی اللہ کو پیارے ہوگئے - انا للہ وانا الیہ راجعون - اس جانکاہ خبر نے طبیعت کو مزید مضمحل کردیا، بے اختیار آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے اور زبان پر اللھم اغفر لہ وارحمہ واکرم نزلہ ووسع مدخلہ کا ورد جاری ہوگیا، دونوں بزرگوں کی جدائی سے جماعتی نیز خاندانی سطح پر بہت بڑا خلا پیدا ہوگیا، اللہ تعالی ہمیں ان کا نعم البدل عطا فرمائے اور صبر کی توفیق بخشے - آمین -

ان دونوں ہستیوں کے اخلاق کریمانہ نے مجھے بے حد متاثر کر رکھا ہے، اول الذکر جناب شیخ الحدیث رحمہ اللہ سے ۱۹۷۴ء میں پہلی ملاقات اپنے فاضل دوست ڈاکٹر عبد الرحمان پریوائی حفظہ اللہ اور عزیز گرامی جناب مولوی ثناء اللہ لیفی مئوی کے ہمراہ ان کے دولت خانہ، واقع رانی پورہ میں ہوئی تھی، انھوں نے ہم جیسے ادنی طالب علموں کا جس پر تپاک انداز میں خندہ پیشانی کے ساتھ خیر مقدم کیا تھا اسے قید تحریر میں لانا مشکل ہے، اتفاق سے صاحبزادگان میں سے کوئی اس وقت گھر پر موجود نہیں تھا، کچھ دیر بعد وہ لوگ آئے شیخ الحدیث صاحب نے ہمارے احوال معلوم کئے، مختلف موضوعات پر باتیں ہوئیں، انھوں نے ہمارے لئے خود اپنے ہاتھوں سے چارپائیاں لگائیں، اور حمام میں پانی رکھا، ہم لوگوں نے درخواست کی کہ ہم خود ہی یہ کام کرلیں گے لیکن انھوں نے اس کی اجازت نہیں دی اور فرمایا آپ لوگ ہمارے مہمان ہیں، اس وقت "فلیکرم ضیفہ" کی عملی تصویر دیکھنے میں آئی، در حقیقت آپ علما عملا اور خدمتا شیخ الحدیث تھے - جزاہ اللہ خیرا عن الاسلام والمسلمین وجعل الجنۃ مثواہ - آمین -

اس سال چھٹی میں ہندوستان جانا ہوا تو غالبا ۷ / اگست ۹۳ء کو مولانا مختار احمد، عبد المجید مدنی کے ہمراہ آپ کی زیارت کا شرف حاصل ہوا تھا، ضعف ونقاہت کے باوجود آپ ہمارے ساتھ بیٹھے، کچھ باتیں کیں،، مرعاۃ المفاتیح کے بارے میں دریافت کرنے پر بتایا کہ کتاب البیوع کے بعد طبیعت کی

مسلسل ناسازی اور کمزوری کے باعث مزید کچھ پیش رفت نہیں ہو سکی اور "ٹیلیفون پر نکاح" کی بابت پوچھا گیا تو تبسم فرمایا اور کہا کہ اس کی قباحت تو آپ لوگ جانتے ہی ہیں آپ کے برخوردار جناب ڈاکٹر حافظ عبد العزیز صاحب حفظہ اللہ نے ضیافت کی، بعد ازاں ہم لوگوں نے واپسی کی اجازت مانگی رخصت ہوتے وقت شیخ الحدیث مرحوم خود دروازہ تک چھوڑنے آئے، ہم لوگ سلام کرکے رخصت ہوئے، کیا معلوم تھا کہ یہ ہماری آپ سے آخری ملاقات ہوگی اور یہ آخری سلام ہوگا- اللہ تعالی جنت میں ہماری آپ سے ملاقات کرائے اور آپ کی مغفرت فرمائے اور اعلی علیین میں جگہ مرحمت فرمائے- اور آپ کی قبر کو نور سے منور فرمائے آمین-

غمزدہ : سہیل احمد فضل الرحمان
مرکز الدعوۃ والارشاد دبئی
۱۳/ ۸/ ۱۴۱۴ھ
۲۹/ ۱/ ۱۹۹۴ء

(۴۹)

آہ

اسلام کا اب نیر تاباں نہیں رہا

شیخ الحدیث صاحب مرعاۃ المفاتیح کی غمناک خبر ملی جو بتدریج یہاں کے سلفی اخوان کے ایک ایک فرد کو سوگوار بنا گئی، انا للہ وانا الیہ راجعون، موصوف کی نماز جنازہ غائبانہ پڑھی گئی-

شیخ الحدیث رحمہ اللہ کی ذات گرامی عالمی سطح پر ایک عظیم نعمت اور قیمتی متاع تھی جو ہم سے چھین لی گئی (تغمدہ اللہ برحمتہ) اب اس حادثہ جانکاہ سے سنبھلنے کے لئے صبر سے بہتر سہارا کیا ہو سکتا ہے، جمعیت کی نمناک آنکھیں اس جیسی گوہر گرانمایہ ہستی کو دیکھنے کے لئے بے تاب ہیں، اللہ رب العالمین کا ان کا کوئی نعم البدل عطا فرمائے، آمین، ان کی وفات جمعیت اہل حدیث کے لئے ایک عظیم سانحہ ہے جس کی تلافی ناممکن ہے-

عالمی سطح کی یہ قدر آور ہستی خدمت حدیث کے معاملے میں ایک حسین اور تابناک تاریخ رکھتی ہے ، وہ اپنے علمی کارنامے کے باعث اقران واماثل میں بے مثال تھے ، ان کی وجہ سے جماعت کا وقار بلند ہوا ، شیخ الحدیث رحمہ اللہ نے علمائے اسلام کے دلوں اور حوصلوں کو توانائی بخشی ، اور اپنی بے لوث خدمات سے جماعت کو ایک نیا رخ عطا کیا ، اللہ ان کی خدمات کو شرف قبولیت بخشے اور رفع درجات کا سبب بنائے ، آمین ۔

نور سے معمور یہ خاکی شبستاں ہو ترا — مثل ایوان سحر مرقد فروزاں ہو ترا
آسماں تیری لحد پر شبنم افشانی کرے — سبزۂ نورستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

اللہ رؤف رحیم شیخ الحدیث رحمہ اللہ کے پس ماندگان کے زخمی دلوں پر صبر جمیل کا مرہم رکھ کر ان کی دستگیری فرمائے ۔

مدرسہ سلفیہ پرسہ کے اراکین واساتذہ اور پرسہ کی پوری جمعیت اہل حدیث مرحوم مغفور کے اہل وعیال کے غم میں برابر کے شریک ہیں ، اللہ صبر وثبات عطا فرمائے ، (آمین)

منجانب
اراکین واساتذہ کرام مدرسہ سلفیہ پرسہ
وجمعیت اہل حدیث پرسہ بھرولی گوپال گنج بہار

(۵۰)

مدرسہ عربیہ دار التعلیم مبارکپور میں تعزیتی اجلاس

۱۰ / جنوری ۹۴ بوقت صبح محدث عصر بقیۃ السلف حضرت الشیخ علامہ عبید اللہ صاحب رحمانی رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ کی وفات حسرت آیات پر مدرسہ عربیہ دار التعلیم میں ایک تعزیتی اجلاس منعقد ہوا ، جس میں اساتذہ کرام مدرسہ عربیہ دار التعلیم نے شیخ الحدیث رحمہ اللہ کی علمی ، دینی اور جماعتی خدمات کو خراج تحسین پیش کیا اور مرحوم کی جدائی پر گہرے رنج والم کا اظہار کیا ۔

حقیقت تو یہ ہے کہ حضرت الشیخ رحمہ اللہ کی جدائی سے پوری ملت اسلامیہ کو جو صدمہ پہونچا ہے اس کی تلافی ان رسمی پروگراموں سے نہیں کی جاسکتی اور نہ ہی موصوف کی وفات سے جو علمی خلا پیدا

ہوا ہے اس کو زبان وقلم سے پر کیا جا سکتا ہے ، اساتذہ کرام نے آپ کی حیات کا ذکر کرتے ہوئے بتایا کہ فن حدیث پر شیخ الحدیث رحمہ اللہ کی گرفت مضبوط تھی اور فقہی مسائل میں جو نکتہ سنجی اور باریک بینی حاصل تھی اس میں اپنی مثال آپ تھے ، فقہ وفتاوی اور مسائل کی شرح وبسط میں آپ کی شخصیت منفرد تھی ، مرعاۃ المفاتیح شرح مشکوۃ المصابیح آپ کے علمی تبحر کی زندہ جاوید مثال ہے ۔

علم وفضل کے اوج کمال پر پہونچنے کے بعد بھی آپ کے اندر نرمی ، مروت ، حسن اخلاق ، تواضع وانکساری کا یہ عالم تھا کہ آپ کے دروازہ پر اگر کوئی معمولی مہمان بھی آجاتا تو اس کی خدمت کے لئے فرش راہ ہوجاتے ، متعارفین وغیر متعارفین میں سے ہر ایک کے ساتھ یکساں حسن سلوک کرنا آپ کی عظیم خوبیاں ہیں جو کم ہی لوگوں میں پائی جاتی ہیں ، لوگ خدمت کرواتے ہیں ، لیکن آپ کی خدمت اگر کوئی کرنا چاہتا تو اسے ناکامی ہوتی یہاں تک کہ اپنے ابناء واحفاد کو بھی خدمت کا موقع کم ہی دیتے ۔

چونکہ آپ کی شخصیت ہر طبقہ میں یکساں محترم اور مسلم تھی اس لئے اساتذہ کرام مدرسہ عربیہ دار التعلیم نے آپ کی وفات کو موت العالم موت العالم کا مصداق ٹھہرایا اور پوری امت مسلمہ کا عظیم علمی خسارہ قرار دیا ، نیز جملہ متعلقین ، منتسبین اور پسماندگان سے ہمدردی کا اظہار کرتے ہوئے انہیں صبر جمیل کی تلقین کی اور صدق دل سے یہ دعا کی کہ اللہ تعالی اس خانوادہ علم ودانش کے مرجع خلائق ہونے کا تسلسل باقی رکھے اور ابناء واحفاد میں دین کا یہ علمی ورثہ ہمیشہ باقی رکھے اور حضرت الشیخ رحمتہ اللہ علیہ کی دینی ، علمی اور جماعتی خدمات کو شرف قبولیت بخشے ، ان کے درجات کو بلند کرے ، ان کی قبر کو نور سے بھر دے اور اپنی جوار رحمت میں جگہ دے ، اللھم اغفر له وارحمه وعافه واعف عنه (آمین)

آخر میں رنج وغم سے چور مرحوم کے صاحبزادے حضرت مولانا عبد الرحمن صاحب رحمانی مدظلہ العالی ناظم اعلی مدرسہ ہذا نے اشکبار آنکھوں سے اپنے والد مربی رحمہ اللہ کی تربیت ، مہمان نوازی اور سفر وحضر کی ہدایات کے سلسلہ میں چند اہم باتیں اساتذہ وطلبہ کو بتائیں اور نازک ومایوس کن حالات میں اپنے والد رحمہ اللہ کے حیات آفریں مشوروں کا تذکرہ کیا نیز ملی ، جماعتی تعمیر وترقی کے کاموں پر شیخ مرحوم کی بے انتہا مسرتوں کا ذکر کرتے ہوئے بتلایا کہ والد محترم کی دلی تمنا تھی کہ مدرسہ عربیہ دار التعلیم مبارکپور

جو تنگ و تاریک جگہ پر واقع ہے اس کو کسی وسیع و عریض جگہ پر منتقل کر دیا جائے اور اس کی تعمیر و ترقی میں مزید وسعت دی جائے ، اللہ کا فضل و کرم ہے کہ ۱۹۹۲ء میں ایک قطعہ اراضی لب سڑک موضع اسلام پورہ میں خرید کر انہیں کے مبارک ہاتھوں سے جامعتہ المعارف الاسلامیہ کی درسگاہ ، دار الاقامہ اور جامع مسجد کی تاسیس عمل میں آئی ، مسجد کی دیواریں اور دس کمرے ہاسٹل کے لئے تعمیر ہو چکے ہیں اور مزید تعمیرات جاری ہیں ، اراکین جامعہ کی یہ خواہش تھی کہ تعمیر کی تکمیل کے بعد شیخ صاحب کے ذریعہ ان کی عظیم یادگار جامعتہ المعارف الاسلامیہ کی تعلیم کا آغاز ہو مگر یہ خواہش پوری نہ ہو سکی اور وہ اس ساعت کی آمد سے قبل ہی ہمیں داغ مفارقت دے کر ۵ / جنوری ۱۹۹۴ء مطابق ۲۲ / رجب ۱۴۱۴ھ بروز چہار شنبہ بوقت ۲ بجے صبح اس دار فانی سے عالم جاودانی کو رحلت فرما گئے ، انا للہ وانا الیہ راجعون ۔

رحمہ اللہ رحمة واسعة وادخله في فسيح جنانه (آمین)

اس تعزیتی مجلس کا اختتام قاری مولانا محمد زبیر صاحب کی رقت آمیز دعاؤں پر ہوا ۔

عبد الرب فیضی

دار التعلیم مبارکپور ، اعظم گڈھ

(۵۱)

شیخ الحدیث رحمہ اللہ کی رحلت عالم اسلام کیلئے ایک عظیم خسارہ

جمعیت اہلحدیث موضع لوہیا پوسٹ املو مبارکپور اعظم گڈھ کے زیر اہتمام مورخہ ۱۹ / جنوری بروز چہار شنبہ بعد نماز عشاء زیر صدارت حضرت مولانا عبد الرحمان صاحب رحمانی ناظم مدرسہ عربیہ دار التعلیم مبارکپور ایک جلسۂ تعزیت بر وفات محدث عصر شیخ الحدیث حضرت علامہ مولانا عبید اللہ رحمانی مبارکپوری رحمہ اللہ منعقد ہوا ، جس میں حضرت مولانا نور العین صاحب سلفی حضرت مولانا عبد الرب صاحب فیضی حضرت مولانا قاری محمد زبیر صاحب فیضی اور حضرت مولانا عتیق الرحمان صاحب سلفی نے خطاب کیا اور انکی وفات پر اپنے رنج و غم کا اظہار فرمایا اور انکی رحلت کو عالم اسلام کیلئے ایک عظیم خسارہ قرار دیا اور فرمایا اس طرح کی شخصیات صدیوں بعد پید ہوتی ہیں ، مولانا نور العین

صاحب نے شیخ الحدیث رحمتہ اللہ علیہ کی تالیف مرعاۃ المفاتیح کا ذکر کرتے ہوئے اپنے چند واقعات بیان فرمائے جو ان کو مدرسہ دار التعلیم مبارکپور میں دوران تدریس پیش آئے تھے قاری محمد زبیر صاحب نے شیخ الحدیث " کی دعوتی سرگرمیوں کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ میں ان کے ساتھ قرب وجوار کے مواضعات میں جاتا اور انکی وعظ ونصیحت کی محفلوں میں شریک ہوتا تھا، اخیر میں صدر جلسہ نے شیخ الحدیث " کی خدمات ان کی ایثار وقربانی، تبحر علمی اور پدرانہ شفقت ومحبت اور حسن تربیت کا ذکر کرتے ہوئے ان کی وفات کو ایک عظیم نقصان بتایا اور لوگوں کو ان کے اسوۂ حسنہ پر چلنے کی درخواست کی اس جلسہ میں شیخ الحدیث " کے لئے دعائے مغفرت اور ان کے پسماندگان کے لئے صبر جمیل کی دعائیں کی گئیں۔

عبد العزیز رحمت اللہ
ناظم جمعیت اہل حدیث املو اعظم گڈھ

(۵۲)

جمعیت اہلحدیث آگرہ کا تعزیتی اجلاس

بذریعہ آل انڈیا ریڈیو یہ روح فرسا خبر معلوم کرکے پوری جماعت اہلحدیث دریائے غم میں ڈوب گئی کہ زعیم الاسلام شیخ الحدیث علامہ عبیداللہ رحمانی مبارکپوری اپنے مالک حقیقی سے جا ملے، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

۷/ جنوری ۹۴ء بعد نماز جمعہ جامع مسجد اہلحدیث لوہار گلی میں سینکڑوں سوگواروں نے نماز جنازہ غائبانہ ادا کی اور ۸/ جنوری ہفتہ بعد نماز فجر مسجد اہلحدیث ککو گلی نائی کی منڈی میں ایک تعزیتی اجلاس منعقد ہوا جسکی صدارت الحاج محمد یوسف صاحب مدظلہ العالی امیر صوبائی جمعیتہ اہلحدیث مغربی یوپی نے فرمائی۔

جناب مولانا ابو الوفا صاحب زاہد سلفی خطیب جماعت اہلحدیث آگرہ اور جناب مولانا عبد الودود صاحب سلفی صدر مدرس قاسم العلوم نے خطاب فرمایا اور شیخ الحدیث مرحوم کی زندگی کے مختلف گوشوں پر روشنی ڈالتے ہوئے ان کی جلالت علمی اور تقوی وطہارت کو اجاگر کیا۔

آخر میں مندرجہ ذیل قرار داد منظور کی گئی :

۱- یہ اجلاس حضرت شیخ الحدیث کے انتقال پر ملال کو عالم اسلام کیلئے نقصان عظیم تصور کرتا ہے

۲- یہ اجلاس مرکزی جمعیتہ اہلحدیث ہند او جامعہ سلفیہ بنارس کے ذمہ داران سے اپیل کرتا ہے کہ مرعاۃ المفاتیح شرح مشکوۃ المصابیح کے بقیہ کام کو پورا کرنے کا انتظام فرمائیں -

یہ اجلاس مرحوم کے پسماندگان کے غم میں برابر کا شریک ہے اور اللہ رب العالمین سے دعا گو ہے کہ بار الہ شیخ الحدیث رحمہ اللہ کی قبر کو نور سے بھر دے اور انھیں اپنے جوار رحمت میں جگہ دے اور امت کو ان کا نعم البدل عطا فرمائے آمین

محمد یسین بن الحاج محمد یوسف آگرہ

(۵۴)

موت العالم موت العالم

حضرت الشیخ علامہ کبیر عبید اللہ صاحب رحمانی صاحب مرعاۃ المفاتیح کی وفات حسرت آیات سے مسلمانان عالم خصوصا اخوان جماعت اہل حدیث کے قلب ودماغ پر ایسی کاری ضرب لگی ہے جس کا زخم مندمل نہیں ہوسکتا۔ آپ کے جانے سے ایسا خلا پیدا ہوگیا ہے جو بظاہر پر نہیں ہوسکتا ہے آپ محدث کبیر ہونے کے ساتھ اخلاق وعادات، گفتار وکردار میں بھی بے نظیر وبے مثال تھے، اور حقیقت تو یہ ہے کہ مرحوم تابعی صفت انسان تھے، آپ نے وہ گرانقدر خدمت انجام دی ہے جو انشاء اللہ تا قیامت باقی رہے گی۔

آپ کو مرحوم لکھتے ہوئے کلیجہ منھ کو آتا ہے آپ تو ہم سے جدا ہوگئے ہیں لیکن آپ کے خدمت حدیث کے کارنامے ہم میں آج بھی موجود ہیں اور ہمیشہ رہیں گے، آپ کے جانے سے پوری دنیا کے مسلمان بالخصوص جماعت اہلحدیث یتیم ہوگئی ہے، اللہ تعالی آپ کو کروٹ کروٹ جنت الفردوس میں جگہ دے آمین۔

۶/ فروری ۹۴ء کو بعد نماز فجر تعزیتی اجلاس ہوا جس میں اساتذہ مدرسہ دار الحدیث رحمانیہ نے

شرکت کی اور بعد میں جناب مولانا حکیم ایمن مدنی صاحب ناظم مدرسہ ہذا کی پر اثر تقریر ودعائیہ کلمات پر جلسہ ختم ہوا۔

عبدالعزیز نیتا

صدر مدرسہ وامیر مقامی جماعت اہلحدیث

رتن پور کلاں، مراد آباد یو، پی

(۵۴)

فضیلتہ الشیخ ڈاکٹر عبدالعزیز صاحب خلف الرشید شیخ الحدیث مبارکپوری / حفظہ اللہ وتولاہ

السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ

شیخ الحدیث عبید اللہ رحمانی مبارکپوری نور اللہ مرقدہ وسقی اللہ ثراہ وجعل الجنتہ مثواہ کی وفات سے عالم اسلام کو سخت صدمہ پہونچا ہے، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

مدرسہ محمدیہ عربیہ ٹانڈہ دھونرہ بریلی میں شیخ الحدیث رحمہ اللہ کی وفات کی اطلاع ملنے پر تمام طلباء واساتذہ کرام وتمام ذمہ داران نے گہرے رنج وغم کا اظہار کیا، اور موصوف کے لئے نماز جنازہ غائبانہ اور دعائے مغفرت کا اہتمام کیا-

اللہ تعالی سے دعا ہے کہ اپنی رحمت سے موصوف کی سیئات کو در گزر فرمائے اور جوار رحمت میں اعلی مقام عطا فرمائے ، جملہ پسماندگان کو صبر جمیل کی توفیق دے اور نازک حالات سے گزرنے والی جماعت اہل حدیث کو نعم البدل عطا فرمائے - (آمین)

اراکین مدرسہ محمدیہ ٹانڈہ

دھونرہ بریلی

(۵۵)

گرامی قدر مولانا عبدالرحمان صاحب

السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ

[illegible] منزلت حضرت مولانا عبید اللہ رحمانی صاحب کی وفات حسرت آیات کی خبر

پڑھی، دل بھر آیا۔

ملت اسلامیہ ایک بیحد مخلص اور جید عالم حدیث سے محروم ہوگئی، میں میرا خاندان اور ناگپور کی جماعت کے تمام اصحاب اس غم کو اپنا غم سمجھتے ہوئے دعائے مغفرت کے لئے دست بہ دعا ہیں۔

شریک غم

جلیل ساز

(۵۶)

(یادیں)

پہلی بار ۲۷ نومبر۶۳ءکو میں شیخ الحدیث حضرت مولانا عبید اللہ رحمانی'' صاحب سے ملا تھا اور تقریبا ایک گھنٹہ تک انکی بصیرت افروز باتوں کو سنتا رہا میرے آبائی مکان سے شیخ الحدیث رحمہ اللہ کا مکان صرف ۵ منٹ کے فاصلہ پر ہے، مسلکی تعصب اور تنگ نظری کی بنیاد پر میں یا میرے جیسے لوگ شیخ الحدیث رحمہ اللہ کی بلند بالا شخصیت سے عموما ناواقف ہوتے ہیں، مگر ۱۹۶۵ء کے بعد میں شیخ الحدیث رحمہ اللہ سے برابر ملتا رہتا اور بہت دیر تک انکی باتوں کو سنتا رہتا اور محسوس کرتا کہ انکی باتیں میرے دل میں اتر تی جارہی ہیں اور میرے سامنے جتنے بھی اندھیرے ہیں دور ہوتے جارہے ہیں، ہر ملاقات پر وہ میرے حالات معلوم کرتے، ناموافق حالات پر مجھ کو تسلی دیتے اور اللہ کی طرف زیادہ سے زیادہ رجوع کرنے کی ترغیب دیتے، موافق حالات پر بے حد خوش ہوتے اور بچوں کو دعائیں دیتے۔

میرے بڑے لڑکے افضال احمد سلمہ نے جب ٹیم کا کام سیکھ کر کام شروع کردیا اور میں نے انہیں اس کی اطلاع دی تو وہ بہت خوش ہوئے اور کہا آج میں آپکا منہ میٹھا کراؤں گا اور کرایا بھی، ان کے اخلاق اتنے بلند تھے کہ انھوں نے کبھی مجھ کو تم کہہ کر نہیں مخاطب کیا اور میرا خیال ہے کہ وہ کسی کو بھی تم نہیں کہتے تھے ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ میں یوں ہی ایک روز انکے پاس پہونچ گیا دیکھا پانچ سات حضرات بیٹھے ہوئے ہیں ان میں علماء بھی ہیں اور شیخ الحدیث رحمہ اللہ کے بڑے صاحبزادے فضل الباری صاحب بھی ہیں اور شیخ الحدیث رحمہ اللہ اندر کمرے میں اسٹوپ پر چائے بنارہے ہیں، کسی کی ہمت نہیں

ہوئی کہ ان سے یہ کہے کہ میں چائے بنادوں ؟ یا ہو سکتا ہے میری غیر موجودگی میں کسی نے کہا بھی ہو، بہر حال میں پاس جاکر بولا، لایئے میں چائے بنا دیتا ہوں، انھوں نے برجستہ کہا کہ آپ چل کر بیٹھئے اور جب چائے اور بقیہ لوازمات ٹرے میں رکھ چکے تب مجھ کو اشارہ کیا اور کہا کہ لے چلو اور سب کو دو ۔ مہمانوں پر سکتہ طاری تھا سبھی لوگ شرمسار تھے مگر کیا کیجئے گا شیخ الحدیث رحمہ اللہ کی فطرت تھی کہ وہ اپنے مہمانوں کی خدمت خود کرتے تھے کسی دوسرے کا دخل پسند نہ کرتے تھے اس طرح کے بہت سے واقعات ہیں انھیں جتنی بھی تکلیف رہتی ہو مگر ہمیشہ مہمانوں کا خیر مقدم خود چل کر دروازے پر آکر کرتے تھے، میں نے کبھی انہیں مہمانوں سے پہلے اپنی جگہ سے ٹلتے ہوئے نہیں دیکھا ادھر کچھ دنوں سے کافی کمزور ہوگئے تھے چلنے پھرنے سے معذور تھے نشست کی جگہ یہی ایک پلنگ بچھا رہتا تھا اس پر ایک معمولی شترنجی بچھی رہتی تھی اکیلے میں تھک جانے کے بعد اسی پر لیٹ جاتے تھے ۔

شیخ صاحب صرف خاص لوگوں کے ساتھ ہی اخلاق و محبت سے پیش نہیں آتے تھے بلکہ عام لوگوں کے ساتھ بھی آپ کا وہی برتاؤ تھا میں نے جب ۱۹۸۹ء میں اپنا نیا مکان رہائش کے قابل بنالیا اور آپ سے میں نے اس مکان میں چلنے کی خواہش ظاہر کی تو بہت خوش ہوئے اور خندہ پیشانی کے ساتھ چلنے کو تیار ہوگئے اور پیدل چلنے کو ترجیح دی اور مجھ سے کہا کہ آپ چلئے میں آرہا ہوں میرے پہونچنے کے چند منٹ بعد آپ بھی تشریف لائے گھوم پھر کر مکان دیکھا قریب آدھ گھنٹہ تک بیٹھے بیٹھے دعائیں کیں اور بچوں کے متعلق پوچھا اور دعائیں دیکر تشریف لے جانے لگے تو میں بھی ساتھ ہو لیا ۔

کہنے لگے کیا کرینگے جاکر ؟ میں فضل الباری کے گھر ہو کر بعد گھر میں جاؤں گا فضل الباری بھائی کا گھر میرے گھر سے قریب ہی ہے ۔

میرا کاروبار کٹک میں تھا جو ۲۵/ نومبر ۱۹٦۸ء کو ہندو مسلم فساد کی نذر ہوکر برباد ہوگیا، اس کے بعد گردش ایام نے مجھ کو در بدر کی ٹھوکریں کھانے پر مجبور کردیا، اسی زمانے میں میری ملاقات سی فضل الرحمان صاحب پرنامبٹ سے ہوئی اور ان سے دوستی کافی بڑھ گئی وہ بھی شیخ الحدیث رحمتہ اللہ علیہ کے بڑے معتقد تھے ۔ وہ بھی ۸/ جنوری ۱۹۹۴ء کو انتقال کرگئے انا للہ وانا الیہ راجعون، میرے ذریعہ شیخ الحدیث صاحب تک وہ اپنا سلام پہنچاتے تھے اور پھر تو معمول ہوگیا جب بھی میں سفر سے واپس آتا شیخ

الحدیث صاحب ضرور سی فضل الرحمان صاحب کے حالات پوچھتے اور جب سفر پر جاتا سی فضل الرحمان صاحب سے ملاقات ہوتی تو سب سے پہلے وہ شیخ الحدیث صاحب کی خیریت معلوم کرتے تھے مجھ کو شیخ الحدیث صاحب کا ہم وطن اور ہم سایہ ہونے کے ناطے ساؤتھ میں ہر جگہ بڑی عزت اور قدر کی نگاہ سے دیکھا گیا ہے جس کو میں زندگی بھر نہیں بھلا سکتا۔

ستمبر ۱۹۸۱ء میں سی فضل الرحمان صاحب کے پاس ٹھہرا ہوا تھا شیخ الحدیث صاحب سے متعلق گفتگو ہوتی رہتی تھی انھوں نے اپنا ایک خواب سنایا کہ ایک روز میں نے خواب دیکھا کہ ایک بہت بڑا حوض ہے جس کے چاروں طرف نشستیں بنی ہوئی ہیں اور لوگ اسی پر بیٹھ کر وضو کر رہے ہیں میں بھی ایک نشست پر بیٹھ کر وضو کر رہا تھا کہ ایک بہت بزرگ تشریف لائے اور مجھ سے پوچھا کہ کیا تم نے صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ کو دیکھا ہے؟ میں نے کہا کہ نہیں میں نے نہیں دیکھا ہے، آپ نے سامنے والی نشست کی طرف اشارہ کیا اور کہا کہ دیکھو وہ بیٹھ کر وضو کر رہے ہیں اور جب میں نے نگاہ اٹھا کر دیکھا تو ہمارے شیخ الحدیث رحمتہ اللہ علیہ وضو کر رہے ہیں شیخ الحدیث رحمہ اللہ کیا تھے انکے اخلاق و کردار، برتاؤ، محبت کیا تھے یہ تمام چیزیں ان سے ملنے والا ہی بخوبی جان سکتا ہے۔

علوم حدیث اور قرآن شریف میں انکو جو عبور حاصل تھا انکی لکھی ہوئی کتابوں سے رہتی دنیا تک کے لوگ انکے مقام کا اندازہ لگا سکتے ہیں۔

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

آج شیخ الحدیث رحمتہ اللہ علیہ ہمارے درمیان نہیں ہیں مگر ان کا اسوۂ حسنہ ہمارے لئے مشعل راہ ہے شیخ الحدیث صاحب کی رحلت کے بعد مجھ کو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ میں اپنے بہت بڑے محسن سرپرست کرم فرما کی شفقت سے محروم ہو گیا ہوں اور ابھی بھی جب انکی یاد آتی ہے یا کہیں انکا ذکر خیر ہوتا ہے تو سنکر میری آنکھوں کے کونے ضرور نم ہو جاتے ہیں۔

مبارکپور کی سرزمین نے انھیں اپنی آغوش میں چھپا لیا ہے پروردگار عالم سے دعا ہے کہ وہ اپنے فضل و کرم سے انھیں جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے آمین ثم آمین

عبد القدوس
مبارکپور

(۵۷)

شیخ الشیوخ حضرت شیخ صاحب رحمتہ اللہ علیہ کی حدیث کی تدریسی خدمت بے لوث تھی، اور آپکا بیان مختصر اور عام فہم ہوتا تھا، ساتھ ہی ساتھ مذہبی اختلافات کو مدلل بسط وتفصیل کے ساتھ ذکر فرماتے تھے، حل عبارت کے لئے جن علوم کی ضرورت ہوتی مثلا علم صرف، نحو، علم معانی، بیان، علم تفسیر وغیرہ کو بقدر ضرورت زیر مطالعہ رکھتے تھے تاکہ حدیث کا مطلب بیان کرنے میں کوئی گوشہ تشنہ نہ رہے بنابریں آپکی درسگاہ میں طلباء کی بہت بھیڑ ہوتی تھی مدرسہ رحمانیہ کے علاوہ دیگر مدارس سے بھی لڑکے بخاری شریف، ابوداؤد شریف، ترمذی شریف، کے سبق میں حاضر ہوتے تھے حتی کہ بعض مدارس کے صدر المدرسین، شیخ الحدیث بھی آپ کے درس میں آتے تھے آپ کے یہاں سے فارغ شدہ عالم کو دوسروں پر فوقیت دی جاتی تھی۔

آپ مطلوبہ مسائل کا جواب بہت تحقیق کے بعد تحریر فرماتے تھے بعض سوال کا جواب مہینہ دو مہینہ کے بعد آتا تھا۔

آپ حلوا بہت پسند کرتے تھے۔ آپ ایک موٹی روٹی پر اکتفاء کرتے تھے پتلی روٹی سے گریز کرتے تھے تکلف کا کھانا نہیں کھاتے تھے، نماز باجماعت ادا کرتے تھے، آپ سے جماعت کبھی نہیں چھوٹتی تھی آپ نرم زبان تھے، جامعہ رحمانیہ کی چار سالہ زندگی میں زور کی آواز میں نے نہیں سنی، جملہ معلمین ومتعلمین آپ سے بہت خوش رہتے تھے آپکی اہمیت سب کے دلوں میں تھی آپ کسی کو کسی کام کا حکم نہیں دیتے تھے، خود دست مبارک سے کپڑا بھی صاف کرلیتے تھے آپ بحر علم میں غرق رہتے تھے ہمہ وقت آپکی تپائی پر اور اس کے اردگرد کتاب وقلم موجود رہتا تھا۔

جو کتابیں آپ کے زیر مطالعہ ہوتی تھیں ان میں بین السطور بھی سیاہ پائے گئے خصوصا بخاری شریف، ابوداؤد شریف، ترمذی شریف، موطا امام مالک یہ کتابیں جب جامعہ ملیہ بھیجی جارہی تھیں تو انھیں دیکھ کر آنکھوں سے آنسو جاری ہوگیا۔

محمد مرتضی
صاحب گنج، بہار

(۵۸)

تقوی، خلوص وزہد کا پیکر چلا گیا

موت اس کی ہے کرے جسکا زمانہ افسوس
یوں تو دنیا میں سبھی آئے ہیں مرنے کے لئے

ہم طلباء جامعہ سلفیہ بنارس سالانہ امتحان کی تیاری میں مصروف تھے کہ ۵/ جنوری ۹۴ء بعد نماز فجر حضرت علامہ شیخ الحدیث عبید اللہ رحمانی علیہ الرحمتہ کی وفات حسرت آیات کی اندوہناک خبر جامعہ سلفیہ پر بجلی بن کر گری اس ناگہانی آفت سے ہر استاد، اور ہر طالب علم بے تاب اور مضطرب ہوگیا، جامعہ کی طرف سے سواری کا انتظام ہوا اور طلباء واساتذۂ کرام کا ایک بڑا قافلہ مبارکپور کے لئے روانہ ہوا، وہاں ہم نے انسانی ازدہام کا وہ منظر دیکھا جو ماضی قریب کے کسی جنازے میں نظر نہیں آیا۔

بلا تفریق مذہب وملت اس اعلی اخلاق کی مالک شخصیت کے جنازے میں کثرت سے لوگوں نے شرکت کی اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت شیخ الحدیث رحمہ اللہ کی عام مسلمانوں کے دلوں میں کتنی عقیدت تھی۔

شیخ الحدیث رحمتہ اللہ علیہ مہمان نوازی میں اپنی مثال آپ تھے، آپ سے ملاقات کے بعد ہر شخص یہی سمجھتا تھا کہ شیخ صاحب مجھے ہی سب سے زیادہ چاہتے ہیں، آپ کس قدر مہمان نواز تھے اس کا اندازہ اس واقعہ سے بخوبی لگایا جاسکتا ہے۔

" دادا میاں محمد زکریا صاحب رحمتہ اللہ علیہ نے بیان کیا تھا کہ میں ایک بار حضرت علامہ مبارکپوری کی خدمت میں حاضر ہوا، شام کا وقت تھا، آپ نے عمدہ ضیافت کا انتظام کیا بعد میں خبر ملی کہ اس وقت گوشت کا انتظام نہیں ہو پا رہا تھا، حضرت شیخ الحدیث نے گھر میں دودھ دینے والی بکری کو ہی ذبح کر کے مہمان نوازی کا ثبوت پیش کیا۔

حضرت شیخ الحدیث علیہ الرحمتہ کی شخصیت سے عجم تو عجم عرب بھی متاثر ہوئے بغیر نہیں رہتے تھے "ایک مرتبہ سعودی عرب کے عظیم عالم دین شیخ ربیع ہادی المدخلی سے مولانا عبد الشکور صاحب نے

ملاقات کی، تو علامہ مبارکپوری کا ذکر خیر ہونے پر انھوں نے فرمایا، فلما رایته ظننت انه صحابی۔

ایک فاضل شیخ نے دیکھا تو برجستہ کہا
ہے صحابی کے مشابہ صورت شیخ الحدیث

راقم السطور کے ذہن ودماغ میں یہ بات بنی ہوئی تھی کہ شیخ الحدیث صاحب بھاری بھرکم جسم کے مالک ہونگے، لیکن انتقال سے آٹھ ماہ پیشتر جب ان سے ملاقات کا شرف حاصل ہوا تو شیخ صاحب میری خیالی تصویر کے بالکل برعکس نحیف ونزار اور ہلکے پھلکے جسم کے مالک نظر آئے تقریبا نصف گھنٹہ کی ملاقات رہی، جس میں آپ نصیحتوں سے نوازتے رہے اور جامعہ سلفیہ کے اساتذۂ کرام اور راقم کے گھر والوں کی خیریت نام بنام پوچھتے رہے۔

جامعہ سلفیہ سے آپ کو گہرا لگاؤ اور تعلق تھا، آپ اس کے تا عمر تاسیسی صدر رہے۔ یہی وجہ ہے کہ جامعہ کے اساتذہ وطلباء اکثر آپ سے ملاقات کے لئے جایا کرتے تھے، یوں تو کل نفس ذائقة الموت کے تحت ہر شخص کو موت کا مزہ چکھنا ہے انسان دنیا میں پیدا ہوتا ہے اور مرجاتا ہے لیکن کچھ ہستیاں ایسی ہوتی ہیں جنکی موت سے ایسا خلا پیدا ہوتا ہے جس کا پر ہونا ناممکن معلوم ہوتا ہے۔ شیخ الحدیث رحمتہ اللہ کی رحلت سے جو خلا پیدا ہوا ہے اس کا پر ہونا ناممکن تو نہیں مگر مشکل ضرور نظر آتا ہے۔

آج جب کہ شیخ الحدیث صاحب دنیا میں نہیں رہے، کہنا پڑ رہا ہے۔

اقلیم علم کا وہ شہنشاہ چل بسا
علم حدیث کا نہ رہا تاجدار آج

عبدالعظیم فہد جھنڈانگری

☆☆☆

شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ کی حکیمانہ نظر تربیت

از قلم :
مولانا عبد الرؤف رحمانی
ناظم جامعہ سراج العلوم السلفیہ جھنڈانگر نیپال

شیخ الحدیث کی جامعیت اور اوصاف و کمالات

شیخ الحدیث استاذنا العلام حضرت مولانا عبید اللہ رحمانی مبارکپوری کی جامع کمالات وجامع صفات ہستی پر کس انداز سے تبصرہ کیا جائے ، کس زبان وقلم کا سہارا لیا جائے جو آپ کی بھرپور ترجمانی کر سکے ، میری زبان وقلم بالکل قاصر ہے البتہ ایک شعر جو شیخ الاسلام علامہ ابو الوفا ثناء اللہ امرتسری پر چسپاں کیا جاتا رہا ، وہی شعر عرض ہے ؎

عمر ہا در کعبہ وبت خانہ می نالد حیات　　تا ز بزم عشق اک دانائے راز آید بروں

شیخ الحدیث کی وفات حسرت آیات کا سانحہ اس پندرہویں صدی کے بڑے واقعات میں سے ایک بڑا واقعہ ہے جس کی یاد علمی دنیا میں ہمیشہ قائم رہے گی۔

آپ کا تعلق مشرقی یوپی کے مشہور صنعتی قصبہ مبارکپور سے تھا ، یہ قصبہ اپنی مردم خیزی کے لئے مشہور ہے آپ کا خاندان علم وفضل ، تقوی ودینداری میں ممتاز مقام کا حامل ہے آپ کے والد بزرگوار حضرت مولانا عبد السلام صاحب بڑے محدث ومصنف تھے ، سیرۃ البخاری آپ کی عدیم النظیر یادگار ہے ۔ آپ کے فرزندان کرام سب کے سب علم دین سے شغف رکھتے ہیں ، برادرم مولانا عبدالرحمان صاحب اور حافظ عبد العزیز صاحب دنیائے علم کے گوہر آبدار ہیں ۔ احفاد میں بھی عزیزم زہیر سلمہ وغیرہ علمی انہماک رکھتے ہیں ۔

آپ کی طبیعت میں جودت ، ذہانت ، تیزی تو تھی ہی لیکن حضرت مولانا عبد الرحمان صاحب محدث مبارکپوری کی شاگردی اور صحبت نے مزید جلا بخشی جس سے طبیعت کا جوہر بالکل نکھر گیا۔

آپ کا قد متوسط ، رنگ صاف گندمی ، ہاکا بدن ، ہلکی داڑھی ، خندہ رو ، خندہ پیشانی ، لباس میں سادگی ،گفتار میں نرمی وشیریں بیانی ، اپنا ہو یا غیر عند الملاقات بغیر متاثر ہوئے نہیں رہتا ، مہمان کی خدمت اس قدر کرتے کہ کبھی کبھی مہمان شرمندہ ہو جاتے آپ کبر وغرور سے کوسوں دور ، ریا ونمود سے پاک خود نمائی وشہرت پسندی سے بیزار قانع وصابر وشاکر ایسی خوبیوں کا مالک اب کوئی نظر نہیں آتا جب کبھی میں در شیخ پر حاضری دیتا تو ہر طرح میرا خیال فرماتے کھانے پینے بیٹھنے حتی کہ جب میں رخصت ہونے لگتا تو باہر کچھ دور تک رخصت فرمانے آتے ، حالانکہ آپ ہمارے شیخ تھے اور میں شاگرد۔ یہ آپ کا بلند اخلاق ہی تھا ، میں کہتا مولانا اب آپ واپس جائیں تو فرماتے نہیں چلئے اور آکر سواری پر بٹھا کر واپس جاتے ،راستہ میں ملنے والے تمام لوگ مولانا سے مودب ہو کر ملتے۔

آپ نے درس وتدریس کے ساتھ اپنے تلامذہ کی تربیت پر خصوصی توجہ دیا اور انہیں پاکیزہ سیرت واعلی کردار کا نمونہ بنانے میں بے حد جد وجہد فرمائی۔

راقم الحروف کو بجا طور پر حضرت شیخ الحدیث صاحب کی شاگردی پر فخر ہے ، میں نے دار الحدیث رحمانیہ دہلی میں اپنے ایام طالب علمی میں محترم شیخ سے کسب فیض کیا اور ایک باوفا شاگرد کی طرح ہمیشہ ان سے متعلق رہا ، فراغت کے بعد جب وطن واپس آکر مدرسہ سراج العلوم کی ذمہ داری سنبھالی اور میری تقریروں کی شہرت ہوئی اس وقت بھی میں برابر شیخ صاحب سے متعلق رہا اور مراسلات کے ذریعہ اپنے کوائف سے مطلع کرتا رہا پیش آمدہ اہم معاملات میں شیخ صاحب ؒ سے مشورے لیتے رہا۔

موصوف نے ہمیشہ خندہ پیشانی کے ساتھ میرے خطوط کا جواب دیا اور اپنی مفید نصیحتوں سے نوازا ، حضرت نے برملا میرے ان خصائل پر نکیر فرمائی جو انہیں ناپسند تھیں اور محاسن وکمالات کو سراہا ، جس سے مجھے عملی زندگی میں بڑی مدد ملی ان کی وہ تربیت جو دار الحدیث رحمانیہ دہلی میں شروع ہوئی تھی برابر میرے ساتھ جاری رہی۔

خاکسار پر شیخ الحدیث کی نظر تربیت

مولانا شیخ الحدیث مبارکپوری ؒ کی مجھ پر عنایتیں بھی ہوتی رہیں ، میرے گھر کے تمام حالات سے باخبر رہتے اور ان کے جوابات میں بھی اصلاح اور خیر وخواہی کے جذبات اور دعاؤں کے اثرات وبرکات بھی نمایاں ہوتے رہے ہیں ۔ ذیل میں ہم مولانا کے مکاتیب کو درج کر رہے ہیں جسے مرحوم ومغفور استاد گرامی قدر میرے پاس بھیجتے رہے ، فجزاه الله خير الجزاء وأدخله الجنة الفردوس ۔

جس طرح قرآن مجید میں اللہ تعالی نے رسول اللہ ﷺ پر کبھی کبھی تنبیہ کی آیتیں نازل کیں اور پھر رسول اللہ ﷺ کی بار بار مدح وتوصیف بھی فرمائی گئی اسی طرح مولانا نے بھی شفیق والد مرحوم کی طرح مجھے بھی ڈانٹ پلائی اور مجھ پر شفقت وعنایت بھی رکھا اور مجھے اچھے خطابات سے بھی یاد کیا۔

اللہ تعالی نے رسول اکرم ﷺ کی شان میں کبھی فرمایا : " عفى الله عنك لم اذنت لهم "۔

یعنی " اللہ نے تجھ کو معاف کر دیا آپ نے انہیں کیوں اجازت دی " ۔ یہاں پر اللہ تعالی نے معافی کا اعلان پہلے ہی کر دیا لیکن سوال کیا کہ آپ نے ان کو اجازت کیوں دی ؟

دوسرے مقام پر ارشاد ہوا : " يايها النبى لم تحرم ما احل الله لك تبتغى مرضات ازواجك " ۔ (سورہ تحریم)

اے نبی ؐ ! کیوں حرام کرتا ہے اس چیز کو جس کو اللہ تعالی نے تیرے لئے حلال کیا ہے اپنی بیویوں کی مرضی اور خوشنودی کو تلاش کرتے ہو ، اس حلال کو حرام کرنے میں آخر کیا مصلحت ہے ؟ شہد جو حلال ہے کسی بیوی کے کہنے پر آپ نے اس کا استعمال اپنے اوپر کیوں حرام کر لیا ؟

اسی طرح تیسری جگہ ارشاد ہے :

" عبس وتولى أن جاءه الأعمى وما يدريك لعله يزكى او يذكر فتنفعه الذكرى "۔

یعنی " محمد ﷺ نے ترشروئی اختیار کی اور منہ ان کی جانب سے پھیر لیا کہ ان کے پاس ایک نابینا آ گیا ، اور انہیں کیا خبر ہے شاید وہ پاکیزہ صفت ہو یا نصیحت پکڑے اور اس کو نصیحت نفع دے " ۔

چونکہ رسول اللہ ﷺ امراء قریش سے گفتگو کر رہے تھے اور ان کو دین اسلام کی باتیں سنا اور

سمجھا رہے تھے اتنے میں عبد اللہ بن ام مکتوم ؓ آگئے تو آپ نے دوران گفتگو ان کے آجانے کو ناگواری کے نظر سے دیکھا، اور ان کے جانب سے آپ نے کچھ اعراض کیا تو اس پر اللہ تعالی کی طرف سے کچھ تنبیہ کی آیتیں نازل کی گئیں۔

جب نبی کریم ﷺ کے محاسن و محامد کے ذکر جمیل میں یہ آیتیں نظر آتی ہیں جن میں اللہ تعالی کی برہمی یا خفگی کے واقعات موجود ہیں تو اس وقت خیال ہوتا ہے کہ اللہ تعالی ایک حکیم ایک مربی کی حیثیت سے دانائی اور حکمت کی باتیں بھی پیش کرتا ہے جس طرح ایک شفیق باپ کی اپنے اولاد کے ساتھ حکیمانہ نظر تربیت ہوتی ہے، کبھی اس کو مارتا ہے اور کبھی اس پر مہربانی کرتا ہے اور اس کی آنکھوں سے آنسو پونچھتا ہے۔ شیخ سعدی علیہ الرحمہ باپ کے زجر و تنبیہ و محبت شفقت پر ایک شعر اس طرح لکھتے ہیں:

گہش می زند تا شود دردناک گہے میکند آبش از دیدہ پاک

اسی طرح اچھے والدین بھی بچے کی سرزنش بھی کرتے ہیں اور خود پیار بھی کرتے ہیں۔

ڈاکٹر اقبال ؒ کے سرزنش کئے جانے کا ایک واقعہ

ڈاکٹر اقبال ؒ ایک واقعہ نقل کرتے ہیں کہ میرے گھر پر ایک دن ایک فقیر آیا اور زور زور سے مانگنے کے لئے صدا لگانے لگا، میں نے اس کو ڈانٹ کر کہا کہ آہستہ بولو اور خاموش رہو جو ملنا ہوگا والد صاحب سے مل جائیگا لیکن وہ فقیر خاموش نہ رہ سکا اپنی عادت کے مطابق پھر بلند آواز سے مانگنے لگا، ڈاکٹر اقبال ؒ کی سرزنش کا اس پر کچھ اثر نہ ہوا تو آپ نے اس پر غصے کے ساتھ ایک طمانچہ رسید کر دیا، اتنے میں آپ کے والد صاحب آگئے اور کہا سائل کو جھڑکنے سے قرآن کریم نے روکا ہے تم نے اس کو جھڑکا بھی اور طمانچہ بھی مارا ایسا کیوں ہوا؟ اب میں قیامت میں رسول اللہ ﷺ کی امت میں کیسے داخل ہوں گا اور قیامت میں اللہ کو کیا منہ دکھاؤں گا؟ ڈاکٹر اقبال ؒ نے والد کی اس تربیت کے واقعے کو اپنے اشعار میں اس طرح ذکر کیا ہے کہ والد صاحب نے کہا:

حق جوانے مسلمے با تو سپرد کو نصیبے از دبستانم نبرد

یعنی خدا تعالی نے ایک مسلمان نوجوان تجھے عطا کیا اس نے دبستان محمد سے اپنا کوئی حصہ حاصل

نہیں کیا یعنی وہ مٹی کا تودہ انسان نہ بنایا جا سکا یہ کہتے ہوئے ڈاکٹر اقبال " کے والد صاحب میری کج ادائی اور اپنی بد نصیبی پر رو پڑے جس سے میری آئندہ کی زندگی میں کبھی اس قسم کا واقعہ پیش نہ آیا اور سائلوں کے ساتھ نرمی اور لطف وکرم کا سبق ان سے حاصل کیا۔

(۱) شیخ الحدیث اپنے خط کے اندر تحریر فرماتے ہیں :

کہ کارڈ ملا کوائف پر اطلاع پاکر اطمینان ہوا اللہ تعالی آپ کو اس علاج سے کلی صحت عنایت فرمائیں اور آپ کو آپ کی تمام نیک مقاصد میں کامیاب کریں میں دعا سے غافل نہیں ہوں حالت سے مطلع کرتے رہیں ، شرح کا کام بدستور جاری ہے دعا کیجئے کہ مولانا عطاء اللہ حنیف صاحب کو اللہ تعالی اس کے طباعت کی توفیق جلد بخشیں اس اطراف میں جڑہن کے لئے فوری بارش کی ضرورت ہے۔

عبید اللہ رحمانی

۶ / ۲ / ۷۴ھ مطابق ۵ / ۱۰ / ۵۴ء

(۲) شیخ الحدیث "کا دوسرا خط :

سلام مسنون کے بعد مولانا لکھتے ہیں " دونوں کارڈ ایک ساتھ ملے ، کئی دن سے طبیعت بہت مضمحل ہے اور لڑکی کی طویل علالت سے سکون واطمینان مفقود ہے آپ کے خطوط غور سے نہ پڑھے جا سکے قریب مدت میں جواب کی امید نہ رکھئے اور میرے لئے دعا کیجئے ، جب تک آپ کو تمام پٹی داران ، اعزاء اور متعلقین اعمال واخلاق ، دیانت واحتیاط میں آپ کے والد بزرگوار حاجی نعمت اللہ خاں مرحوم کی روش نہیں اختیار کریں گے اور ان کے نقش قدم پر نہیں چلیں گے ، معاشی پریشانی اور مالی زیر باری میں مبتلا رہیں گے ، نیتوں کی درستی ومعاصی سے پرہیز ، شعائر اسلام کی پابندی ، دین کے ساتھ دنیاوی فلاح کی بھی ضامن ہے خیر وبرکت اسی میں ہے کہ یہ لوگ اپنی روش بدلیں ، انشاء اللہ بہت جلد حالات سنبھل جائیں گے۔

عبید اللہ رحمانی

۲۴ / ۸ / ۵۵ء

(۳) شیخ الحدیث " ایک تیسرے خط کے اندر تحریر فرماتے ہیں :

"کارڈ کل پنجشنبہ کو وصول ہوا آخر کار ڈاکٹر کو آپریشن کرنا ہی پڑا اللہ تعالی انجام بخیر کرے اور آپ کو بواسیر وغیرہ کی تمام تکالیف سے نجات بخشے اور اس مرض کا استیصال فرما کر کلی صحت بخشے آپ نے بڑی تکلیفیں اٹھائی ہیں خدا کرے یہ آخری ہوں، میں دعا سے غافل نہیں ہوں تصور سے خود اپنے کو درد و کرب ہوتا ہے اللہ تعالی اب سے رحم فرمائے۔

جب آپ وضو پر قدرت نہ رکھنے کی وجہ سے تیمم پر مجبورا اکتفا کرتے ہیں اور قیام وقعود پر قدرت نہ رکھنے کی وجہ سے مضطجعا یا متکئا نماز پڑھتے ہیں تو جمع حقیقی کیوں کریں، وقت پر تیمم کر کے مضطجعا ورنہ متکئا اشارہ سے نماز ادا کر لیا کریں۔

کل ہند تعلیمی کونشن ۹ / کو ختم ہو گئی ہوگی اور شرکاء دہلی واپس آگئے ہوں گے شاید سیوہاروی صاحب کا آزاد صاحب پر اثر حاجی صالح سے زیادہ نہ ہوگا۔ (۱)

عبید اللہ رحمانی

۵۵/۱/۱۴ء

(۴) شیخ الحدیث کا ۲۷ / ۱۰ / ۶۰ء کا خط ہے جس میں انہوں نے میرے بھائی عبد الرحیم خاں کے دردناک وفات پر ایسا تعزیت نامہ لکھا ہے جس کو پڑھ کر آج بھی انسان آبدیدہ ہو جاتا ہے۔ مرحوم بھائی کے صفات حسنہ یہ تھے کہ وہ ہمارے گھر کے ایک ممتاز فرد فرید تھے برادرم عبد اللہ خاں" جو میرے چھوٹے بھائی ہیں اور زراعت کے میدان میں مانے ہوئے تجربہ کار انسان تھے عبدالرحیم خاں اپنی سیاست وحکمت وحکیمانہ تدبر میں اور قوت تقریر و تحریر میں ہم سب پر فائق وممتاز تھے۔

شیخ الحدیث" کو ہم نے ان کے انتقال پر ملال پر جو درد آمیز وکرب انگیز خطوط لکھے تھے، شیخ الحدیث" نے اس کے پیش نظر ایسا تعزیت نامہ تحریر فرمایا کہ گویا آنکھوں دیکھا حال تحریر فرماتے ہیں، سب کے لئے دعائیں سب کے حقوق کی رعایت مرحوم کے بچوں کی تعلیم اور ان کے وراثت میں حقوق وغیرہ امور پر تنبیہ وہدایت بھی کردی اللہ تعالی دونوں مرحومین پر اپنی عنایت تامہ اور مہربانیاں مبذول

(۱) ایک معاملہ میں مدرسہ فیض عام مئو اور دار الحدیث مئو کے لوگوں نے مجھے ثالث تسلیم کیا تھا، میں نے جو فیصلہ کیا اس سے فریقین راضی تھے لیکن مولانا آزاد کی رائے بھی اس سلسلہ میں معلوم کرنا چاہتے تھے چنانچہ مولانا آزاد سے رابطہ قائم کرنے کے لئے مولانا حفظ الرحمن سیوہاروی اور حاجی صالح صاحب آف کوشی حاجی علی جان کو منتخب کیا گیا تھا، مکتوب میں اسی طرف اشارہ ہے

فرمائے ، مولانا کا خط ملاحظہ ہو۔

مکرمی مولوی عبد الرؤف صاحب / حفظکم اللہ تعالی

السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ

آپ کے خط کا بڑی تشویش واضطراب کے ساتھ انتظار تھا بالآخر ۲۵ اکتوبر کو آپ کا کارڈ مورخہ ۲۴ ہمدست ہوا ، سب سے پہلے پتہ کی جانب آپ کے نام کے ساتھ "غمزدہ" کے لفظ پر نظر پڑ گئی طبیعت دھک سے ہو گئی پھر دوسری جانب پورا خط پڑھ کر جو کیفیت دل کی ہوئی اس کا اندازہ وہی شخص کر سکتا ہے جو مجھ جیسا نحیف الجسم ، ضعیف البنیہ اور کمزور قلب ہو اور جو اپنے محبوب چھوٹے بھائی کی مفارقت کا صدمہ اٹھا چکا ہو زبان پر انا للہ الخ کے ساتھ مرحوم کی مغفرت اور آپ لوگوں کے لئے صبر جمیل پر مشتمل دعائیہ کلمات جاری ہو گئے ، برادرم محمد عزیر کو اس جانکاہ حادثہ کی اطلاع دی اور گھر میں بھی اس کا تذکرہ کیا سب لوگ بہت متاثر ہوئے اور مرحوم کے لئے دعاء مغفرت کی ، اللہ تعالی ان کو بال بال بخش دے اور کروٹ کروٹ جنت نصیب کرے ، ان کی تمام لغزشوں کو معاف فرمائے اور بیماری کی طویل مدت کی جملہ تکالیف اور سکرات موت کی شدت کو تکفیر سیئات ورفع درجات کا ذریعہ بنائے اور ان کی اہلیہ اور بچوں اور تمام بھائیوں اور جملہ متعلقین کو صبر جمیل عنایت فرمائے اور اس مصیبت میں احتساب کی توفیق بخشے اور اجر عظیم وثواب جزیل عطا فرمائے اور ہم سب کو آخرت کی تیاری کے لئے مستعد کر دے ، آمین ثم آمین۔

آپ نے لکھا ہے کہ مرحوم دین کا جذبہ رکھتے تھے آخر وقت میں جبکہ آواز بالکل بند ہو گئی تھی اور بول نہیں سکتے تھے تلقین کے وقت کلمہ شہادت کا زبان پر اس طرح جاری ہو جانا کہ آپ سب لوگوں نے سن لیا بڑی اچھی علامت ہے انشاء اللہ وہ مشہور حدیث "من کان آخر کلامہ لا إله إلا اللہ دخل الجنة" کے رو سے ضرور داخل جنت ہوں گے۔ مرحوم کی وفات سے پورے خاندان کو بالخصوص ہر سہ برادران اور مرحوم کی اہلیہ کو جو صدمہ اور غم لاحق ہوا ہے اس کا اندازہ کرنا آسان نہیں ہے مرحوم نے بیماری کی طویل مدت میں بڑی تکلیفیں اٹھائی ہیں اور آپ سب لوگوں نے ان کی ان تکالیف کو دیکھ کر صبر سے کام لیا اور مرحوم کی زبان سے کبھی تضجر اور شکوی کا کلمہ نہیں نکلا ، انشاء اللہ ان کا اور آپ سب لوگوں کا یہ

صبر و تحمل اور رضاء بالقضاء ان کے لئے اور آپ سب لوگوں کے لئے بڑے اجر وثواب کا باعث ہوگا۔

اللہ تعالی آپ سب لوگوں کو ان کے بعد بھی اپنی حفاظت میں لیکر ہر قسم کے فتنوں سے محفوظ رکھے اور عملی کمزوریاں دور فرماکر اپنی مرضیات پر چلائے۔ میں نے مرحوم کو کبھی دیکھا نہیں ان سے صرف غائبانہ تعارف تھا کیا خبر تھی کہ ان سے ملاقات مقدر ہی نہیں ہے اللہ تعالی ان دونوں یادگاروں، یتیم بچے اور بچی کی عمر دراز کرے اور انہیں سعید وصالح بنائے، امید ہے آپ تینوں بھائی ان کی پرورش وپرداخت اور تعلیم وتربیت کا ہمیشہ پورا خیال رکھیں گے، نیز ان کی ماں کے شرعی اخلاقی عرفی حقوق کی پوری رعایت اور ان کی دلجوئی کا پورا لحاظ رکھیں گے۔

آپ نے اپنے اس کارڈ میں خط کے ارسال کی ونیز مرحوم کی وفات کی تاریخیں نہیں لکھیں لیکن ڈاکخانہ کی مہر میں ۲۴ / ثبت ہے جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مرحوم نے ۲۳ / اکتوبر کی شام کو بعد عصر وفات پائی ہے اور موصولہ کارڈ ۲۴ کی صبح کو سپرد ڈاک کیا گیا ہے جو یہاں دوسرے ہی دن یعنی ۲۵ کو پہونچ گیا ہے۔ اس سے پہلے آپ کا کوئی خط اتنی جلدی یعنی دوسرے دن نہیں پہونچا، چنانچہ آپ کا وہ کارڈ جس میں مرحوم کی علالت کی آخری حالت مرقوم ہے اور میرے گونڈہ نہ پہونچنے کا سبب دریافت کیا گیا ہے وہ آپ کے ڈاکخانہ سے ۲۴ کو چل کر یہاں ۲۶ کو یعنی تیسرے دن پہونچا ہے، ۲۴ کو میں نے عزیزم مولوی عبد الرحمان سلمہ کو لفافہ بھیجا ہے جس میں مرحوم کی تشویشناک حالت پر اپنی پریشانی کا اظہار کیا ہے کیا خبر تھی کہ وہ اس سے ایک دن پہلے یعنی ۲۳ کو اپنے رب سے جا ملے ہیں وہ دنیا کے تمام جھمیلوں، فتنوں، الجھنوں، بیماری کی تکلیفوں اور خویش واقارب سے متعلق تمام غموں اور کاروبار کے سب بکھیڑوں سے نجات پاگئے اور یہ سب سے بڑی راحت ہے اب ان کا معاملہ صرف اپنے رب سے ہے اللہ تعالی انہیں اپنی آغوش رحمت میں لے لے۔

مرحوم گھر اور بیوی بچوں وغیرہ کے بارے میں جو وصیتیں کر گئے ہیں شرعی حدود میں ان کے پوری کرنے کا خیال رکھا جائے۔

آپ کی یہ نذر کہ اگر مرحوم کی صحت ہو جائے تو ایک ہزار روپیہ ان کی صحت کے شکرانہ میں کار خیر میں دوں گا شرعا نذر مشروط اور معلق ہے اور نذر معلق کا شرعی حکم یہ ہے کہ اگر موقوف علیہ حاصل اور

متحقق ہو تو نذر کا پورا کرنا لازم ہے اور مشروط نہ پوری ہو تو نذر کا ایفاء ضروری نہیں ہے صورت مسئولہ میں معلق علیہ یعنی صحت حاصل نہیں ہوئی اس لئے آپ پر شرعا اس نذر کا ایفاء لازم نہیں، واللہ اعلم۔

حج کے وجوب کے لئے پانچ چیزیں شرط ہیں حریۃ ، بلوغت ، عقل ، اسلام ، استطاعت۔ استطاعت سے مراد عند احمد ومالک والشافعی صرف " زاد وراحلہ " کی ملکیت ہے استطاعت بالبدن مشروطہ استطاعت سے ان کے نزدیک خارج ہے پس مرحوم پر شرعا بسبب ملک زاد وراحلہ کے حج فرض ہو گیا تھا اور چونکہ ایسی بیماری میں مبتلا تھے جو میرے نزدیک مرجو الزوال نہیں تھی اور جیسی کچھ ان کی صحت رہا کی ہے وہ اس حالت میں اس لمبے سفر کے صعوبات برداشت نہیں کر سکتے تھے اس لئے ان کو اپنی زندگی میں اپنی طرف سے حج بدل کرنے کے لئے بھیجنے کی اجازت تھی بلکہ ان کو یہی کرنا چاہئے تھا لیکن شاید اپنی صحت کی امید میں ان کو اس کا خیال نہیں ہو اور نہ ہی کسی نے ان کو اس طرف توجہ دلائی ، بہر حال ان کے ذمہ یہ فریضہ رہ گیا ہے۔

لہذا اگر چہ انہوں نے اپنی طرف سے حج کرنے کی وصیت نہ کی ہو پھر بھی راس المال سے قبل تقسیم ترکہ واجراء وصیت کے کسی ایسے شخص کو جو اپنا حج فرض ادا کر چکا ہو بھیج کر حج بدل کرا دینا چاہئے ، واللہ اعلم۔

عبید اللہ رحمانی

۲۷ / ۱۰ / ۶۰ء

(۵) مکرمی مولوی صاحب / حفظہ اللہ

السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ

آپ کا لفافہ پہونچا حکم کی تعمیل میں شیخ عبد الوہاب صاحب کو الگ سے خط لکھ کر آپ کے اور مولانا بسکوہری کے رقعوں کے ساتھ منسلک کر کے شیخ عبد الوہاب صاحب کے نام کراچی ارسال کر دیا گیا خدا کرے موصوف تینوں رقعے پڑھنے کی زحمت گوارا کرلیں اور خاطر خواہ تعاون کے لئے آمادہ ہو کر اسے عمل میں لائیں۔

دو چیزیں آپ کی میری طبیعت کو بہت زیادہ کھٹکتی ہیں ایک مانگنے کی ہمت اور دوسرے رونے کی

عادت ان کے علاوہ اور باتیں بھی ہیں لیکن ان کی نشاندہی فضول ہے جی چاہتا ہے کہ آپ تنہائی میں ملیں تو آپ کو خوب جھنجھوڑوں، مولوی عبد السلام صاحب اور ندوی صاحب کی علیحدگی کی خبر باعث افسوس ہوئی۔

عبید اللہ رحمانی

۱۲/۱/۶۴ء

نوٹ: اصحاب خیر کے نام بابو عبد الوہاب صاحب کراچی والے وغیرہ کے نام مدرسہ کی مالی مساعدت کے لئے شیخ الحدیث" نے خط لکھ دیا اور میرے اصرار وتقاضے پر میری عادتوں پر اور ان حضرات کو لکھنے کے انداز پر آپ نے میری اصلاح وتربیت کی اور حکیمانہ طور پر تعلیم دی، میرے چندہ مانگنے پر اور حال زار بتلا کر واقعات سامنے لانے پر مولانا نے اس کو رونے اور مانگنے کی عادت سے تعبیر کیا ہے۔

یہ تعلیم وتربیت ان کی انتہائی شفقت اور اعلی درجے کی محبت کی دلیل ہے جو خاکسار کے ساتھ مدت العمر تک قائم رہی۔

اللہ تعالی میرے مربی شیخ الحدیث" کو کروٹ کروٹ جنت نصیب فرمائے ایسا بر محل اور بے تکلف لکھنے والا اب دنیا میں کوئی نہیں ہے مولانا جو کچھ کہتے تھے بر ملا کہتے تھے اور مربیانہ نظر سے اصلاح حال کی کوشش کرتے تھے، جزاہ اللہ واکرمہ اللہ۔

(۶) شیخ الحدیث" کا یہ ۱۹۶۶ء کا خط ہے جس میں انہوں نے میری تعمیری لگن اور محنت پر داد دی ہے اور میری لگن کو جماعت کے دوسرے افراد میں پیدا ہو جانے کا جذبہ ظاہر کیا ہے میرے حسب حال حالی مرحوم کا شعر ہے۔

گرچہ حالی اگلے استادوں کے آگے ہیچ ہے
کاش ہوتے ایسے ہی دنیا میں ایک دو چار ہیچ

یعنی اگرچہ میں نے تعمیری جد وجہد میں کوئی ایسی کوشش نہیں کی جو لائق فخر ہو لیکن ہمارے شیخ ہمارے جذبے کی قدر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کاش جماعت میں تمہارے جیسے لگن وجذبہ رکھنے والے کچھ اشخاص اور پیدا ہو جائیں تو ملت وجماعت کے بہت سارے کام سنوارے جاسکتے ہیں، خط ملاحظہ ہو۔

مکرمی ومحترمی! شکر اللہ سعیک

السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ

ایک لفافہ ۹ / کو اور دوسرا بڑا لفافہ آج ۱۶ اگست کو موصول ہوا کوائف پر اطلاع پاکر خوشی ہوئی مکتب کی دو منزلہ عمارت اور کمروں کی تعمیر کے پایۂ تکمیل کو پہونچنے کی خبر بڑی مسرت کا باعث ہوئی۔ اللہ تعالی آپ کے تمام تعمیری منصوبوں کو حسب خواہش پورا کراوے اور آپ کو جزائے خیر دے، آپ کو اس دینی کام کی تکمیل کی جیسی دھن اور لگن اور اس سے جیسی کچھ دلچسپی اور عشق ہے اگر اسی قسم کی دھن اور لگن چند دوسرے اشخاص میں بھی پیدا ہو جائے تو ملت وجماعت کے بہت سے اٹکے ہوئے کام بڑی آسانی سے انجام پا سکتے ہیں۔

عبید اللہ رحمانی

۱۶ / ۸ / ۶۶ء

شیخ الحدیث " کا آخری خط ملاحظہ ہو جو انہوں نے ۱۹۹۲ء میں ہمیں ہماری بیماری سے شفاء پانے کے بعد لکھا ہے۔

مکرمی ومحترمی جناب مولانا عبد الرؤف صاحب رحمانی / حفظہ اللہ وتولاہ

السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ

آپ کا خط مرقومہ ۲۵ / مارچ، ۳۰ مارچ کی ڈاک سے موصول ہو کر کاشف احوال ہوا صد افسوس ہے کہ باوجود دلی خواہش اور تمنا کے آج سے پہلے جواب لکھوانے کی توفیق نہیں ہوئی، عفا اللہ عنی و وفقنی لما یحب ویرضی۔

آپ کے خط سے یہ معلوم ہو کر صدمہ وافسوس ہونا طبعی امر ہے کہ رابطہ کی میٹنگ سے فارغ ہونے کے بعد ریاض پہونچ کر آپ کی طبیعت خراب ہو گئی اللہ کا ہزار ہزار شکر ہے کہ اسپتال میں مصری ڈاکٹر کے علاج سے آپ کو جلد ہی افاقہ ہو گیا، لیکن کویت وغیرہ جانے کے لئے سفر کا پروگرام بنانا اور وہاں جانا آپ کی حالت کے پیش نظر علماء ومشائخ کے نزدیک مناسب نہیں تھا اس لئے ان کے مشورہ پر عمل کرتے ہوئے آپ وطن واپس آگئے اور اللہ کا شکر ہے کہ خط لکھوانے تک آپ بخیر وعافیت تھے اور امید ہے اب بھی آپ کی صحت بہتر ہو گی اور آپ بخیر وخوبی اپنے روز مرہ کے معمولات پورے کر رہے ہوں گے اللہ تعالی سے بخلوص قلب دعا ہے کہ وہ آپ کی صحت بہتر سے بہتر کردے اور آپ سے دین

وعلم اور ملت وجماعت اور جامعہ اور مدرسہ عائشہ صدیقہ کی حسب معمول جملہ خدمات آخر وقت تک انجام دیتے رہنے کی توفیق بخشتا رہے اور قبول فرمائے۔ اور آپ کی زندگی میں آپ کے ایسے مخلص جانشیں پیدا فرمادے کہ جو اس بار کو بغیر کسی دنیاوی لالچ کے پورے طور پر سنبھال لیں اور اس امانت کا پورا حق ادا کرتے رہیں۔

میرے چکر کی شکایت اب تک باقی ہے جس کی وجہ سے حافظ عبد العزیز سلمہ کا مجھے تنہا چھوڑ کر چند گھنٹوں کے لئے بھی گھر سے کہیں باہر جانا ہرگز مناسب نہیں ہے مولوی عبد الرحمان سلمہ غالبا ۲۰ / اپریل تک مکان پر پہونچیں گے یہ عریضہ کسی طرح بیٹھ کر عزیزم اجمل سلمہ کو املا کرا رہا ہوں، آپ کے بھائی عزیز گرامی مولوی عبد الرحمان حفظہ اللہ (کدر بنوا) کو بھی خط لکھوانے کا ارادہ ہے اللہ کرے اس کی توفیق مل جائے امید ہے بدست مولوی فضل الحق اس عریضہ کے آپ تک پہونچنے کے وقت جامعہ اور مدرسہ عائشہ میں تعلیم شروع ہو جائے گی۔

میری اور عزیزان مولوی اجمل وحافظ عبد العزیز، وفضل الباری سلمہم اللہ کی طرف سے اساتذہ جامعہ وجملہ متعلقین کو سلام مسنون عرض کرنے کے ساتھ دعاء کی درخواست ہے۔

فقط والسلام

دعاگو وطالب دعاء

عبید اللہ رحمانی

۱۴ / اپریل ۱۹۹۲ء

حضرت شیخ الحدیث " کے متعلق جہاں تمام علمائے اعلام مولانا کی خیریت اور ان کے مرعاۃ کی تصنیف سے متعلق دریافت کیا کرتے تھے ان میں مولانا محمد اسماعیل صاحب گوجرانوالہ ناظم جمیعت اہل حدیث مشرقی پاکستان برابر احوال پرسی اپنے خطوط میں کیا کرتے تھے، چنانچہ دو تین خطوط ذیل میں پیش کئے جارہے ہیں:

.. بعد سلام مسنون کے عرض اینکہ آپ کا مکتوب گرامی ملا تھا اسی وقت جواب عرض کر دیا تھا معلوم نہیں کیوں نہیں پہونچ سکا۔ پاکستان سے روپیہ بھیجنے کے جس قدر طریقے آج تک بنائے گئے

کامیاب نہیں ہو سکے ۔ رسالہ مصباح کے یومیہ میں بعض ان کے مقرر کردہ ذرائع سے بھیجا مگر ان کو نہیں ملا تقسیم سے بے حد مشکلات پیدا ہو گئی ہیں ۔ بہرحال جو خدمت کر سکا اس سے مجھے گریز نہیں ۔

مولانا عبید اللہ صاحب رحمانی آج کل کہاں ہیں ؟ کیسے ہیں ؟ معلوم نہیں میں نے یہاں آنے کے بعد ان کو لکھا مگر جواب نہیں ملا اگر ان کے حالات کا علم ہو تو مطلع فرمادیں ۔ امید ہے کہ رمضان کی ادعیہ میں فراموش نہیں فرمایا جائے گا ۔

محمد اسماعیل گوجرانوالہ

۱۶ / مئی ۱۹۵۴ء

ایک دوسرے خط میں مولانا محمد اسماعیل صاحب گوجرانوالہ تحریر فرماتے ہیں :

کل آپ کا مکتوب ملا بیحد مسرت ہوئی آپ حضرات کے بخیریت صلح کے بعد میں خود کوئی راستہ سوچ رہا تھا مگر آپ سبقت لے گئے ۔

ولو قبل مبكاها بكيت صبابة　　بسعدى شفيت النفس قبل التندم

ولكن بكت قبلى فهيج لى البكاء　　بكاها فقلت الفضل للمتقدم

لیکن آپ نے اپنے مکتوب میں باقی احباب کا تذکرہ نہیں فرمایا مولانا راز صاحب ، شیخ محمد صالح خواجہ سلیم ، مولانا عبد السلام صاحب بستوی ، مولانا عبید اللہ صاحب شیخ الحدیث واحباب مبارکپور واحباب بنارس کا کیا حال ہے ؟

مولانا عطاء اللہ صاحب ، مولانا اسحاق رحمانی اور باقی احباب سب خیریت سے ہیں ۔

محمد اسماعیل گوجرانوالہ

۱۱ / ۲ / ۶۶ء

اپنے ایک اور خط میں تحریر فرماتے ہیں :

کہ مولانا عبید اللہ صاحب رحمانی شیخ الحدیث سے دوسرا کوئی کام لینے میں ان کے وقت کو خراب نہ کیا جائے وہ مشکوۃ کی شرح مرعاۃ کے لکھنے میں مسلسل مشغول رہیں ۔ ان کے پاکیزہ شغل میں اللہ تعالی اپنی برکت ونصرت شامل کرے ۔ میرا سلام مسنون مبارکپور کے احباب مولانا شیخ الحدیث صاحب سے

عرض کردیں گے۔

محمد اسماعیل گوجرانوالہ
۶۷/۱۲/۲ء

شیخ الحدیث" کا میری تقریروں سے متاثر ہو کر خطابات اور ان کے دعائیہ کلمات

میری تقریروں کو سن کر حضرۃ الاستاذ علامہ عبید اللہ رحمانی مبارکپوری شیخ الحدیث" نے مجھے خطیب الہند اور خطیب الاسلام کے لقب سے نوازا اور اپنے ایک مفصل گرامی نامہ میں یہ رقم فرمایا ہے "کہ تمہاری تقریروں کے ذریعہ وہ خلاء پر ہو رہا ہے جو مولانا ابو القاسم صاحب سیف بنارسی" کی ارتحال سے پیدا ہوا ہے اور مجھے امید ہے کہ تقریروں کی حد تک تم مولانا ثناء اللہ صاحب امرتسری" کا نام زندہ کروگے۔

یہ سب اپنے اساتذہ کی بے لوث خدمات کرنے اور ان کی مار پیٹ سہنے سے اور ان کی بہترین اصلاح وتربیت کے نتائج میں ہمیں موصول ہوئے میں تو اپنی کم مائیگی علم اور تہی دامانی پر دوسروں کے مقابلے میں کسی شاعر کا یہ شعر پڑھتا ہوں جو نظامی کے مقابلہ میں اس نے لکھا ہے :

نہ نظمم ز نظم نظامی کم است ولیکن منم نم نظامی یم است

یعنی کسی شاعر کو اس کے اچھے شعروں پر کہا گیا کہ تم وقت کے نظامی ہو تمہارے اشعار میں وہی خوبیاں ہیں جو نظامی کے اشعار میں پائی جاتی ہیں، شاعر نے اپنی مسکینی اور تواضع کے تحت اس کا جواب دیا کہ اگر چہ میری نظم نظامی کے نظم سے کم درجے کی نہیں ہے لیکن میرے اور نظامی کے درمیان یہ فرق اب تک ہے کہ نظامی مثل سمندر کے ہیں اور میں سمندر کے مقابلہ میں صرف شبنم کی طرح ہوں۔

اسی طرح وہ امام زمانہ ، مناظر اسلام ، فاتح قادیان ، شیر پنجاب کا علو مرتبت اور مولانا سیف بنارسی کا علمی مقام اور زور خطابت جو آج تک ضرب المثل ہے اس کے مقابل میں ہم جیسے کم سواد اور بے

بضاعت لوگ کہاں لائے جاسکتے ہیں، لیکن ہمارے اساتذہ کرام کی یہ دعائیں اور تمنائیں میرے ساتھ شریک رہیں جو میرے علمی تگ وتاز اور علمی نشاطات میں میرا حوصلہ بڑھاتی رہیں، اللہ تعالی ہمارے مرحوم اساتذہ کرام پر رحمت ومغفرت کی نظر ڈالے۔

آسماں ان کی لحد پر شبنم افشانی کرے سبزۂ نورستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

شیخ الحدیث ؒ کا خط جس میں انہوں نے لکھا ہے کہ ہمیں حسین آباد کے جلسے میں مجھ کو حاضر ہونا ہے اور مجھے اس کا حکم دیا ہے، خط ملاحظہ ہو:

سلام مسنون کے بعد لکھتے ہیں، امید ہے کہ آپ ہر طرح بخیریت ہوں گے کارڈ مل گیا ہوگا خدا کرے آپ ان دنوں گھر ہی پر ہوں اور کہیں سفر پر نہ گئے ہوں یہ کارڈ ایک فوری شدید ضرورت سے لکھ رہا ہوں حسین آباد کی جماعت اپنے یہاں ایک مدرسہ تعمیر کرنا چاہتی ہے اس کی تاسیس کے موقع پر ایک تبلیغی جلسہ کا پروگرام طے ہو گیا ہے اور اس میں آپ کی شرکت ضروری سمجھ کر آپ کی منظوری حاصل کرنے اور بلانے کا کام میرے ذمہ ڈال دیا گیا ہے اس لئے یہ کارڈ آج ۳ / دسمبر کو بعجلت تمام لکھ رہا ہوں مجھے یقین ہے کہ آپ حسین آباد کی جماعت کی بلکہ میری درخواست کو ہرگز رد نہ کریں گے بلکہ ہر حال میں قبول کرکے ہم سب کو ممنون کریں گے، بعض مقامی حالات کی بنا پر اور ناگزیر اسباب کی بنا پر ۲۳ / شعبان کے بعد ہی یہ مجوزہ جلسہ ہو سکتا ہے اس لئے جلسہ جو صرف ایک شب کا ہوگا۔ ۲۵ / شعبان کا دن گذار کر ۲۶ کی شب میں رکھا گیاہے ۲۶ کی صبح کو سنگ بنیاد رکھا جائیگا اور اس کے بعد مہمانوں کو رخصت کیا جائیگا اس لحاظ سے آپ کو ۲۵ شعبان کو مبارکپور ضرور پہونچ جانا چاہئے جلسہ کا دار ومدار آپ پر ہے اس لئے صورتحال کو سامنے رکھتے ہوئے منظوری سے فورا مطلع کریں تاکہ سفر خرچ بواپسی ڈاک بھیج دیا جائے جواب میں دیر ہرگز نہ کریں امید ہے عزیزم مولوی عبد الرحمان سلمہ اور جملہ اعزہ بخیریت ہوں گے سب سے سلام کہہ دیں گے۔

عبید اللہ رحمانی

۳ / ۱۲ / ۶۵ء

شیخ الحدیث ؒ کا دوسرا خط جس میں انہوں نے مبارکپور میں اور حسین آباد کے جلسے میں تقریر کرنے کے

لئے کتنے پر اشتیاق کلمات لکھتے ہیں اور ان کے ہر حکم پر حاضر ہونے والے کو کتنے اونچے جملوں سے یاد کرتے ہیں ، فللہ درہ۔

مکرمی مولانا صاحب / حفظکم اللہ تعالی

مرسلہ جوابی کارڈ موصول ہوا قبل ازیں ایک کارڈ بابت شرکت جلسہ تاسیس مدرسہ موضع حسین آباد روانہ کر کے ۲۵ / شعبان کو پہونچ کر ۲۶ کی شب میں تقریر کرنے اور ۲۶ ہی کی صبح کو مدرسہ کے سنگ بنیاد کی تقریب میں شریک ہونے کی درخواست کر چکا ہوں آج دوسرا خط لکھنے کا فیصلہ ہو چکا تھا کہ آپ کا جوابی کارڈ آگیا مبارکپور کی جماعت نے بھی قصبہ میں یکشنبانہ جلسہ کرنے کا فیصلہ کیا ہے ، طے یہ ہوا ہے کہ ۲۶ کا دن گذار کر ۲۷ کی رات میں سیرت طیبہ کے موضوع پر آپ کی معروف و مشہور تقریر ہو جائے ۔ اس طرح یہاں کے اس سفر میں آپ کو دو شب کا وقت دینا ہوگا امید ہے کہ یہ تکلیف دہی بار خاطر نہ گذرے گی اور آپ قبول کر کے جماعت کو اور مجھ کو ممنون کریں گے ۔ حاجی محمد صدیق صاحب اور مولوی عبد الوحید صاحب کو خط لکھ دیا گیا ہے مولوی عبد الرحمان کو اب کنٹرول ختم ہونے کا انتظار کرنا چاہئے ، سلام مسنون کہہ دیجئے ۔

عبید اللہ رحمانی

۶ / ۱۲ / ۶۵ء

استاذنا العلام مولانا عبید اللہ صاحب شیخ الحدیث مبارکپوری رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ نے میری تقریر دار العلوم ششہنیاں میں عشر وزکوۃ کے موضوع پر پہلی بار سنا جس میں میں نے عرض کیا تھا کہ خدا نے صرف پانی کا لحاظ فرمایا اور یہ حکم دیا کہ اگر پیداوار اس کی بارش سے ہوتا ہے تو عشر ہے اور اگر تم کو پانی نالیوں سے اور تالابوں سے نکال کر محنت کر کے سینچنا پڑے یا ذخیروں میں سے پانی کا محصول دے کر پانی کھیتوں میں لانا پڑے تو نصف عشر ہے ورنہ خدا چاہتا تو چاند سورج ستاروں کے عوض میں مزید ٹیکس عائد کر سکتا تھا کیونکہ کھیتی کی فصل تیار ہونے میں صرف پانی ہی کا دخل نہیں ہے بلکہ سورج غلوں کو پکاتا ہے چاند غلے میں دودھ ڈالتا ہے اور ستارے پھلوں پھولوں غلوں میں طرح طرح کے رنگ طرح طرح کی خوشبو طرح طرح کی لذت طرح طرح کی خاصیت پیدا کرتے ہیں خدا نے ان سب چیزوں کے فوائد کے

مقابلہ میں عشر کا کوئی حساب نہیں رکھا حالانکہ یہ سب عوامل غلہ پیدا کرنے میں کام کرتے ہیں ، شیخ سعدی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں :

ابروباد و مہ و خورشید و فلک در کارند تا تو نانے بکف آری و بغفلت نہ خوری

ایں ہمہ از بہر تو سرگشت و فرمانبردار شرط انصاف نہ باشد کہ تو فرماں نبری

البتہ خداوند کریم نے صرف ایک بالکل ظاہر وباہر چیز آسانی پانی کے کافی ہونے نہ ہونے کی بنیاد پر عشر ونصف عشر کا حکم عائد فرمایا یہ تقریر کافی پھیلاؤ کے ساتھ غالباً ڈیڑھ گھنٹہ تک جاری رہی حضرت شیخ الحدیث ؒ نے میری یہی تقریر غالباً سب سے پہلے سنی تھی اور میری اس تقریر کو بہت پسند فرمایا ۔

پھر اس کے بعد بھی ایک بڑا عظیم الشان جلسہ ضلع گونڈہ کے ایک مقام تلشی پور میں منعقد ہوا تھا حضرت شیخ الحدیث ؒ اس میں مدعو تھے اس جلسہ میں آپ نے مجھ کو بلا کر ہدایت کی کہ وہی عشر وزکوۃ والی تقریر تم اس جگہ کروگے ۔

اس جگہ جلسہ میں مولانا عبد اللہ ثانی اور نوجوان فاضل مولوی عبد الحق صاحب امرتسری بھی آئے ہوئے تھے تمام اہل علاقہ مولانا عبد اللہ ثانی کی بے مثال وبے بہا اور نادر ودلسوز تقریروں پر مفتون تھے میں خود بھی ان کی تقریروں کی لذت وچاشنی وانداز بیاں کا مسحور ہوں ۔

الحمد للہ میری دو تقریروں میں مولانا عبد اللہ ثانی تشریف فرما تھے مجھ سے بیحد مانوس اور خوش ہوئے مجھ کو کئی مشورے دیئے اور مدت تک ہماری ان کی مراسلت کا سلسلہ بھی قائم رہا۔

اس تقریر کے بعد شیخ الحدیث ؒ نے اپنے وطن مبارکپور سے ہمیں ایک کارڈ بھیجا جس میں اپنی تحسین سے نوازتے ہوئے اپنے بلند خیالات کا اظہار ان لفظوں میں کرتے ہیں :

مسئلہ عشر پر ششہنیاں میں آپ کی تقریر مجھے بیحد پسند آئی اور یہ پہلا موقع تھا کہ میں نے آپ کی تقریر سنی تھی میری تحریک پر تلشی پور میں آپ کی تقریر کا یہ عنوان رکھا گیا تھا میں کافی دیر ہو جانے کی وجہ سے تلشی پور میں آپ کی تقریر کے متعلق کچھ نہ کہہ سکا ، میری عادت یہ نہیں ہے کہ کسی کی اس کے منہ پر تعریف کروں کیونکہ اس میں تملق اور عدم اخلاص کی آمیزش کا قوی احتمال و شبہ ہو جاتا ہے۔

یہ واقعہ ہے کہ دونوں مقاموں میں آپ کی اس تقریر پر میں پھڑک اٹھا تھا آپ نے نئی روشنی والوں کی بھی خوب خبر لی تھی فللہ درک ۔ رات میں مسئلہ توحید پر بھی آپ کی تقریر خوب تھی جزاک اللہ ۔ اور میں سچ کہتا ہوں کہ آپ کی تقریریں مولوی حاکم علی صاحب کی تقریروں سے بدرجہا بہتر تھیں بالخصوص ششہنیاں میں تو ان کی تقریر بہت پھیکی رہی آپ کی تقریر میری حرصلہ افزائی سے مستغنی ہے میں نے تو اسی وقت ارادہ کر لیا تھا کہ اگر اپنے اطراف میں جلسہ ہوگا اور میں اس میں دخیل رہوں گا تو انشاء اللہ آپ کو مدعو کروں گا تاکہ لوگوں کو معلوم ہو کہ رحمانیہ نے کیسے کیسے درخشاں ستارے پیدا کئے ہیں ۔

عبید اللہ رحمانی

۳۰ / ۳ / ۴۶ء

حضرت مولانا شیخ الحدیث مبارکپوری " اپنے ایک خط میں میری تقریروں کی شہرت معلوم کرنے کے بعد اپنے خیالات وجذبات کا اظہار کرتے ہیں کہ کانپور میں آپ کی تقریروں کی مقبولیت کا پہلے ہی سے یقین تھا اور انشاء اللہ آپ کی تقریر ہر جگہ اور ہر مقام میں اور ہر اجتماع میں آئندہ مقبول ہوگی ، اللہ تعالی آپ کے ذریعہ سیف بنارسی اور شیر پنجاب کی رحلت اور دیگر علماء پنجاب کے پاکستان چلے جانے سے پیدا شدہ نقصان کی تلافی کر دے اس سے بڑھ کر یہ کہ آپ کے ساتھ ہم سب کو خلوص وطہارت ظاہری وباطنی سے آراستہ کردے اور عجب وکبر اور حرص وطمع کی بیماری سے دور رکھے اور ہمارے مواعظ وخطبات سے مخلوق کو نفع تام پہونچائے ۔

ایک اور خط میں شیخ الحدیث " میری ہمت افزائی کرتے ہوئے اپنی دعاؤں میں یاد کر رہے ہیں کہ جلسہ گورکھپور میں آپ کی کامیابی کی خبر بڑی مسرت کا باعث ہوئی مجھے یقین ہے کہ آپ اپنوں اور غیروں میں ہر جگہ اس میدان میں ممتاز اور کامیاب رہیں گے ۔

اللہ پاک جماعت کو قدر کی توفیق بخشے اور آپ کو خلوص وصدق کی اور مطابقت بین القول والعمل کی نیز عجب وفخر سے بچائے اور آپ کے ذریعہ اس خلاء کو پورا کر دے جو مولانا بنارسی " ، مولانا امرتسری صاحب اور مولانا جوناگڈھی رحمہم اللہ کی وفات سے پیدا ہو گیا ہے اور آپ کی تبلیغی ودینی

وعلمی خدمات کے ذریعہ جماعت کو سربلند کرے۔

عبید اللہ رحمانی

۲۳ / جنوری ۱۹۵۱ء

شیخ الحدیث ؒ کا ایک اور خط جس میں انہوں نے ہمیں کونڈوبونڈیہار پہونچنے کی دعوت دی تھی اور مجھے بلایا تھا جس پر مجھے گلا بیٹھ جانے کے باوجود حاضر ہونا پڑا اس وقت کا پر اشتیاق خط ملاحظہ کیجئے :

سلام مسنون کے بعد لکھتے ہیں۔

کل ۲۳ جنوری کو ۱۱ بجے دن میں ڈومریا گنج پہونچا خیال بلکہ یقین تھا کہ آپ بھی ایک بجے تک ڈومریا گنج پہونچ جائیں گے اور ہم دونوں ساتھ ہی بونڈیہار پہونچیں گے۔ لیکن افسوس کہ آپ نہیں پہونچے کافی انتظار کے بعد مایوس ہو کر میں وہاں سے روانہ ہو کر قبیل مغرب بونڈیہار پہونچا یہاں پہونچ کر معلوم ہوا کہ مکرمی مولوی عباس صاحب آپ کو لینے کے لئے جھنڈا نگر گئے ہیں یہ بھی معلوم ہوا کہ گورکھپور سے واپسی کے بعد آپ کو کچھ آواز بیٹھنے اور گلا پھنسنے کی شکایت ہو گئی ہے باوجود اس شکایت کو سننے اور معلوم کر لینے کے بعد یقین تھا کہ آپ یہاں ضرور تشریف لائیں گے مگر ابھی ابھی صبح کو مولوی عباس صاحب ملے اور آپ کی ملاقات اور عذر وطبیعت کا حال سنایا۔

ان کے ناکام واپس آنے سے یہاں کے لوگوں کو جو تکلیف پہونچی ہے اس کا اندازہ شاید آپ کو نہیں ہو سکے گا ان سے زیادہ جانئے کہ مجھ کو جو تکلیف اور صدمہ ہو رہا ہے اگر آپ کو میری تکلیف اور صدمہ کا معمولی احساس بھی ہے تو آپ میری خاطر جس حال میں بھی ہوں یہاں ضرور آجائیں اگر آپ تقریر کرنے کے لائق نہ ہوں گے تو میں ہرگز آپ کو مجبور نہ کروں گا لیکن آپ کی تشریف آوری بہرحال ضروری ہے آپ خود اپنی تکلیف کا اندازہ کر کے جو صورت چاہیں گے اختیار کریں گے میں آپ کو مکرر سہ کرر تاکید کے ساتھ لکھتا ہوں کہ آپ نے اللہ کے دین کے خاطر اور تبلیغ واعلاء کلمۃ اللہ کے لئے بارہا مختلف قسم کی جسمانی تکالیف برداشت کی ہیں اس توقع پر بھی لوجہ اللہ زحمت اٹھا کر یہاں آجایئے خدانخواستہ اگر آپ تشریف نہ لائے تو مجھے انتہائی دکھ ہوگا جس کا آپ کو اندازہ لگانا مشکل ہوگا، میں اپنے پوتے (عبد الرحمان سلمہ کے بچے) کو بخار میں مبتلا چھوڑ کر آیا ہوں اور آپ جانتے ہیں کہ

ہمارے یہاں پورے قصبہ میں چیچک کی وبا عام ہے اور تمام لوگ سہمے ہوئے ہیں ، میں یہاں آگیا ہوں لیکن میرا دل اور دماغ گھر کی طرف لگا ہوا ہے ایسی حالت میں آپ کے نہ آنے سے مجھ کو جو اذیت روحانی پہونچے گی وہ بیان سے باہر ہوگی پس آپ جیسے بھی ہوں یہاں ضرور آجائیں انشاء اللہ دوا ، دعاء ، غذاء ، پرہیز واحتیاط ہر قسم کی سہولت میسر ہوگی امید ہے مولوی عبد الرحمان سلمہ کدربوا سے آگئے ہوں گے وہ بھی ضرور آجائیں ، سلمکم اللہ وعافاکم وبارک لکم فیما اعطاکم ۔

حضرت مولانا عبد الغفور صاحب بسکوہری طال بقائہم پرسوں شام کو تشریف لا چکے ہیں اور آپ کے انکار کرنے سے بیحد متاثر ہیں اور بوحدت مضمون آپ کو سلام مسنون فرماتے ہیں ۔

عبید اللہ رحمانی

۲/۱/۶۲ء

جلسہ باڑی میں میرے شرکت کے اثرات

پر شیخ الحدیث ؒ کی خوشی کا اظہار

شیخ الحدیث ؒ اپنے خط کے اندر تحریر فرماتے ہیں ۳۰/ مئی کو آپ کا کارڈ موصول ہوا میں اپنی پریشانی کی وجہ سے گونڈہ کے جلسے میں نہ پہونچ سکا اس لئے آپ کا مرسلہ لفافہ مجھے نہیں ملا افسوس ہے کہ آپ سے جھنڈے نگر میں مولانا نذیر احمد صاحب رحمانی کی ملاقات نہ ہو سکی مولوی عبد الجلیل صاحب بھی نہ پہونچ سکے صرف منظر صاحب بلاوے سے پہونچ گئے یہ بھی غنیمت تھا اس لفافہ کے پہونچنے تک غالبا آپ باڑی کے جلسہ سے واپس آجائیں گے ، خدا کرے آپ کی شرکت کا اور آپ کے مواعظ وتقاریر کا ونیز عام مجلس میں آپ کی گفتگو اور نشست برخاست سیرت وعادت وغیرہ کا ، وہاں کے عوام اور خواص دونوں پر بہت اچھا اثر پڑا ہے اور علی رغم الاعداء اپنے او رغیر بلکہ سرکاری افراد بھی آپ کی تقریروں سے خوش اور مطمئن رہے ہوں اور آپ کی شرکت کو سب نے مفید ونافع یقین کیا ہو ۔

بنارس کے بعض افراد کی روش نہایت عجیب بلکہ خطرناک ہے آپ کو بھی تجربہ ہو گیا ہوگا ان سے بہت زیادہ ہوشیار رہنے کی ضرورت ہے افساد ان کا کام ہے باڑی میں بھی یہ حضرات موجود رہے ہوں

گے وہاں جو کچھ ان سے آپ کے اور ہمارے خلاف دیکھنے اور سننے میں آیا ہے ونیز جو کچھ پیش آیا ہو اس کی تفصیل سے مطلع کیجئے ۔

نوٹ : جلسہ باڑی میں میری تقریر بحمد اللہ پر تاثیر ہوئی ، جلسہ باڑی میں علماء اور عوام نے بہت اچھی پذیرائی کی ہر طرح میری وہاں تکریم ہوئی نوجوانان باڑی نے چاروں طرف سے مجھے گھیر رکھا تھا ، میرے منع کرنے کے باوجود چار چار پانچ پانچ آدمی پنکھا چلا رہے تھے ۔

میری ایک تیسری تقریر ضلع گونڈہ کے ایک مقام طیب پور میں ہوئی جس میں فساد زدہ مسلمانوں کو اپنی اقلیت میں ہونے اور مبتلاء فساد ہوتے رہنے پر صبر واستقامت کی تعلیم و تلقین کرتے ہوئے میں نے کہا تھا کہ تم اس امت کے ماارح ہو موجودہ حالات پر غم نہ کرو یہ صبر آزما حالات ہمیشہ نہ رہیں گے ۔

پھر اس کے بعد ہم نے متعدد تاریخی واقعات سے یہ ثابت کیا کہ جب ہم حاکم تھے تو اپنے غیر مسلم رعایا کے ساتھ کتنا بہتر سلوک ہم نے کیا تھا اور جب ہم پر غیر مسلم حاکم ہوئے تو انہوں نے ہمارے احسانات وتعلقات کو کس طرح فراموش کر دیا۔

اس تقریر کا ایک اقتباس جس کو سن کر شیخ الحدیث ؒ نے مجھے خطیب الہند کا لقب دیا تھا :

اقلیت پر اکثریت کے مظالم اور صبر

و استقامت کا پیغام

اللہ تعالی نے ایمان والوں کو صبر واستقامت پر یہ خوشخبری سنائی ہے کہ اکثریت پر اور بڑی طاقتوں پر ہم ایسے مسلمانوں کو فتح دیں گے جن کو کل تک دنیا کمزور سمجھ رہی تھی ان کو زمین کے مشرقی ومغربی علاقوں کا وارث بنادیں گے اور اکثریت وبڑی طاقتوں کے کارناموں کو اور ان کے اونچے اونچے تعمیر کردہ محلات کو ملیا میٹ کردیں گے اور ان کے صبر واستقامت کا یہ بہترین انجام ہوگا چنانچہ سورہ اعراف میں ارشاد ہے ۔

واورثنا القوم الذین کانوا یستضعفون مشارق الارض ومغاربها التی بارکنا فیها وتمت کلمة

ربك الحسنی علی بنی اسرائیل بما صبروا ودمرنا ما کان یصنع فرعون وقومه وما کانوا یعرشون -

(الاعراف : ۱۳۷)

ترجمہ : اور ہم نے ان لوگوں کو جو کہ بالکل کمزور شمار کئے جاتے تھے اس سرزمین کے پورب پچھم کا مالک بنادیا جس میں ہم نے برکت کر رکھی ہے اور آپ کے رب کا نیک وعدہ بنی اسرائیل کے حق میں ان کے صبر کی وجہ سے پورا ہو گیا، اور ہم نے فرعون کو اور اس کی قوم کے ساختہ پرداختہ کارخانوں کو اور جو کچھ اونچی اونچی عمارتیں بنواتے تھے سب کو درہم برہم کر دیا۔

اسی طرح اللہ تعالی نے صبر آزما مصیبتیں ڈال کر امت محمدیہ کو آزمایا ہے کہ کہاں تک آزمائش میں سچے ثابت ہوتے ہیں اور کتنے لوگ ناشکری وکفران نعمت کے مرتکب ہوتے ہیں ارشاد باری ہے :

"الم ' أحسب الناس أن يتركوا أن يقولوا آمنا وهم لا يفتنون ' ولقد فتنا الذين من قبلهم فليعلمن الله الذين صدقوا وليعلمن الكاذبين "- (سوره عنكبوت : ۱-۲-۳)

ترجمہ : کیا لوگوں نے سمجھ رکھا ہے کہ اتنا کہنے پر چھوٹ جائیں گے کہ ہم ایمان لے آئے اور ان کی آزمائش نہ کی جائیگی ؟ بیشک آزمائش ہوگی ہم نے ان سے پہلے لوگوں کو جانچا تھا اسی طرح ان کو بھی جانچیں گے، پھر ان لوگوں کو جدا کردیں گے جو سچے ہیں اور ان لوگوں کو جو جھوٹے ہیں۔

" أم حسبتم أن تدخلوا الجنة ولما يأتكم مثل الذين خلوا من قبلكم مستهم الباساء والضراء وزلزلوا حتى يقول الرسول والذين آمنوا معه متى نصر الله ألا ان نصر الله قريب "- (بقرة: ۲۱٤)

ترجمہ : کیا تم خیال کئے ہوئے بیٹھے ہو کہ جنت میں داخل ہو جاؤگے حالانکہ ابھی تم پر وہ تکالیف نہیں آئیں جو تم سے پہلے لوگوں پر آئی تھیں ہر طرح کی سختیاں اور تکلیفیں بھی ان کو پہنچیں اور کانپتے رہے یہاں تک کہ رسول اور اس کے تابعدار مومن بعض دفعہ بول اٹھے تھے کہ اللہ کی مدد کب ہوگی ؟ خبردار رہو خدا کی مدد بہت قریب ہے۔

مسلمان پہلے بھی اپنے ایمان کامل کی آزمائش دے چکے ہیں آج بھی ابتلاء وآزمائش سے دو چار ہیں صبر واستقامت اور دعائیں ہمارے لئے ہتھیار ہیں ۔

ابتلاء وصبر کی ایک مثال

حضرت بلال حبشیؓ جب حلقہ بگوش اسلام ہوئے تو ان کا آقا امیہ بن خلف ان کو ستانے لگا اور مکہ کے ریگزاروں میں عین دوپہر کے وقت چلچلاتی ہوئی دھوپ میں لڑکوں سے گھسٹواتا اور ان کے سینے پر بڑے بڑے پتھر رکھوا دیتا تاکہ ہل نہ سکیں اور ان سے کہتا " لا تزال هكذا حتى تومن باللات والعزى وتكفر بمحمد " کہ تم اسی حالت میں برابر رہو گے جب تک دوبارہ لات وعزی پر ایمان نہیں لے آؤ گے اور محمد کا انکار نہیں کرو گے۔

مگر حضرت بلالؓ اپنے دین پر ایسے پکے جمے رہے کہ اسلام چھوڑنے پر آمادہ نہ ہوئے اور سب کچھ برداشت کرتے رہے اس شدائد کی گھڑی میں آپ برابر اپنی زبان سے اللہ احد ، اللہ احد کا نعرہ بلند فرماتے ۔ "وهو في ذلك ويقول : الله أحد ' الله أحد "۔ (صفة الصفوة لابن الجوزی)

ایک مسلم اقلیت کی فتح بھاری اکثریت پر

حضرت عمر فاروقؓ کے عہد میں ایک لڑائی جلولاء کی لڑی گئی اس میں مسلمانوں کی تعداد تیس ہزار کی تھی اور فارس کا لشکر جرار ایک لاکھ پر مشتمل تھا اس میں سیکڑوں ہاتھی تھے جو ایرانی لشکر کے آگے آگے چلتے تھے اس میں ایک سفید ہاتھی سب سے آگے تھا، پہلے امیر لشکر رستم کی طرف سے اعلان کیا گیا کہ تم لوگ لوٹ جاؤ اپنی جانوں کو ہلاکت میں نہ ڈالو، ہر سپاہی اور امیر لشکر کو بطور انعام اتنی اتنی رقم دی جائے گی، مسلمانوں کے امیر لشکر نے فرمایا : " نحن نحب الموت في سبيل الله كما تحبون الحياة " کہ ہم اللہ کے راستے میں موت کو اسی طرح عزیز رکھتے ہیں جس طرح تم کو زندگی عزیز ہے فارس کے امیر لشکر رستم نے کہا : " فإنا لا نرى معكم عددا ولا عدة ولا قوة ولا صلاحا " کہ تمہارے پاس نہ گنتی میں کافی لوگ ہیں اور نہ ساز وسامان ہی ہے اور نہ قوت وہتھیار ہے۔

بالآخر جنگ جاری ہو گئی ہاتھیوں کے قطار سے سفید ہاتھی آگے بڑھا اور دو چار مقابل میں آنے والے فوجیوں کو ہلاک کر دیا تو مسلمان فوجیوں کے اندر خوف وہراس کی لہر دوڑ گئی انہوں نے سوچا کہ یہ

ہاتھیوں کی لڑائی ہے آخر ہم کس طرح کامیاب ہو سکتے ہیں ؟

تو دو نوجوانوں میں یہ بات چیت ہوئی کہ تم کل ایک نیزہ لیکر سفید ہاتھی کی آنکھ میں بھونک دو اور میں ایک تلوار لیکر سونڈ پر اس طرح ماروں گا کہ سونڈ مستک سے کٹ کر الگ گر جائے گی چنانچہ اس پروگرام سے دونوں نوجوان ہاتھی کے سامنے آئے ، سفید ہاتھی کی آنکھ میں ایک نے نیزہ مارا اور دوسرے نے تلوار سے ایسی کاری ضرب لگائی کہ سونڈ کٹ کر مستک سے الگ ہو گئی سفید ہاتھی اپنے ہاتھیوں کی طرف بھاگا اور تمام ہاتھی فوجیوں کی طرف بھاگے جس سے فوج میں بھگدڑ مچ گئی اور مسلمان حملہ آور فوجیوں پر ٹوٹ پڑے تمام میدان خالی ہونے لگا اور مسلمان صحابہ نے ان کا پیچھا مدائن ونہاوند تک کیا مدائن ونہاوند بھی اسی وقت فتح ہو گیا۔ (کتاب الخراج لقاضی ابی یوسف)

اس واقعہ سے ثابت ہوا کہ جب مسلمان صحیح الاعمال تھے اور خدا پر انہیں کامل بھروسہ تھا تو خداوند کریم ان کی مدد کرتا تھا اور ان کے دل ودماغ میں دفاعی تدبیر وحکمت ڈال دیتا تھا جس سے وہ کامیاب وکامراں ہو جاتے تھے ۔ آج ہم سے حکومت کافرہ بیزار ہے ہم سے اسلام کا بدلہ لینا چاہتی ہے ہم سے کہتی ہے کہ مکہ مدینہ جاؤ پاکستان چلے جاؤ تمہارا گھر پاکستان ہے ہم علامہ اقبال ؒ کے لفظوں میں کہنا چاہتے ہیں ۔

چین وعرب ہمارا ہندوستاں ہمارا
مسلم ہیں ہم وطن ہے سارا جہاں ہمارا

اس کے بعد میری دوسری تقریر موضع املو میں مولانا نذیر احمد صاحب رحمانی کے مدرسہ ومسجد کے قریب ہوئی تھی وہ سوا گھنٹہ کی تقریر تھی ، جس کی صدارت مدرسہ فیض عام مئو ناتھ بھنجن کے ناظم عزت مآب جناب مولانا محمد احمد صاحب رحمہ اللہ کر رہے تھے اس تقریر کو مولانا نے کسی قریبی جگہ میں بیٹھ کر سنا تھا اور مولانا محمد احمد صاحب بھی بہت محظوظ ہوئے تھے ۔

یہ تقریر سود ، جوا ، نشہ وغیرہ کی حرمت اور اکل حلال کی خیر وبرکت پر کی گئی تھی ، اس تقریر میں آیات کریمہ اور احادیث شریفہ کے علاوہ متعدد واقعات اور تمثیلات پیش کی گئی تھیں ۔ جب یہ جلسہ جو دن کے ۹ بجے ہو رہا تھا اختتام پذیر ہوا تو اسی رات دار الحدیث اثریہ مئوناتھ بھنجن میں میں بحیثیت

مقرر اور مولانا شیخ الحدیث صاحب رحمہ اللہ بحیثیت صدر جلسہ کے وارد ہوئے ۔ جب رات میں تقریر شروع ہوئی اور جب میری باری آئی تو مولانا شیخ الحدیث نے فرمایا ، میں نے جو تقریر آج املو میں مولانا عبد الروٴف کی سنی ہے وہ اتنی مفید اور جامع تقریر تھی کہ اب میں ان کو ہر موضوع پر تقریر کرنے کا حقدار سمجھتا ہوں اور اسلام کی نمائندگی کرنے پر پوری طرح قادر مانتا ہوں ، اس لئے میں نے ان کو جو لقب پہلے خطیب الہند کا دیا تھا ان کو دوسرا لقب خطیب الاسلام کا دے رہا ہوں ۔

یہ دس بجے رات کا وقت تھا میں مئو کے علماء کے درمیان کسی جگہ سو رہا تھا اور یہ خطاب مجھے مل رہا تھا ، مجھے علماء مئو مولانا عبد الباقی وغیرہ نے جگایا اور کہا اٹھو اٹھو دیکھو مولانا تمہیں خطاب دے رہے ہیں ، مجھے بڑی خوشی ہوئی کہ میں اگرچہ سو رہا تھا لیکن میری قسمت جاگ رہی تھی ، فللہ الحمد ۔

اس کے بعد میرا ایک سفر احمدیہ سلفیہ دربھنگہ کے جلسہ میں ہوا وہاں پر میری تقریر اقلیت واکثریت کے موضوع پر ہوئی ، اس تقریر کو حضرۃ الاستاذ مولانا نذیر احمد صاحب رحمانی نے بھی سنا اور مولانا عبد العزیز میمنی پروفیسر ادب علیگڈھ نے بھی سنا جو جلسہ میں مدعو تھے ، میری تقریر پر شیخ عبد العزیز میمنی ” پھڑک اٹھے ، اور استاذ محترم مولانا نذیر احمد رحمانی نے فرمایا تم کو حضرت شیخ الحدیث نے جو لقب خطیب الاسلام کا دیا ہے وہ بالکل حق اور بجا ہے ، تم اس خطاب کے لائق و مستحق ہو تمہارا خطاب دلگیر و دلپذیر ہوتا ہے ۔

اس کے بعد مولانا نذیر احمد رحمانی نے جب جامعہ سلفیہ بنارس کے جلسہ میں مجھے بلایا تو میں نے ایک تقریر حقانیت اسلام پر کی تھی یہ تقریر مولانا نذیر احمد رحمانی رحمتہ اللہ علیہ کی صدارت میں ہو رہی تھی ، اس تقریر کے موقع پر استاذ محترم مولانا عبد المجید الحریری (جنہوں نے مجھ کو اعجاز القرآن لعبد القاہر جرجانی سبقا سبقا پڑھایا تھا) اور جناب مولانا عبد المتین صاحب بنارسی بھی تشریف فرما تھے ، میں نے تقریر میں کہا اسلام میں تغیر وانقلاب کی ضرورت نہیں ہے ، اگرچہ صدیوں پہ صدیاں گزر جائیں لیکن اس کی تعلیمات مبنی بر حقائق ہیں ان کے اندر کوئی تغیر و تبدیلی نہیں لائی جاسکتی جس طرح کائنات میں جو چیزیں موجود ہیں وہ ازل سے ابد تک ایک ہی قانون پر مبنی ہیں ، صدیوں سے گیہوں سے گیہوں پیدا ہوتا ہے گیہوں سے جو نہیں پیدا ہو سکتا آم کے درخت میں صدیوں سے آم ہی پیدا ہو رہے ہیں آم کے

درخت سے بادام نہیں پیدا ہوں گے، صدیوں سے دو دو مل کر چار ہوتے ہیں اور چار چار مل کر آٹھ ہوتے ہیں، دو دو مل کر پانچ بھی نہیں ہوں گے اور چار چار مل سات بھی نہیں ہوں گے، جس طرح کائنات کی تخلیق میں اللہ تعالی کا یہ قانون ازلی وابدی ہے، انگلیاں لکھتی ہیں معدہ کھانا ہضم کرتا ہے دماغ سوچتا ہے اس کے برعکس کبھی نہیں ہو سکتا کہ انگلیاں کھانا ہضم کریں اور دماغ سننے لگیں اپنا اپنا فریضہ ہر عضو انجام دے رہا ہے، ایسا کبھی نہیں ہو سکتا کہ کان دیکھنے لگیں اور آنکھیں سننے لگیں، آگ کا کام جلانا ہے اور پانی انسان کو ڈبوتا ہے ایسا کبھی نہیں ہو سکتا کہ آگ اپنی خاصیت چھوڑ دے اور پانی اپنی صلاحیت سے الگ ہو جائے یہ ازل سے ابد تک قانون ہے کہ جزء کل سے چھوٹا اور کل جزء سے بڑا ہوتا ہے، ایسا کبھی نہیں ہو سکتا کہ جزء کل سے بڑا اور کل جزء سے چھوٹا ہو جائے، جس طرح صدیوں اور ہزاروں برس سے چاند چمکتا اور گھٹتا بڑھتا رہتا ہے وہ ازل سے ابد تک اسی طرح رہے گا، اور جس طرح سورج کا گولہ پورب سے نکلتا ہے اور پچھم میں ڈوبتا ہے، اور صدیوں وہزاروں برس سے اپنے ہی طریقے سے نکلتا اور ڈوبتا ہے، زمانۂ قدیم سے اس کا دستور یہی چلا آرہا ہے، کوئی نہیں کہہ سکتا کہ سورج وچاند میں تغیر وانقلاب آنا چاہئے، سورج اپنی روشنی وچمک چھوڑ دے اور چاند اپنی ٹھنڈک اور اپنی نورانیت چھوڑ دے اور اس میں انقلاب وتغیر پیدا ہوں۔

سورج وچاند جس طرح قانون تکوینی کے تحت چلتے ہیں اسی طرح کائنات کی تمام چیزیں قدیم زمانے سے اب تک اپنے اپنے فرائض انجام دے رہی ہیں، ٹھیک اسی طرح قانون تشریعی میں بھی باوجود قدامت کے کوئی تغیر نہیں ہوگا، قوانین تشریعی میں سے ہر قانون اور ہر حکم ازل سے ابد تک ایک ہی رہے گا اس میں بھی تغیر وانقلاب پیدا کرنے کی ضرورت نہیں ہے، جس طرح جھوٹ ہمیشہ جھوٹ ہی رہے گا چاہے صدیوں پر صدیاں گزر جائیں اور سچ ہمیشہ سچ ہی رہے گا چاہے جتنی ہی صدیاں گزر جائیں، نیکی ہمیشہ نیکی ہی رہے گی اور بدی ہمیشہ بدی رہے گی چاہے کتنی ہی صدیاں اس پر گزر جائیں۔

ایک انسان کے پاس دیا سلائی ہے تو اس کی سلائی سے چاہے تو آگ جلا کر کسی کو چائے پلا دے جو خیر پسندی اور خیر کا کام ہے اور چاہے اسی دیا سلائی سے کسی بوڑھیا کا جھونپڑا جلا دے جو شر ہے اور ہمیشہ شر ہی رہے گا، پس قوانین تشریعی میں جو قانون بن گئے ہیں وہ قانون ازلی وابدی ہیں ان میں کبھی کوئی تغیر

نہیں آئیگا ، قرآن کریم میں اللہ تعالی کا ارشاد ہے " لا یأتیہ الباطل من بین یدیہ ولا من خلفہ تنزیل من حکیم حمید " ۔ یعنی ان حقائق کو نہ سامنے کی صدیاں باطل کریں گی نہ پیچھے آنے والی صدیاں باطل کر سکیں گی ۔

اس مضمون کو میں نے بہت پھیلا کر اسلام کی حقانیت اور قرآن کی صداقت کو پیش کیا تھا ، آخری شعر مولانا ظفر علی خاں کا یہ پڑھا تھا :

چل دیئے پطرس گم ہوئے مرقس مر گئے متی مٹ گئے لوقا
جاء الحق وزھق الباطل ان الباطل کان زھوقا

اس ڈیڑھ گھنٹہ کی تقریر پر مولانا عبد المتین صاحب ولد حاجی عبد الرحمان صاحب بنارسی کا چہرہ خوشی وشادمانی سے دمک رہا تھا اور خوشی کے عالم میں مجھے اپنے بغل میں بٹھا لیا تھا ، اس کے بعد ہی مجھے مونگیر کے جلسے میں جانا تھا وہاں کا قاصد میرے پاس بیٹھا ہوا تھا میں نے مولانا عبد المتین صاحب " اور مولانا نذیر احمد رحمانی صاحب " سے اجازت لی تو انہوں نے مجھے بڑی خوشی سے رخصت کیا ، اس کے جب مونگیر سے میں وطن واپس آیا تو مجھے مولانا نذیر احمد صاحب رحمانی " کا ایک لفافہ ملا جس میں لکھا تھا کہ آپ کی جو تقریر دلپذیر ابھی بنارس میں ہوئی تھی اس کو یہاں کے اعیان واکابر نے بہت پسند کیا میں سب کی طرف سے آپ کو مبارکباد دیتا ہوں ۔

اللہ تعالی ان تمام مرحومین کو کروٹ کروٹ جنت نصیب کرے اور وہ اللہ تعالی کی تمام رحمتوں ونعمتوں سے سرفراز ہوتے رہیں ہمارے سب بزرگ اساتذہ اور معاصر علماء سب سفر آخرت پر چلے گئے رحمہم اللہ ، میں ایک عاجز ناتواں ہی باقی رہ گیا ہوں شیخ الحدیث " پر میری یہ تحریریں باقی رہ جائیں گی میں بھی عنقریب آغوش رحمت میں جانے کے لئے مستعد ہوں ۔ شیخ سعدی فرماتے ہیں ؎

غرض نقشے است کزمایاد ماند کہ ہستی را نمی بینم بقائے
مگر صاحب دلے روزے برحمت کند در حق ایں مسکیں دعائے

☆☆☆

آہ ! شیخ الحدیث رحمتہ اللہ علیہ

از قلم : حضرت مولانا حبیب الرحمٰن فیضی اعظمی

محدث عصر شیخ الحدیث حضرت مولانا عبید اللہ صاحب رحمانی ۵ ؍ جنوری ۱۹۹۴ء مطابق ۲۲ ؍ رجب ۱۴۱۴ھ بروز چہار شنبہ ۸۷ ؍ سال ۶ مہینے کی عمر میں رحلت فرما گئے ۔ إنا للہ و إنا إلیہ راجعون ۔ شیخ الحدیث مرحوم ۱۳۲۷ھ میں قصبہ "مبارکپور" ضلع اعظم گڈھ ایک علمی خاندان میں پیدا ہوئے ۔ بچپن میں اپنے والد ماجد مولینا عبد السلام صاحب مبارکپوری ، صاحب سیرۃ البخاری کے ساتھ رہ کر فارسی کی مروج کتابیں اور عربی شرح جامی ، قطبی ، شرح الوقایہ تک حاصل کی پھر اس کے بعد مدرسہ دار الحدیث رحمانیہ دہلی تشریف لے گئے ۔ اور وہاں شیخ الحدیث حضرت مولینا احمد اللہ صاحب اور حضرت مولینا عبد الوہاب صاحب آروی اور جد امجد حضرت مولانا احمد صاحب مئوی اوردیگر اساتذہ دار الحدیث رحمانیہ سے معقول ومنقول علم کی تعلیم حاصل کی نیز مولانا عبد الرحمان صاحب محدث مبارکپوری " سے اوائل جامع الترمذی ، مقدمہ ابن الصلاح اور سراجی پڑھی ۔ اس اثناء میں ۱۳۴۲ھ میں آپ کے والد ماجد جبکہ آپ جماعت خامسہ میں زیر تعلیم تھے ایک حادثے میں سواری سے دب کر شہید ہو گئے ۔ لیکن شیخ الحدیث کے پائے ثبات میں کوئی تزلزل نہیں آیا ۔ اور تعلیم کو جاری رکھا ۔

آپ ۱۳۴۵ھ میں فارغ ہوئے ۔ اور آپ اپنی جماعت میں ہمیشہ اول آتے رہے ۔ شیخ الحدیث کی صلاحیت وقابلیت دیکھ کر شیخ عطاء الرحمٰن مہتمم دار الحدیث رحمانیہ دہلی نے آپ کو

مدرس رکھ لیا۔ ایک زمانے تک آپ وہیں درس وتدریس میں مشغول رہے۔ پھر جب مولینا عبد الرحمٰن صاحب محدث مبارکپوری کو ضعف بصارت لاحق ہو گئی تو اس وقت ایک لائق با صلاحیت عالم کی ضرورت پڑی جو تحفتہ الاحوذی کی تالیف وتشریح میں محدث مذکور کا ہاتھ بٹائے جب شیخ عطاء الرحمٰن کو معلوم ہوا کہ آپ کو ایک لائق با صلاحیت عالم کی ضرورت ہے، تو شیخ صاحب کو صاحب تحفتہ الاحوذی کی خدمت میں بھیج دیا۔ اس طرح شیخ الحدیث محدث مبارکپوری کی خدمت میں رہ کر تحفتہ الاحوذی کی شرح میں ہاتھ بٹاتے رہے۔ اور جب تحفتہ الاحوذی کا کام ختم ہو گیا۔ تو پھر آپ دار الحدیث رحمانیہ دہلی چلے گئے۔ اور وہاں شیخ الحدیث حضرت مولینا احمد اللہ صاحب کے انتقال کے بعد آپ کی صلاحیت اور علم حدیث میں دلچسپی دیکھ کر آپ کو مہتمم صاحب نے دار الحدیث رحمانیہ دہلی کا شیخ الحدیث مقرر کر دیا۔ آپ درس وتدریس کے ساتھ افتاء کا کام بھی کرتے رہے۔ اور آپ کے فتاوے ہندوستان وپاکستان میں بڑی وقعت کی نظر سے دیکھے جاتے رہے۔

پھر آپ وہیں سے سعودیہ کسی شخص کی سفارش میں بھیجے گئے۔ وہاں چند دنوں تک شاہی مہمان رہے۔ پھر اس کے بعد جب ہندوستان ۱۹۴۷ء میں تقسیم ہو گیا تو آپ سعودیہ سے کراچی ہوتے ہوئے اپنے وطن مالوف میں واپس آئے اور ایک زمانے سے سیرۃ البخاری (مصنفہ مولینا عبد السلام صاحب مبارکپوری والد ماجد شیخ الحدیث) کی دوبارہ طباعت کا خیال تھا۔ چنانچہ بعض مفید تحشیہ کے بعد اس کو دوبارہ طبع کرایا۔

محدث مبارکپوری کی خدمت میں رہنے سے شیخ الحدیث کی علمی صلاحیت میں مزید اضافہ ہو گیا۔ جس کی بنا پر ہند وپاک کے علماء نے آپ سے اصرار کیا کہ "مشکوۃ" شریف کی کوئی شرح اہلحدیث علماء کی لکھی ہوئی نہیں ہے۔ جس کی اہلحدیث مدرسین اور طلباء کو سخت ضرورت ہے۔

بہر حال شیخ الحدیث لوگوں کے اصرار کو نہ ٹال سکے۔ اور گھر ہی رہ کر مشکوۃ شریف کی شرح از نام " مرعاۃ المفاتیح " کی تالیف شروع کی۔ اور اس سے پہلے جتنی موافق ومخالف شرحیں لکھی گئی تھیں۔ عمیق وغائر نظر ڈال کر شرح مذکور میں ایک جنچا تلا فیصلہ کرتے رہے۔ جس کی بنا پر شرح مذکور ہند وپاک اور دیگر ممالک اسلامیہ میں بہت مقبول ہوئی اور لوگوں نے اس کو پسند کیا۔ اس شرح کے لکھنے میں اس قدر محنت وجانفشانی کی کہ آپ بہت کمزور ہو گئے۔ اور " کتاب البیوع " تک طبع ہو سکی۔ اس کا بہر حال افسوس ہے کہ شرح مذکور مکمل نہ ہو سکی، ہو سکتا ہے کہ آپ کی اولاد میں یا ان کے علاوہ کوئی دوسرا شخص اس کو مکمل کر سکے۔ اللہ تعالی سے دعاء ہے کہ اس کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کی توفیق عطا کرے، آمین۔

شیخ الحدیث مرحوم کا یوں تو مئو سے گہرا تعلق ولگاؤ تھا۔ چنانچہ آپ خود مئو آتے رہتے۔ اور اگر کسی وجہ سے نہ آپاتے تو دوسروں سے مئو اور اہل مئو اور اس کے حالات دریافت کرتے رہتے۔ اس طرح آپ کا جامعہ اسلامیہ " فیض عام " مئو سے کافی لگاؤ تھا۔ چنانچہ گاہے گاہے آتے رہے اور بالخصوص ناظم مرحوم علامہ مولینا محمد صاحب، مئوی سے ملاقات کرتے اور علمی مسائل میں باہم تبادلہ خیالات کرتے۔ اور چونکہ جامعہ فیض عام کا کتب خانہ ایک قدیم اور اہم کتب خانہ ہے۔ اور یہاں مراجع کی اکثر کتابیں موجود ہیں۔ چنانچہ شیخ الحدیث مرعاۃ المفاتیح کے لکھنے کے لئے یہاں سے بہت سی کتابیں منگواتے رہے اور استفادہ کرتے رہے۔

شیخ الحدیث کو ان خدمات کی وجہ سے بہت مقبولیت حاصل رہی اور علم حدیث میں خصوصا آپ کا درجہ بہت اونچا رہا اسی لئے کسی علمی گتھی کے سلجھانے کے لئے آپ لوگوں کے لئے مرجع وماوی تھے۔ اور ویسے تو ہر مدرسے میں کوئی نہ کوئی شیخ الحدیث ہوتے ہیں۔ لیکن آپ شیخ الحدیث کے لقب سے اس طرح مشہور ہوئے کہ اہلحدیثوں میں جب شیخ الحدیث کا لفظ بولا جائے تو آپ ہی کی

ذات بابرکات مراد ہوتی ہے۔ جیسے ہندوستان میں اہلحدیثوں میں جب حافظ صاحب کا لفظ بولا جائے تو اس سے حافظ عبد اللہ غازیپوری کی ذات مراد ہوتی ہے۔ اور جب میاں صاحب کا لفظ بولا جائے تو اس سے استاذ الکل فی الکل سید نذیر حسین صاحب دہلوی مراد ہوتے ہیں۔ جیسے علمی دنیا میں حافظ کا لفظ بولا جاتا ہے تو اس سے حافظ ابن حجر عسقلانی مراد ہوتے ہیں۔ چنانچہ شاہ انور صاحب کشمیری دیوبندی نے عرف الشذی میں حافظ الدنیا کے نام سے یاد کیا ہے۔ نیز یہ کہ آپ ایک باعمل عالم، متقی پرہیزگار، اور خوش اخلاق و تقوی وطہارت اور مہمان نوازی، عاجزی وفروتنی میں یگانہ روزگار تھے۔ آپ بڑے محتاط تھے۔ چنانچہ جب آپ کسی کے یہاں جاتے اور کسی طرح یہ معلوم ہو جاتا کہ ان کا کاروبار مشکوک ہے تو آپ احتیاطا ان کے یہاں کھانا وغیرہ نہیں کھاتے۔ آپ کے احتیاط کا ایک واقعہ یہ ہے کہ آپ کسی ضرورت سے سعودیہ بھیجے گئے۔ اس وقت حج کا زمانہ قریب تھا لیکن آپ حج سے پہلے اپنے وطن لوٹ آئے۔ اور جب آپ سے حج نہ کرنے کا سبب دریافت کیا گیا تو فرمایا کہ چونکہ سعودیہ اپنے خرچ سے نہیں گیا تھا۔ اس کے بعد پھر آئندہ مستطیع ہونے پر حج کروں گا انشاء اللہ تعالی۔ چنانچہ شیخ الحدیث صاحب نے بعد میں اپنے خرچ سے حج ادا کیا، تقبل الله منه۔ اور دوسرا واقعہ یہ ہے کہ جب آپ "مرعاۃ" لکھ رہے تھے تو اس وقت کچھ لوگ بطور تنخواہ مرحوم کا تعاون کرتے رہے۔ لیکن جس دن کسی وجہ سے لکھنے پڑھنے کا کام نہیں کرتے اس دن کی تنخواہ کٹوا دیتے۔ آپ کے مہمان نوازی کا کیا پوچھنا جب کوئی انجان آدمی بھی آپ کے یہاں جاتا تو اس کی بھی خاطر تواضع ویسے ہی کرتے جیسے ایک جانا پہچانا آدمی کے ساتھ پیش آتے۔ چنانچہ مئو سے کچھ لوگ دیوبندی خیال کے آپ کے یہاں گئے اور آپ ان کے ساتھ اس طرح پیش آئے کہ آکر وہ لوگ کہنے لگے "وہ تو ایک ولی ہیں" ہمارے یہاں کوئی بڑا سے بڑا عالم بھی اس طرح خوش اخلاقی کے ساتھ نہیں پیش آتا۔

اور بھی اس طرح بہت سارے واقعات آپ کے اخلاقیات وعادات وغیرہ سے متعلق ہیں جو کبھی آئندہ تفصیلا ذکر کئے جائیں گے، انشاء اللہ۔

غرضیکہ شیخ الحدیث کا علمی پایہ جس طرح بہت اونچا اور مضبوط تھا۔ اسی طرح آپ اخلاقیات ومعاملات وعبادات ودیگر معاملات میں اپنی مثال آپ تھے۔ چنانچہ جب شیخ الحدیث بروز چہار شنبہ صبح ۶ بجے مورخہ ۵ جنوری ۱۹۹۴ء کو اس عالم فانی سے عالم جاودانی کی طرف رحلت فرما گئے تو آپ کے انتقال کی خبر تمام ہندوستان وپاکستان اور ممالک اسلامیہ میں بجلی کی طرح پھیل گئی۔ اور اس کا اعلان اخبار وریڈیو کے ذریعے سے بھی ہوا۔ اور جہاں تک ممکن رہا لوگ مئو، بنارس، دہلی، بہار، بستی، سدھارتھ نگر، گونڈہ اور نیپال وغیرہ سے اتنی کثرت سے شریک جنازہ ہوئے کہ مبارکپور کے لوگوں کا بیان ہے کہ آج تک کسی کے جنازے میں اتنے زیادہ اور اتنی دور دور سے لوگوں نے شرکت نہیں کیا۔ آپ کی نماز جنازہ آپ کے صاحبزادے مولینا عبد الرحمان صاحب حفظہ اللہ نے پڑھائی اور آپ کے خاندانی قبرستان "سمودھیا" میں یہ علم کا آفتاب غروب ہو گیا۔ تدفین میں بھیڑ کی وجہ سے بہت سے لوگ مٹی نہ دے سکے۔

اللہ تعالی سے دعاء ہے کہ شیخ صاحب مرحوم کو اللہ تعالی جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائے اور ان کے لغزشوں سے در گذر فرمائے اور ان کی نیکیوں کو قبول فرمائے نیز آپ کے جملہ متعلقین کو صبر کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

☆☆☆

جناب مولانا عبد الرحمٰن رحمانی مبارکپوری ابن شیخ الحدیث رحمہ اللہ سے

ایک انٹرویو

مولانا عبد الوہاب حجازی

شیخ الحدیث رحمہ اللہ کے انتقال کے بعد میں مناسب وقت کے انتظار میں تھا کہ ایک بار مولانا عبد الرحمٰن صاحب رحمانی مد ظلہ کی قیام گاہ پر مبارکپور حاضر ہوگیا، میرے ساتھ سوالات کی ایک طویل فہرست تھی، اور مولانا کاروبار زندگانی میں بے حد مصروف۔ میں نے اپنی آمد کی غرض وغایت بیان کی اور پھر وقت نے جتنا ساتھ دیا مولانا نے میرے سوالات کے جواب دیئے جو ذیل میں درج کئے جارہے ہیں، میرا پہلا سوال تھا کہ :

س : آپ لوگوں کی تعلیم وتربیت کے متعلق شیخ صاحب کی رہنمائی. نصیحت وہدایت کی نوعیت کیا تھی ؟

ج : ناظرہ قرآن کریم اور اردو کی چند کتابیں میں نے گھر ہی پر والدہ محترمہ سے پڑھی تھیں، اور تمام بھائیوں اور بہنوں نے بھی والدہ ہی سے پڑھا البتہ بڑے بھائی فضل الباری صاحب نے ایک قاری سے ناظرہ قرآن پڑھا تھا، ابا انہیں دار الحدیث رحمانیہ دلی بھی لے گئے تھے دو سال وہاں رہے، تعلیم مکمل نہیں کر سکے، جب میری ولادت ہوئی تو ابا جان رحمہ اللہ نے میرا نام اپنے استاد حضرت علامہ عبد الرحمٰن مبارک پوری رحمتہ اللہ علیہ کے نام پر عبد الرحمٰن رکھا، میری ولادت سے پہلے میرے دو بڑے بھائی فضل حق اور محی الدین کم سنی ہی میں انتقال کر چکے تھے ان کے بعد میں ہی سب سے کم عمر تھا پھر اسی طرح اسلامی عقائد مولفہ مولانا عبد السلام صاحب بستوی سے عقیدہ کی بہت سی باتیں یاد کرادی تھیں۔ میں اپنی ہمشیرہ صفیہ مرحومہ کے پاس زیادہ رہتا اور سوتا تھا انہوں نے مجھے صلوۃ محمدی، عم پارہ اور نبیوں کے

تھے مولانا عبد الحئی فاروقی صاحب ؒ کی زبانی یاد کرادی تھی، یہ قاعدہ بغدادی شروع کرنے سے پہلے کی بات ہے ۔ میری ولادت کی تاریخ حضرت ابا جان ؒ نے اپنی بیاض میں بایں الفاظ درج کی ہے "مورخہ یکم رجب یوم سہ شنبہ ۱۳۵۴ھ بوقت نماز فجر نور چشم فضل حق ثانی عرف عبد الرحمٰن سلمہ اللہ تولد شد" ہم لوگ کل دس بھائی بہن تھے جن کی ترتیب یہ ہے ، (۱) حسینہ ؒ (۲) صفیہ ؒ (۳) فضل الباری (۴) فضل حق ؒ (۵) محی الدین (۶) عبد الرحمٰن (۷) عبد اللہ ؒ (۸) ریحانہ (۹) عائشہ ؒ (۱۰) عبد العزیز۔

بر وقت ہم تین بھائی فضل الباری ، عبد الرحمٰن ، عبد العزیز اور ایک بہن ریحانہ بقید حیات ہیں ۔

جب میں مدرسہ عربیہ دار التعلیم میں پرائمری میں داخل ہوا تو مجھ پر پابندی تھی کہ مدرسہ سے واپس آکر چچا مرحوم ڈاکٹر محمد عزیز صاحب کو روزانہ سبق اور آموختہ سناؤں ، پرائمری کی تعلیم کی تکمیل کے بعد مدرسہ احیاء العلوم میں عربی کی پہلی جماعت مکمل کرنے کے بعد دوسری جماعت میں زیر تعلیم تھا کہ حضرت ابا جان رحمہ اللہ کے بلند تعلیمی وتربیتی معیار کی سختی برداشت نہ کر سکا اور جامعہ فیض عام مئو میں داخل ہو گیا ، وہاں تیسری جماعت تک ، پھر چار مہینہ ، مدرسۃ الاصلاح سرائمیر میں رہا ، مولوی ضیاء الدین اصلاحی صاحب میرے ساتھیوں میں سے تھے وہاں علم حدیث پر زور نہ تھا اس لئے دوبارہ جامعہ فیض عام مئو آکر پانچویں جماعت تک تعلیم مکمل کی ، پھر وہاں اسٹرائک کا ماحول پیدا ہو گیا تھا اس لئے میں نے جامعہ رحمانیہ بنارس میں داخلہ لے لیا ، وہاں عصر کے بعد مولانا عبد المجید حریری رحمہ اللہ سے میں اور شیخ الجامعہ السلفیہ بنارس پڑھنے جایا کرتے تھے ، اور شافیہ اور مفصل ان سے پڑھی گئی تھی ، پھر جامعہ رحمانیہ سے سند فراغت حاصل کی سال فراغت شعبان ۱۳۷۵ھ مطابق ۱۹۵۵ء ہے ، فراغت کے بعد جامعہ فیض عام میں مدرس ہو گیا ، تعلیم وتربیت کے معاملہ میں ابا جان رحمہ اللہ بے حد محتاط تھے ، جامعہ فیض عام میں تعلیم کے دوران خط لکھا کرتے تھے ، اگر چھٹی دو تین کی ہوتی تو گھر آنے سے روک دیتے اور مدرسہ ہی میں رہنے کو پسند فرماتے ، بیچ میں مرعاۃ کی کتابت شروع ہو گئی تھی میں تیسری جماعت میں پڑھتا تھا مجھ سے مرعاۃ کی عبارت پڑھایا کرتے تھے ، جب خوب روانی سے پڑھنے لگا تو گھر پر مجھے پابند کرنے لگے کہ اگر مثلا پچاس صفحہ پروف ہو تو جمعہ تک اسے پڑھ کر مکمل کردوں ، اور سنیچر کو مدرسہ میں حاضر ہو جاؤں ، نماز کے لئے ہم لوگ چھوٹے تھے جبھی سے لے جاتے تھے ، سحر خیزی کی ابا جان رحمہ اللہ

کو عادت تھی اس لئے ہم بھی رات کو اٹھ جاتے تھے ، تلاوت قرآن صبح کو ضرور کراتے تھے ، جامعہ فیض عام میں چار سال تک تدریس کا سلسلہ قائم رہا پھر ۱۹۶۰ء میں مرعاۃ میں کام کرنے کے لئے مبارکپور آگیا ، پھر جب جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ کی تاسیس عمل میں آئی اور میرا داخلہ وہاں ہو گیا تو ۶۲ء سے ۶۶ء تک وہاں تعلیم حاصل کی تعلیم مکمل ہو جانے کے بعد ۶۷ء سے ۷۱ء تک زمبابوے وسطی افریقہ میں بغرض تدریس مقیم رہا ، وہاں سے واپسی پر مرعاۃ کے کام میں حضرت ابا جان رحمہ اللہ کو تعاون دینے لگا ، اخلاق وعادات کے سلسلہ میں احتیاط رکھنے کی اس عمر میں بھی تاکید کرتے میرا کہیں جانا ہوتا تو حسب معمول یہ ضرور پوچھتے کس کس سے ملنا ہوا ، کیا گفتگو ہوئی ، کھانا ساتھ میں کھلانے کی کوشش کرتے اور مجھے بھی تاکید کرتے کہ اپنے بچوں کے ساتھ کھانا کھایا کروں ، اس سے ان کی تربیت مقصود تھی ، تعلیم اور مطالعہ اور درسیات وغیرہ کے متعلق ان کی ہدایات میرے پاس بھیجے ہوئے خطوط میں مذکور ہیں جو میرے پاس اب تک محفوظ ہیں ، تعلیم کے دوران درسیات پر زور اور خارجی مطالعہ اور اخبار وغیرہ پڑھنے سے روکتے تھے ، پڑھائی کے بعد تدریس اور علمی مشغلہ کا مشورہ دیتے رہتے تھے ۔

برادر خرد ڈاکٹر حافظ عبد العزیز صاحب بتاتے ہیں کہ تحفیظ قرآن کے دوران مغرب کے بعد گھر سے باہر نہیں جانے دیتے تھے ، پڑھائی میں مشغول رکھتے اور عشاء کے بعد زیادہ دیر پڑھنے سے منع کرتے تھے اور دن میں پڑھنے کی تاکید کرتے تھے اور سماع قرآن کا اہتمام کرتے قاری یسین صاحب رحمہ اللہ استاذ تحفیظ کے یہاں سے دس بجے آتا تو فارسی پڑھاتے تھے ، محلہ کے بچوں کے ساتھ اختلاط سے ہمیشہ محفوظ رکھنے کی کوشش کرتے اور کبھی بھی ایسا نہ ہونے دیتے ، حفظ قرآن کا سبق ونیز جامعہ عربیہ احیاء العلوم مبارکپور میں پہلی جماعت کی کتابوں کے اسباق روزانہ خود سنتے تھے جامعہ سلفیہ بنارس جانے کے بعد سے لیکر ۱۹۸۹ء یعنی مکہ مکرمہ کے قیام کے دوران تک کے تربیتی اور تعلیمی ہدایات پر مشتمل خطوط میرے پاس محفوظ ہیں ۔

س : جامعہ سلفیہ کے شیخ صاحب تاحیات صدر رہے ، اس ادارہ سے متعلق شیخ صاحب کے تاثرات وتوقعات کی تفصیل سے مطلع فرمائیں ۔

ج : جس انداز کی تعلیم انہوں نے دار الحدیث رحمانیہ دلی میں حاصل کی تھی اور جس مشقت سے حاصل کی تھی وہ مرکزی دار العلوم کی تعلیم ویسی ہی دیکھنا چاہتے تھے ، وہ چاہتے تھے کہ یہ مرکزی دار العلوم چونکہ جماعت کی مرکزی درس گاہ ہے اس لئے اس کا معیار نہایت اچھا ہونا چاہئے لیکن بعد میں طلباء اور اساتذہ سے متعلق بہت سے خطوط والد صاحب رحمہ اللہ کو ملتے رہے ، طلباء میں اخلاق حسنہ کے فقدان اور غیر عالمانہ ہیئت وصورت کے متعلق بہت سے خطوط بھی ملتے رہے ، جامعہ سلفیہ کے امتحانات کے علاوہ دوسرے تعلیمی بورڈوں کے امتحانات سے ہمیشہ روکتے رہے لیکن ان امور سے متعلق خاطر خواہ ترقی وکامرانی نہ دیکھ کر وہاں کے احوال سے شکستہ خاطر ہو گئے ، پھر بھی دار العلوم ان کی امیدوں کا مرکز تھا اس کی مالی تقویت اور دوسرے امور کے لئے ہر کام ترک کر کے تیار رہتے تھے اور چندہ کرواتے تھے اور مفید مشوروں سے نوازتے تھے ، ناظم صاحب رحمہ اللہ کبھی کبھار خط لکھتے یا میں آتا جاتا تو مجھ سے اپنے مشورے سے باخبر کرتے تھے ، دار العلوم کے مالی تعاون کے حصول کے لئے انہوں نے مدراس اور بمبئی وغیرہ کا سفر بھی کیا تھا ، دار العلوم کے لئے ہماری بھی پوری طرح کوشش ہے خواہ مالی تعاون کا مسئلہ ہو یا کوئی اور کہ وہ اپنی مرکزیت برقرار رکھے اور اس کی تعلیم وتربیت کا معیار بلند تر رہے ، حضرت ابا محترم دار العلوم کی عمومی کارگزاری سے یک گونہ مطمئن تھے اور بڑی امیدیں وابستہ رکھتے تھے اور تعلیم وتربیت پر توجہ کی تاکید کرتے تھے ، جامعہ سلفیہ کی راہ میں مختلف اوقات میں مختلف دشواریوں اور الجھنوں سے بہت مضطرب اور پریشان ہوتے تھے ، اور اس سلسلہ میں ناظم صاحب مرحوم سے خط وکتابت کے ذریعہ تاثرات کا تبادلہ ومشورہ کیا کرتے تھے اور ناظم صاحب کبھی خود ہی آجاتے اور گفتگو فرماتے ۔

س : مرعاۃ المفاتیح کی تالیف کے متعلق شیخ صاحب کے معمولات کیا تھے ؟

ج : مشکوۃ کی دوسری شرحیں کسی نہ کسی تقلیدی مذہب سے وابستہ ہیں پہلے تحشیہ ہی کا ارادہ تھا اور پہلی جلد مفصل حواشی کی صورت میں تھی ، اس کے بعد اسے شرح کی شکل دی ، آپ کا مقصد یہ تھا کہ اسے سلفی نقطہ نظر کے مطابق ہونا چاہئے ، حدیث سے دلائل کی روشنی میں جو بات ثابت ہوتی تھی اسے راجح قرار دیتے تھے ۔

مرعاۃ کی شرح کی تکمیل کے لئے حضرت علامہ عطاء اللہ صاحب حنیف بھوجیانی رحمہ اللہ تعالی

نیز حضرت علامہ محمد اسماعیل رحمہ اللہ صاحب گوجرانوالہ کی مساعی بہت اہم ہیں، علامہ بھوجیانی رحمہ اللہ اور حافظ ذکریا صاحب " نے ڈیڑھ سو روپئے ماہانہ اس کے لئے متعین فرمایا تھا والد صاحب رحمہ اللہ نے لکھا کہ سوا سو روپئے میں کام چل جائے گا اور اسی میں سے مسودہ کی (تبییض) صاف کرنے کا خرچ بھی دیتے تھے بعد میں علالت کی وجہ سے مرعاۃ کا کام دس برس تک معطل رہا۔ مرعاۃ طبع ہو کر جب گھر آئی تو اس کی پہلی کاپی جامعہ اشرفیہ مبارکپور کے ایک ذمہ دار لے گئے اور اس کی طلب آج بھی باقی ہے۔

والد صاحب رحمہ اللہ صلوۃ فجر کے بعد تلاوت قرآن کر کے تالیف کے لئے بیٹھتے تھے آٹھ بجے اٹھ کر ناشتہ کرتے تھے پھر ظہر کے وقت تک مصروف رہتے تھے، ظہر کی نماز ادا کر کے کھانا تناول فرماتے ، اگر کوئی بحث اہم ہوتی تو قیلولہ بھی نہیں کرتے تھے اور عصر تک مصروف رہتے، پھر عصر کے بعد اور کبھی کبھی دس بجے رات تک یہ سلسلہ چلتا تھا، عموما ظہر کے بعد تھوڑی دیر قیلولہ کرتے اور پھر کام شروع کر دیتے ، عموما عصر کے بعد بھی کام کرتے تھے ، کبھی کبھی عصر کے بعد قبرستان تشریف لے جاتے اور کبھی صبح کو بھی جایا کرتے تھے درازی عمر میں اس قدر محنت نے ان کی صحت کو بہت متاثر کر دیا تھا اور بعد میں کہا کرتے تھے کہ میں نے تم لوگوں کے کہنے کے مطابق اپنی صحت کی طرف توجہ نہیں دی اور احتیاط سے کام نہیں لیا جس کا مجھے اب احساس ہو رہا ہے۔ شروع سے نحیف ونزار تھے اس پر تصنیف وتالیف کی دماغی محنت کے ساتھ کتاب کی طباعت کے سارے مراحل اور پھر ان کی ترسیل کا سارا بار انہیں کے سر تھا، میں زیر تعلیم تھا برادرم حافظ عبد العزیز سلمہ، میرے تین بھانجے، ایک بھانجی، ایک بھتیجا اور ایک سالے کی تعلیم وتربیت، ان کے اسباق وضروریات کی تکمیل، گھر میں نہ کوئی خادم اور نہ مساعد ومدد گار، سارا کام خود انجام دیا کرتے تھے۔

فتاوی واستفتاء کے جوابات، مہمانوں کی خاطر ومدارات مزید بر آں، مرعاۃ کی کتابت شدہ کاپی کا اصل سے مقابلہ اور اس کی تصحیح کے لئے جمعرات کو مجھے بلاتے تھے اور ڈیڑھ دنوں کے اندر شب وروز ایک کر کے کتابت شدہ کاپی کا اصل سے مقابلہ اور اغلاط وترکات کی نشاندہی کی جاتی اور شنبہ کو مدرسہ شروع ہونے سے قبل مجھے مدرسہ فیض عام بھیج دیتے کہ تعلیم کا نقصان نہ ہو۔

س : مرعاۃ المفاتیح کی طباعت کے سلسلے میں شیخ صاحب رحمہ اللہ کا اہتمام کیا تھا ؟

ج : پہلے تو ٹائپ پر جیسے کتابیں چھپتی ہیں اس کا رواج نہیں تھا، دار العلوم اس وقت قائم بھی نہیں ہوا تھا ، جب مرعاۃ کی دوسری جلد کی طباعت کا مرحلہ تھا تو کاتب کی تلاش میں ابا جان رحمہ اللہ دلی تشریف لے گئے اور وہاں اس وقت مولوی محمد یوسف بہاری کی تحریر کا نمونہ لیا دلی میں وہی ایک اچھے کاتب تھے چنانچہ ایک صفحہ لکھوا کر کے اس کو چھپوایا ، بہر حال تھوڑا اطمینان ہوا اور انہیں سے کتابت شروع کروائی ، جتنا وہ کتابت کرتے تھے اسی کے مطابق ان کو مسودہ دیا جاتا تھا، پہلے مولانا عبد السلام بستوی رحمہ اللہ کے پاس مسودہ وغیرہ رکھتے تھے پھر کسی وجہ سے ابا جان مولانا عبد الحکیم مجاز اعظمی صاحب کے پاس رکھ دیا کرتے تھے جہاں تک مجھے یاد آتا ہے وہ یہ ہے کہ دلی سے کتابت شدہ کاپیاں اور مسودہ آتا تھا اور مبارکپور میں باقاعدہ اس کی پروف ریڈنگ ہوتی تھی اور تصحیح وغیرہ میں یہ اہتمام تھا کہ بہت تیزی سے نہ پڑھا جائے بلکہ کہیں کہیں تو ایک ایک لفظ کا ایک ایک حرف پڑھواتے تھے تاکہ اشتباہ نہ رہے اس کے باوجود اغلاط رہ جاتی تھیں ان کا کہنا تھا کہ مولف ومصنف کو اپنا مسودہ خود نہیں پڑھنا چاہئے اس لئے کہ اس کے ذہن میں بات رہتی ہے ، قاری پڑھتا چلا جاتا ہے وہ بھی اسی رو میں بے خیال ہو جاتا ہے اس لئے اغلاط رہ جاتی ہیں لہذا تصحیح کے سلسلہ میں ابا جان پہلے بہت زیادہ اہتمام کرتے تھے اور ذکر کرتے تھے کہ حضرت علامہ " مبارکپوری تحفتہ الاحوذی کی کتابت کے لئے گوجرانوالہ تشریف لے گئے ، حضرت علامہ محمد اسماعیل سلفی کے والد مولانا ابراہیم " صاحب نے جو کہ ایک اچھے خطاط تھے تحفتہ الاحوذی کی پہلی اور دوسری جلد کی کتابت کی ، اور بعد کی جلدوں کی کتابت غالبا عبد السلام مراد آبادی نے کی (تو علامہ مبارکپوری " تصحیح کا بڑا اہتمام کرتے تھے) ایک جملہ کو فرماتے ہوئے میں نے بھی سنا کہ تالیف سے زیادہ محنت طباعت میں کرنی پڑی۔

مرعاۃ کی طباعت کے لئے لکھنؤ کے نامی پریس سے معاملہ طے کیا تھا اور اس کی طباعت کے دوران لکھنؤ میں قیام کیا اور ایک کمرہ کرایہ پر لے کر وہیں اپنے سامنے اس کی بینڈنگ کروائی کیونکہ اکثر وبیشتر بائنڈر وغیرہ ردی میں بیچ دیتے ہیں ۔

پھر جب کتابوں کی ترسیل کا مسئلہ درپیش ہوتا تو خود ایک ایک فرق گنتے اور صفحات ملاتے جب اطمینان ہو جاتا تب جا کر کتابوں کو بھیجتے اس لئے کہ ایک مرتبہ فرق ملائے بغیر انہوں نے کتاب بھیج دی

، جامعہ رحمانیہ بنارس میں کتاب کی جلد سازی ہو گئی وہ کتاب مولانا نذیر احمد صاحب رحمانی رحمہ اللہ کے مطالعہ میں تھی جب انہوں نے دیکھا کہ کچھ فرق اس میں نہیں ہے یا الٹ پلٹ گیا ہے تو نتیجتہ کتاب کی جلد توڑنی پڑی ، اس لئے کتاب بھیجنے سے پہلے وہ ایک ایک فرق گنتے اور صفحہ ملاتے تب کتاب بھیجتے ، خود پارسل بناتے پھر حوالہ ڈاک کرتے جب میں گھر پر آگیا تو یہ تمام ترذمہ داری اپنے سر لے لی ، تو خود ہی وہ مولف ومصحح وپروف ریڈر تھے خود ہی چھپواتے اور خود ہی اس کی ترسیل کرتے تھے ۔

س : جماعتی وملی مسائل کے سلسلے میں پہلی بات آپ سے یہ دریافت کرنی ہے کہ مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کے تعلق سے مختلف نشیب وفراز سامنے آئے ، شیخ صاحب نے جمعیت کے آزادی سے قبل اور بعد کے دونوں ادوار کو دیکھا ہے تو جمعیت کے تئیں ان کے تاثرات کیا تھے ؟ اور جمعیت کو کس انداز پر دیکھنے کے متمنی تھے ؟

ج : آزادی کے بعد سے جمعیت کے جو کچھ حالات رہے ہیں وہ ان کے سامنے ہی ہیں اس سلسلہ میں لوگوں سے ان کی کیا خط وکتابت تھی اور کیا ہوا اس کو تو میں نہیں جانتا لیکن وہ مطمئن نہیں تھے وہ چاہتے تھے کہ مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند حقیقی معنوں میں ایک تحریکی اور فعال ادارہ بنے اور وہ کہا کرتے تھے کہ جب تک اس کا ناظم یا جو امیر ہے وہ مستقل طور پر جمعیت کے دفتر میں بیٹھ کر کاموں کی نگرانی نہ کرے تب تک جمعیت ترقی نہیں کر سکتی ہے آدمی اس کے لئے بالکل اپنے کو فارغ کر دے بہت اخلاص کے ساتھ ، آدمی اپنے کام میں مشغول ہو اور اس کا کام ضمنی طور پر کرے تو کسی جماعت کی تنظیم اس طرح نہیں ہو سکتی ہے ، وہاں جو شکست وریخت ہوا کرتی تھی ایک دوسرے کے خلاف اس سے وہ بہت زیادہ آزردہ رہا کرتے تھے اسی واسطے وہ اس سے مطمئن نہیں تھے ۔

س : تنظیموں اور اداروں سے شیخ صاحب کے تعلقات کی نوعیت کیا تھی ؟

ج : جماعت اہل حدیث کے بہت سارے ادارے تھے وہ تو چاہتے تھے کہ جماعت کے ادارے ترقی کریں لیکن ہر ہر گاؤں میں یہ جو جامعات کھل رہے ہیں اور تعلیمی معیار گرتا جارہا ہے ان سب سے وہ متفق نہیں تھے البتہ بہت سارے اداروں نے ان کو ان کے علم کے بغیر صدر بنا رکھا تھا اور ان کا نام استعمال کرتے تھے

ان کو خبر بھی نہیں ہوتی تھی اور نہ تو مشورہ لیا جاتا تھا البتہ جامعہ سراج العلوم بونڈیہار میں چونکہ انہوں نے تعلیم حاصل کی تھی اس سے ان کا گہرا تعلق تھا اور مولانا اقبال رحمانی مرحوم جب تک زندہ تھے ان سے رابط رکھتے تھے اس کے ساتھ ان کا گہرا لگاؤ تھا۔

س : جماعتی تنظیموں کے علاوہ اور دوسری تنظیموں سے تعلق کی نوعیت کیا تھی ؟

ج : دینی تعلیمی کونسل سے ان کا تعلق تھا کئی بار اس کے نائب صدر منتخب کئے گئے حکومت کی پالیسی کا مسلمان بچوں کی دینی تعلیم کے سلسلے میں دینی تعلیمی کونسل جس طریقے سے ایکشن لیتی تھی اس سے تو وہ متفق تھے لیکن بعد میں انہوں نے اپنی مصروفیت اور بیماری کی وجہ سے انکار کر دیا تھا کہ میرا نام اس سے نکال دیا جائے میں اس کے اجلاس میں شرکت نہیں کر سکتا ، حضرت مولانا نذیر احمد رحمہ اللہ کو کہا تو مولانا ایک پیریڈ تک رہے ، اس کے بعد پھر اور کوئی تھا کہ نہیں تھا ، ادھر پھر میں نائب صدر رہا مجھ کو ان لوگوں نے رکن بنا رکھا ہے چونکہ دینی تعلیمی کونسل کی پالیسی ہے کہ ہر مکتب فکر والے اپنے مذہب فکر کی کتابیں پڑھائیں ، اس میں اہل حدیث ، دیوبندی ، بریلوی ، شیعہ اور سنی کی کوئی تفریق نہیں ہے ، ان کا مقصد یہ ہے کہ تمام مسلم بچے مدرسہ میں جائیں اور اپنی دینی تعلیم حاصل کریں۔

مسلم پرسنل لاء بورڈ کے بھی نائب صدر رہے اس کے بعد پھر علاحدہ ہو گئے اس کے صرف ایک ہی اجلاس میں شرکت کی تھی ، لیکن ان کی آخری زندگی تک ان لوگوں نے غالبا ان کو ممبر نامزد کر رکھا تھا اس لئے کہ برابر خطوط آتے رہتے تھے کہ آپ کے ذمہ ممبری فیس باقی ہے جبکہ انہوں نے اس سے بہت پہلے استعفی دے دیا تھا ، جمعیتہ العلماء سے کوئی تعلق نہیں تھا۔

س : شیخ صاحب کے خاندان اور عہد سے متعلق کچھ بتائیے ؟

ج : میرے پردادا مرحوم غالبا تجارت کرتے تھے ان کا نام خان محمد تھا جیسے جان محمد ، دین محمد نام ہوتا ہے یہاں کا جو مال تیار ہوتا تھا غالبا وہ یہی کام کرتے تھے میرے دادا حضرت مولانا عبد السلام صاحب رحمہ اللہ تھے یہ لوگ پانچ بھائی تھے جن میں سے دادا مرحوم اور ان کے بھائی مولوی احمد علی صاحب رحمہ اللہ عالم دین تھے بقیہ حضرات کی تعلیم بہت زیادہ نہیں تھی دادا جان کے بڑے بھائی کا میرے ہوش میں

انتقال ہوا ہے ، بہر حال دیندار گھرانا تھا اور بہت متدین لوگ تھے عمل بالکتاب والسنہ کا چرچا پر دادا مرحوم خان محمد صاحب کے زمانہ ہی سے تھا وہ لوگ اہل حدیث تھے جیسا کہ دادا جان نے سیرۃ البخاری میں لکھا ہے۔

دادا مرحوم کا حادثہ دلی میں گھنٹہ گھر کے سامنے ہوا تھا اس وقت والد صاحب رحمہ اللہ چھٹی جماعت میں زیر تعلیم تھے کہتے ہیں کہ میں اس حادثہ سے بالکل بے حال ہو گیا تھا ، دلی میں کچھ لوگ خیر آباد کے تھے ان کو علم ہوا وہ لوگ انہیں اسپتال لے گئے ۔

س : شیخ صاحب کی ولادت ، نشو ونما اور تعلیم وتربیت سے متعلق تفصیلات سے مطلع فرمائیں ؟

ج : آپ کی ولادت تو ۱۳۲۷ ھ میں ہوئی تھی یہ تمام معلومات آپ کو مقدمہ مرعاۃ سے حاصل ہو سکتی ہیں مرعاۃ کے شروع میں ابا جان کے جو حالات درج ہیں میں نے ان سے پوچھ کر لکھا ہے ، اپنے والد محترم کے ہمراہ ہمیشہ رہے ، جہاں جہاں گئے انہیں کے ساتھ ان کی تعلیم وتربیت ہوئی مئو میں مدرسہ عالیہ میں تھے وہیں حفظ قرآن شروع کیا تھا حفظ مکمل نہیں تھا ، دادا مرحوم مدرسہ صادق پور پٹنہ میں پندرہ سال رہے تو اس وقت غالبا ابا جان ان کے ساتھ نہیں تھے ، مدرسہ عالیہ میں تین سال تھے پھر مدرسہ سراج العلوم بونڈیہار میں چار سال رہے ، پھر دار الحدیث رحمانیہ دادا جان کے ہمراہ دلی میں تشریف لے گئے اور وہیں تعلیم مکمل کی اس کے بعد وہیں مدرس ہو گئے ، پھر حضرت عبد الرحمٰن علامہ مبارکپوری رحمہ اللہ کی تحفتہ الاحوذی کی آخری دو جلدوں میں تعاون کرنے کے لئے تشریف لائے ، ابا جان کے ساتھ میرے ماموں حضرت مولانا عبد الصمد صاحب حسین آبادی رحمہ اللہ تعالی اور مولانا محمد صاحب پنجابی رحمہ اللہ تھے ، یہ لوگ لکھتے تھے اور مولانا مبارکپوری کو سناتے تھے اور جہاں کہیں علمی اضافہ کرنا ہوتا تھا مولانا کرواتے تھے ایک واقعہ ابا جان بیان کرتے تھے کہ بونڈیہار میں کہیں جلسہ تھا کچھ لوگوں کے ساتھ والد صاحب بھی چلے گئے دادا جان سے کچھ لڑکوں نے تو معذرت کر دی ابا جان بیٹھے رہے اور خوف وتذبذب کی وجہ سے معذرت نہیں کی اس پر دادا جان کو بہت سخت غصہ آیا اور ان کو سخت سزا دی ۔

اور ایک واقعہ بیان کرتے تھے کہ مئو ناتھ بھنجن میں بہت بڑی کانفرنس ہو رہی تھی اور دار الحدیث رحمانیہ میں میرا آخری سال تھا ، حضرت مولانا عبد اللہ روپڑی رحمہ اللہ تشریف لائے تھے

وہی ممتحن تھے ، وہی پرچے جانچتے تھے انہیں کے خاندان کے بعض افراد وغیرہ نگراں ہوتے تھے اور امتحان لیتے تھے اور وہیں نمبر دیئے جاتے تھے ، تو امتحان ہوا ، طلبہ میں آپس میں منافست چلتی رہی ، ابا جان کا نمبر زیادہ آیا تو لڑکوں نے شکایت کردی کہ نقل کیا ہے یہ کیا ہے وہ کیا ہے تو پھر سے امتحان ہوا دو بجے رات تک ، تو جب دوبارہ امتحان ہوا تو پہلے سے زیادہ نمبر آیا ، اس کے بعد ابا جان مئو تشریف لے آئے ، غالبا ۱۹۲۷ء کا واقعہ ہے آل انڈیا اہل حدیث کانفرنس کی سب سے بڑی کانفرنس تھی مولانا امرتسری" وغیرہ تشریف لے آئے تھے ، وہ صرف آخری اجلاس میں شریک ہو سکے تھے محض دوبارہ امتحان دینے کی وجہ سے ، ویسے ان کی بہت خواہش اور بہت کوشش تھی کہ کانفرنس کے تمام اجلاس میں شرکت کریں اسی لئے دلی سے وہ سیدھے مئو پہونچے تھے۔

بونڈیہار میں گھوڑا پالتے تھے مولانا حکیم حسان صاحب سنجر پور ، اعظم گڈھ کے بھی وہیں تھے دونوں میں بہت دوستی تھی گھوڑا کھلا ہوا تھا یہ لوگ دوڑاتے تھے ، کہنے لگے کہ ایک مرتبہ ایک گھوڑے پر یہ چڑھے اور ایک گھوڑے پر حکیم صاحب ، اب اس کو بھگایا اتفاق سے ارہر کا کھیت تھا اس کی کھونٹی وغیرہ تھی وہ گھوڑا ٹکرایا یہ بھی گر گئے اور بہت زخم وغیرہ آیا۔

میں تالاب میں نہانے جاتا تھا وہ اس پر بہت سختی کرتے تھے روز میری پٹائی ہوتی تھی لیکن روز میں نہانے جاتا تھا اس کی وجہ یہ تھی کہ ہر سال کوئی نہ کوئی بچہ ڈوب کر مر جاتا تھا اس کی وجہ سے روکتے تھے اور میری عادت تھی کہ مدرسہ سے آیا بستہ رکھا اور فورا بھاگ جاتا تھا اور آتا تھا ظہر کے وقت مدرسہ کے وقت اور کھاکر کے مدرسہ چلا جاتا تھا ، کبھی کبھی ایسا ہوتا تھا کہ مٹی وغیرہ پوت لیتا تھا کہ پتہ نہ چلے کہ نہایا ہے لیکن اس سے اور چغلی ہو جاتی تھی ، میرے خیال میں وجہ اس کی یہ ہے کہ وہ خود جاتے تھے تالاب میں نہانے کے لئے ایک مرتبہ بیان کر رہے تھے کہ وہ ڈوب رہے تھے نیچے آتے تھے اوپر آتے تھے تو کسی نے انکا سر دیکھ لیا تو جاکر کے ان کو نکالا ، ہمارے اور بچوں کو تالاب میں نہانے سے منع فرماتے تھے میں نے عرض کیا کہ نہانے کے لئے جانے دیجئے کیونکہ زمین پر تو تیرنا نہیں آئے گا ، تالاب میں نہائیں گے تبھی اس کا ڈھنگ آئے گا یہ ایک فن ہے اور کسرت بھی ہو جاتی ہے ، مگر وہ اس پر راضی نہیں ہوئے۔

حضرت مولانا مبارکپوری کے سلسلے میں بیان کرتے تھے کہ وہ وقت کے بہت سخت پابند تھے اور

صبح ابا جان تشریف لے جاتے تھے تو دوپہر میں کھانے کے لئے آتے پھر فوراً چلے جاتے مغرب کے وقت تک، بڑی سخت محنت ہوتی تھی اور کوئی آتا، وقت ضائع کرنے کی اجازت نہیں دیتے تھے، بیان کرتے تھے کہ حکیم عبدالسمیع جو ان کے بھتیجے تھے ان کے لڑکے فضل الرحمٰن مرحوم جو چھوٹے تھے تو یہ ان کو لے کر گئے تو فوراً بولے کہ لے جاؤ، کیونکہ ان کو مولانا کے پاس لے جاتے تو مولانا پیار کرنے لگتے۔

اسی طرح اپنے اساتذہ کا نام ہمیشہ بہت ہی احترام کے ساتھ لیتے تھے، ہمیشہ حضرت مولانا کے نام ہی سے یاد کرتے تھے۔

س : شیخ صاحب کی مراسلت کن علماء سے رہا کرتی تھی ؟

ج : مولانا عبدالجبار صاحب کھنڈیلوی، اکثر ان کے علمی خطوط آیا کرتے تھے، علمی سوالات ہوا کرتے تھے، اسی طرح مولانا عطاء اللہ حنیف صاحب سے، مولانا عبدالغفار حسن صاحب سے، خطوط ابا جان کے پاس کسی بھی شخص کے آئیں وہ اس کا جواب ضرور لکھواتے تھے چاہے علمی سوال ہو یا ذاتی ہو، خطوط کا بہت بڑا ذخیرہ تھا ایک حادثہ کی وجہ سے ابا جان نے سب کو جلوا دیا، اگر ہوتا تو اس سے ہندوستان کی علمی تاریخ مرتب ہو سکتی تھی، کچھ خطوط ہوں گے۔

س : علماء، مشائخ اور مصنفین سے متعلق شیخ صاحب کے تاثرات کیا تھے ؟

ج : یہ تو بہت وسیع سوال ہے اس کا جواب کیسے متعین طور پر دیا جا سکتا ہے جو اہل علم اور محققین تھے ان کا تو وہ احترام کے ساتھ نام لیتے تھے، علمی یا محققانہ حیثیت کا کوئی بھی ہو اس کا ان کو اعتراف تھا باقی علم کے مسائل میں جو اختلاف ہوتا تھا جو اہل علم کے درمیان ہوتا ہے تو اس میں ان کی رائے بہت موازن ہوتی تھی اس میں کسی طرح کی جارحانہ تنقید نہیں ہوتی تھی۔

شیخ البانی کے یہاں بھی بعض مسائل کے سلسلے میں بعض خطوط انہوں نے لکھے تو شیخ البانی کسی کا جواب نہیں دیتے تھے، جنازے سے متعلق کوئی مسئلہ تھا تو بجائے اس کے وہ جواب دیتے اپنی کتاب احکام الجنائز وبدعھا بھیج دی، پھر مصنف مشکوۃ کے حالات کے سلسلے میں ان کو ایک خط لکھا تو انہوں نے یہی کہا کہ ان کو نہیں معلوم۔

س : دوران تعلیم اور دوران تدریس دونوں میں دار الحدیث رحمانیہ سے متعلق شیخ صاحب کے تاثرات کیا تھے ؟

ج : وہاں مولانا نے تحصیل علم کیا تھا وہاں استاذ بھی تھے اس وقت ایک اچھا نمونہ دار الحدیث رحمانیہ کا تھا ، اسی کے مطابق وہ مرکزی دار العلوم بلکہ اس سے بھی اچھے معیار پر وہ دیکھنا چاہتے تھے کیونکہ وہ شخصی مدرسہ تھا اور کلی انتظام ایک شخص کے تحت تھا اس لئے وہ جس نہج پر چاہتے تھے اسی نہج پر چلاتے تھے اور سختی برتتے تھے ، اساتذہ اور طلباء دونوں کے ساتھ کسی طرح کی رو رعایت نہیں ہوتی تھی کیونکہ جس کام کے لئے وہ آئے ہیں اس میں مصروف رہیں اور اسی کو انجام دیں ، وہ بہت زیادہ دار الحدیث رحمانیہ کا ذکر کرتے تھے اور اس سے بہت زیادہ متاثر رہتے تھے ، اس کا تذکرہ عموما جب کوئی چھیڑتا تھا تو ایک ایک چیز بیان کرتے تھے ، کانفرنس وغیرہ سے متعلق کوئی بات چھیڑ دے تو وہ کانفرنس کی پوری تاریخ بلکہ ہندوستان کی پوری تحریکی تاریخ بیان کر دیتے تھے ، لیکن افسوس ہے کہ میں اس وقت ان کے پاس رہتا نہیں تھا ، مہمانوں کی وجہ سے ، میں ان کی خاطر تواضع میں بھاگ دوڑ میں لگ جاتا تھا ، پوری بات نہیں سن پاتا تھا اگر کچھ سنتا بھی تھا تو اس وقت اس کو نوٹ نہیں کر سکا یہ بہت افسوس کی بات ہے ۔

س : مدارس عربیہ اسلامیہ ہند کی اہمیت وافادیت اور نصاب تعلیم وغیرہ سے متعلق شیخ صاحب کے تاثرات کیا تھے ؟

ج : تعلیم سے بلکہ اس سے زیادہ تربیتی معیار سے متعلق وہ زیادہ فکر مند تھے ، درس نظامیہ ہی کو وہ کار گر نہیں سمجھتے تھے بلکہ ضرورت کے مطابق اس میں ترمیم کو وہ ٹھیک کہتے تھے لیکن اب وہ کتابیں جو پرانے انداز کی لکھی گئی ہیں ان کی جو افادیت ہے اور اس وقت جو لکھی جارہی ہیں دونوں میں بڑا فرق ہے اور طلبہ کے اندر تدقیق وباریک بینی نہیں پیدا ہوتی اس لئے کہ یہ دور سہل پسندی کا ہے تو اب طلبہ باوجود اس کے کہ عربی زبان پڑھتے ہیں لیکن ساری کتابوں کے تراجم رکھتے ہیں ، اس سے وہ سخت بیزار تھے ، حتی کہ اساتذہ بھی ترجمے رکھتے ہیں ، کوئی لڑکا عربی لغت دیکھتا ہی نہیں ہے نہ جانتا ہے ، اول تو طلبہ کے اندر کتاب خریدنے کا ذوق ہی نہیں ہے وہ ابتدائی جماعت کی کتابوں میں سے کوئی کتاب نہیں خریدتے ، چہ

جائیکہ لغت کی کوئی کتاب خریدیں۔

س : جمعہ کا خطبہ شیخ صاحب کہاں دیا کرتے تھے ؟ اور خطبہ کیسا ہوا کرتا تھا ؟ مدت خطابت کیا تھی ؟

ج : حضرت مولانا عبد الرحمٰن صاحب مبارکپوری صاحب کی مسجد میں ، خطبہ عموما معاشرہ کی اصلاح سے متعلق ہوتا تھا ، ۷۴ء میں جب وہ تشریف لے آئے تو دو سال تک یا اس سے زیادہ فجر کے بعد مولانا کی مسجد میں درس قرآن دیا کرتے تھے ، مسجد بھری رہتی تھی اس کے بعد جمعہ کا خطبہ بھی مسلسل دیتے رہے ، پھر خطبہ ان کا بند کر دیا گیا ، کچھ دنوں کے بعد پھر انہوں نے شروع کیا ، پھر بند کر دیا گیا ، اس کے بعد پھر انہوں نے خطبہ نہیں دیا ۔ ویسے تبلیغی نقطۂ نظر سے اعظم گڈھ کے علاقے میں خاص طور سے مبارکپور سے مغربی حصے کی طرف جو اہل حدیث بستیاں تھیں خود تشریف لے جاتے تھے موقع موقع سے جمعہ کو پیدل جاتے تھے ، جیسے اعظم گڈھ سے آگے ایک گاؤں پڑتا ہے بھاؤ پور میں بھی ان کے ساتھ جاتا تھا ، سیدھے نکلتے تھے چار پانچ میل کا راستہ پیدل ہی طے کرتے تھے ، سواری سے ہو کر اعظم گڈھ سے بہت زیادہ وقت لگتا تھا اتنی دیر میں ہم پیدل پہونچ جاتے تھے ۔

س : دینی جلسوں میں شیخ صاحب کی شرکت اور تقریر وغیرہ ہوتی تھی ؟

ج : ہاں تقریر کرتے تھے شروع شروع میں جاتے رہے پھر بند کر دیا ، اس سے وقتی طور پر تھوڑی بیداری آجاتی تھی ویسے وہ کہا کرتے تھے کہ تبلیغ ودعوت کا کام مسلسل ہونا چاہئے ایسا نہیں کہ سال میں ایک مرتبہ جلسہ کر لیا اور اس کے بعد پھر خاموش بیٹھ گئے مدرسہ والے تو جلسہ کرتے ہیں اپنی کارکردگی یا اپنے متخرجین کی نمائش کے لئے ، ان کا کہنا یہی تھا کہ تبلیغ ودعوت کا کام مسلسل ہونا چاہئے چنانچہ اعظم گڈھ میں تبلیغ ودعوت کے سلسلے میں مئو کے لوگوں کو اہل مدارس کو کئی مرتبہ بلا کر کہا کہ یہاں علماء کی بڑی تعداد ہے ، مدارس ہیں ، آپ لوگ اساتذہ کو باری باری بھیجئے ، گاؤں میں دیہات میں جہاں کہ لوگ دوسرے لوگوں میں مندمج ہوتے جارہے ہیں یہ بات بارہا بلا کر کہی ۔

س : مناظرانہ اجتماعات میں بھی شرکت فرماتے تھے ؟

ج : نہیں ! میرے ہوش میں تو کوئی مناظرہ ہوا نہیں ہے سوائے اس کے کہ بنارس میں جو ہوا تھا ۔

س : فتویٰ نویسی میں شیخ صاحب کے التزامات اور مفتی کے لئے شروط ان کے نزدیک کیا تھے ؟

ج : وہ مجھ سے کہا کرتے تھے کہ سائل سوال کرتا ہے تو اس کی عبارت کبھی کبھی ایک ایک دو دو صفحہ کی ہوتی ہے اور اس میں اس کو صرف ایک بات پوچھنی ہوتی ہے ، تم اس کے سوال کو غور سے پڑھو اور دیکھو وہ کیا پوچھنا چاہتا ہے اس کے بعد کتاب وسنت کی روشنی میں پوری تحقیق کے ساتھ مراجع کا مطالعہ کرنے کے بعد اس کا جواب لکھو اور ایسے الفاظ میں لکھو کہ جو کچھ تم کہنا چاہتے ہو مخاطب یا مستفتی وہی سمجھے ایسے جملے یا ایسے الفاظ استعمال نہ کرو جو ذو معنیین ہوں کہ تم کہنا کچھ چاہتے ہو اور سمجھنے والا کچھ سمجھے ، اور جس نقطہ کو اس نے پوچھا ہے اسی کا جواب دو ، کیونکہ اس کے سوال میں بہت لمبی چوڑی عبارتیں ہوتی ہیں تو وہ کیا پوچھنا چاہتا ہے اس کو سمجھو جواب بھی جامع ہونا چاہئے جو کچھ تم اس کو سمجھانا چاہتے ہو تمہاری عبارت بھی ایسی ہو کہ وہی بات وہ سمجھے ، ایسا نہ ہو کہ اس کے برعکس سمجھے ، اور جو بات وہ پوچھ رہا ہے اس کا جواب دینا ضروری ہے اسی لئے میں نے دیکھا کہ وہ کبھی کبھی جب میں سوال کا جواب لکھ کر لے گیا تو اس میں انہوں نے ایک لفظ کی تبدیلی کر دی تو اس کا مطلب بالکل واضح ہو گیا اسی طرح مولانا مختار صاحب کی بعض بعض چھوٹی کتابوں کی انہوں نے تصحیح کی ہے تو اس میں ایک ایک لفظ انہوں نے بدل دیا ہے جس سے اس کی پوری معنویت بدل گئی ۔

س : .ماعاتی تعلقات کے سلسلے میں حضرت الشیخ کا نقطہ نظر کیا تھا ؟

ج : عام ایسے مسائل جن کا تعلق فقہی یا اختلافی مسئلہ سے نہ ہو جیسے دینی تعلیم کا مسئلہ یا مسلمانوں کے پرسنل لاء کا مسئلہ اس میں تعامل کے قائل تھے ، باقی سیاسی جماعتوں سے ان کا کوئی تعلق نہیں تھا ۔

س : دار الحدیث رحمانیہ میں قیام کے دوران شیخ صاحب کی تدریسی ، تصنیفی اور صحافتی مصروفیات کیا تھیں ؟

ج : وہ ایک عرصہ تک محدث کے مدیر مسئول رہے اور فتاوے برابر ہی لکھا کرتے تھے ، مضامین بھی کبھی کبھی رہتے تھے ، رسالے کی شکل میں ہوں یا اور .... ۔

اس کے دو دور تھے ، ایک دور ما قبل جنگ تھا پھر جب دوسری جنگ عظیم چھڑی تو بند ہو گیا تھا

پھر اس کا دوبارہ اجراء ہوا تو پہلے دور میں نگراں مسئول تھے، پہلے مدیر تھے مولانا عبد الحلیم صاحب ناظم، ان کے انتقال کے بعد ابا جان اور مولانا نذیر رحمانی" تھے۔

اس زمانے میں تصنیف کے سلسلے میں کوئی بات نہیں معلوم، سوائے فتوی نویسی کے۔

صحافتی مصروفیات میں فتوی نویسی کے علاوہ مضامین بھی لکھا کرتے تھے شیخ صاحب کے اہم مضامین میں سے ایک تو رمضان کے متعلق ہے جو کتابی شکل میں ہے، ابا جان کا ایک فتوی کتابی شکل میں مئو سے شائع ہوا تھا مذاکرہ علمیہ کے نام سے، جہیز سے متعلق ایک رسالہ تھا جو آپ کے یہاں سے جمعیتہ الشبان والوں نے شائع کیا تھا، وراثت سے متعلق بھی ان کا ایک مضمون تھا جس کو عربی میں "البعث الاسلامي" والوں نے شائع کیا تھا یہ اردو ہی میں شائع ہوا تھا۔ اذان سے متعلق اور دعاء سے متعلق بھی مضمون تھا جس کو لوگوں نے شائع کیا تھا۔

س: مصباح اور دیگر رسائل وجرائد میں بھی شیخ صاحب کے مضامین نکلتے تھے؟

ج: محدث کے بعد مصباح میں ان کے فتاوی شائع ہوتے تھے اس کے علاوہ دوسرے جرائد میں مجھے نہیں معلوم البتہ آخری قسط مصباح کے لئے جو بھیجی تھی وہ بہت بڑی تعداد تھی فتاوے کی جس کی نقل گھر پر نہیں تھی، ابا سے میں نے کہا کہ رجسٹری بھیج دی جائے لیکن سادی ڈاک سے بھیج دیا اور ادھر مصباح بند ہو گیا اس کے بعد مولانا عبد الجلیل صاحب گھر پر آئے تو ابا جان نے پوچھا کہ ملا کہ نہیں آپ کو، تو انہوں نے کہہ دیا کہ مجھ کو نہیں ملا ہے بہت افسوس ہوا بہت قیمتی فتاوے تھے۔

س: تلامذہ کی تقریبی تعداد اور ان کے بارے میں شیخ صاحب کے تاثرات کیا تھے؟

ج: یہ تو میں نہیں بتا سکتا، ادھر آخری دور میں بیرونی ممالک جیسے سعوی عرب، شام اور عراق وغیرہ کے علماء نے ابا جان سے اجازت حدیث کی سند لی ہے، تلامذہ کے ساتھ تاثر کے سلسلے میں نہیں معلوم۔ ان کا جو قلبی تعلق تھا مولانا اقبال صاحب کے ساتھ وہ تو میں نے دیکھا یا حافظ عبد الخالق رحمانی اور جو ذہین اور با اخلاق طلبہ تھے کبھی کبھی ان کا تذکرہ اچھے انداز میں کرتے تھے، باقی اور کسی کے بارے میں نہیں معلوم ہے۔

س : کسی سیاسی جماعت سے بھی شیخ صاحب کا تعلق تھا سیاسی جماعتوں کے متعلق ان کا تاثر کیا تھا ؟

ج : کسی سیاسی جماعت سے تعلق نہیں تھا، البتہ بیان کرتے تھے کہ ہندوستان میں جب سودیسی تحریک چلی تھی تو سب لوگ کھدر کا کپڑا پہنتے تھے تو میں نے اور مولانا نذیر احمد صاحب نے کھدر کی شیروانی اور کپڑا سلوایا، حضرت میاں صاحب مدرسہ میں تشریف لائے اور دیکھا تو فوراً ترکی ٹوپی وغیرہ خریدوائی، جب تک اباجان دلی میں تھے ترکی ٹوپی لال والی استعمال کرتے تھے، اور گول ٹوپی دلی والی، کسی سیاسی جماعت سے تعلق نہیں تھا البتہ ۴۷ء میں جب ہندوستان آزاد ہوا ہے، اس کے بعد ۱۵ / اگست جب دوسرے سال آیا، یہاں بہت زبردست پروگرام تھا جس میں میں چلا گیا تھا دیر میں آیا تو انہوں نے پوچھا کہ کہاں تھے ؟ تو میں نے کہا کہ مدرسہ میں گیا تھا کہا کہ کیوں ؟ میں نے کہا کہ یوم آزادی تھا تو کہا کہ ہماری آزادی کا دن نہیں ہے مسلمانوں کی غلامی کا دن ہے۔

اسلام کو وہ نظام زندگی سمجھتے تھے باقی سب کو وہ غلط سمجھتے تھے، نہ کبھی وہ الیکشن میں ووٹ دینے گئے نہ ہمارے گھر سے کوئی گیا، اب بعد میں لوگ آزاد ہیں جاتے ہیں، میں نے تو آج تک پولنگ اسٹیشن نہیں دیکھا، شیخ صاحب بھی کبھی نہیں گئے ہو سکتا ہے ہمارے چچا وغیرہ گئے ہوں ان کے بارے میں مجھے نہیں معلوم لیکن ہمارے گھر سے ہم دونوں بھائی اور عورتوں کے جانے کا تو کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا ہے۔

س : ملک وبیرون ملک شیخ صاحب کے اسفار کے متعلق کچھ تفصیل بتائیں گے ؟

ج : دار الحدیث مدینہ کے سلسلہ میں وہ گئے تھے ۷۴ء میں حافظ عبد اللہ صاحب نے بھیجا تھا وہ اور شیخ خلیل عرب دونوں آدمی گئے تھے، شاہی مہمان تھے، اس کا تذکرہ کرتے تھے، وہاں ساری صورت حال رکھی۔ اس کے بعد مدرسہ کھولنے کی اجازت دی، حج کے لئے جب تشریف لئے گئے تو اس وقت جامعہ اسلامیہ میں جو علماء تھے یا شیخ ناصر الدین البانی وغیرہ تھے ان لوگوں سے ان کی ملاقات ہوئی علمی گفتگو بھی ہوئی مختلف مجالس میں۔

س : شیخ صاحب کی زندگی کے مشکل ایام کیا تھے ؟

ج : مشکل ایام تو سب سے زیادہ جب دادا موحوم کی وفات ہوئی ہے اور طالب علمی کا دور جو گذرا ہے تو گھر کی کفالت بھی انہیں کے ذمہ تھی ، اس کے بعد جب مدرس ہوئے ہیں تو بھی بہت دنوں تک گھریلو حالات یا رشتہ داروں کا جو رویہ ان کے ساتھ تھا وہ بہت تکلیف دہ تھا ایک دو خطوط میں نے دیکھا اس میں انہوں نے جس رنج و غم یا دلی کیفیت کا اظہار کیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کتنی زیادہ پریشانی یا تکلیف تھی اس میں لکھا ہے کہ میری صحت جیسی کچھ ہو گئی ہے اگر والد صاحب زندہ ہوتے تو بے حال ہو جاتے ۔ بالکل ہی معاندانہ رویہ تھا ۔

س : سیرۃ البخاری عربی اردو اور انگریزی اشاعتوں کے متعلق شیخ صاحب کے تاثرات کیا تھے ؟

ج : اردو تو جو میں نے شائع کیا تھا انہیں کی اجازت سے ، پہلے انہوں نے ہی چھپوایا تھا اس کا بہت اہتمام انہوں نے کیا تھا ، اس کے بعد دوبارہ میں نے اس کو چھپوایا ، آفسیٹ پر تو عبد الحمید غازی پوری صاحب کو میں نے دیا تھا کہ وہ کتابت اچھی کریں گے لیکن انہوں نے مجھ کو بہت مایوس کیا ۔

س : موجودہ نسل پر اور مختلف جماعتی اور غیر جماعتی افراد پر شیخ صاحب کے اثرات کے متعلق کچھ تفصیل بتائیں ؟

ج : جنازے میں جو لوگ آئے تھے بلا امتیاز آئے تھے اس سے تو اندازہ ہوتا ہے کہ آدمی اگر اخلاص سے دین کی خدمت کرے تو اللہ تعالی لوگوں کے دلوں میں اس کی وقعت ڈال دیتا ہے اور پھر اخبارات والوں نے چاہے وہ کسی مسلک کے رہے ہوں ، جو واقعی علم کے قدر داں ہوں سب نے کچھ نہ کچھ لکھا اچھے انداز میں ، باقی یہ کہ نئی نسل پر انکا کیا اثر ہے اس کو تو میں نہیں بتا سکتا ہوں لیکن بہر حال اس سے ایک اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ لوگ ان کے علم کی قدر و منزلت کرتے تھے اور ان کے اخلاق سے متاثر تھے اورر دنیا سے بے رغبتی کا بھی لوگ تبصرہ کرتے ہیں ۔

مولانا آپ کا بہت بہت شکریہ ، آپ نے کافی وقت دیا ، پھر بھی بہت سے سوالات بچ رہے لیکن ضروری سوالات کی خاصی تعداد پر مرور ہو گیا ، جزاکم اللہ خیرا ' والسلام علیکم ورحمۃ اللہ و برکاتہ .

☆☆☆

"مرعاة المفاتیح شرح مشکٰوۃ المصابیح"

میری نظر میں

مولانا محمد رئیس ندوی

مصنف : شیخ الحدیث حضرت العلام جناب مولانا عبید اللہ صاحب رحمانی ۔

صفحات : ۵۳۶

قیمت : اٹھارہ روپئے علاوہ محصول ڈاک

مطبوعہ : نامی پریس لکھنؤ

پتہ : (۱) مکتبہ رحمانیہ محلہ رانی پورہ مبارکپور ضلع اعظم گڈھ

(۲) مکتبہ سلفیہ شیش محل روڈ لاہور ، (مغربی پاکستان)

(۳) شرف الدین الکتبی واولادہ ۲۹ محمد علی روڈ بمبئی ۔ ۳

مصنف کی ذات گرامی کم از کم ہندوپاک کے اہل علم کے لئے محتاج تعارف نہیں ، دوسرے ممالک میں فاضل مصنف کے تعارف میں صرف اتنا کہہ دینا کافی ہوگا کہ آپ صاحب " تحفتہ الاحوذی " شرح ترمذی حضرت العلام شیخ عبد الرحمن مبارکپوری رحمتہ اللہ علیہ کے شاگرد رشید اور مخصوص فیض یافتہ ، نیز علامہ کبیر ومحدث شہیر حضرت مولانا عبد السلام صاحب رحمتہ اللہ علیہ کے خلف الرشید اور صحیح معنوں میں وارث کامل ہیں ۔ جو لوگ صاحب تحفتہ الاحوذی سے واقف ہیں اور مصنف کے والد ماجد صاحب سیرت البخاری سے متعارف ہیں وہ خود بخود فیصلہ کر سکتے ہیں کہ حضرت العلام عبید اللہ صاحب رحمانی صاحب مرعاۃ المفاتیح کو کیا کچھ فضائل وکمالات اور اوصاف حمیدہ جناب باری تعالی نے ودیعت فرمائے ہوں گے اور آپ کے خامہ حقیقت نگار نے مشکوۃ کی شرح میں داد تحقیق دی ہوگی ۔ مصنف " نے

اپنی علمی خدمت کے لئے شرح مشکوۃ کی ذمہ داری لیکر ایک عظیم الشان کارنامہ انجام دیا ہے۔ کیونکہ یہ مشہور ومعروف شرح تقریبا تمام فروعی واصولی فقہی مسائل کو محیط ہے۔ حضرت الاستاذ مولانا ابو الحسن علی مد ظلہ العالی دار العلوم ندوۃ العلماء ۱۹۶۰ء میں بخاری شریف کے درس میں عموما امام شوکانی رحمتہ اللہ علیہ کی تعریف وتوصیف میں یہ بات کہا کرتے تھے کہ انہوں نے اپنی شرح نیل الاوطار کے لئے ایک ایسی کتاب (منتقی الاخیار) کا انتخاب کیا ہے جو اکثر وبیشتر فروعی اور فقہی مسائل کا حصر واحاطہ کئے ہوئے ہے۔ مولانا موصوف نے کئی بار فرمایا تھا کہ کسی صاحب علم کا گھر اس کتاب سے خالی نہ ہونا چاہئے۔ اس لحاظ سے شارح مشکوۃ علامہ عبید اللہ صاحب رحمانی بہت ہی زیادہ داد کے مستحق ہیں کہ انہوں نے منتقی الاخیار سے زیادہ جامع ومانع کتاب کی شرح فرمانے کی ذمہ داری لی۔ اللہ کرے یہ شرح جلد ہی مکمل ہو جائے خاکسار نے ایک معتقد اور مخلص طالب علم کی حیثیت سے کتاب ہی کو اپنا استاذ تصور (۱) کرتے ہوئے اس عظیم الشان شرح کا مطالعہ شروع کیا جن احساسات وجذبات کو لیکر اس کتاب کے مطالعہ کا اختتام کیا۔ وہ سطور ذیل میں نہایت اجمال واختصار کے ساتھ درج کر دیا ہے۔ اول سے لیکر آخر تک کتاب کی ایک ایک سطر کا ایک ایک لفظ قلب وجگر، ذہن ودماغ کو ایسا متاثر کرتا ہے جیسے کہ ایک عبقری شخصیت مسند درس پر سرفراز ہو کر اپنے تلامذہ وطلباء کو کتاب کا درس دے رہی ہے اور کتاب سے متعلق تمام قابل تحقیق باتوں کو انتہائی دلچسپ انداز میں پوری شرح وبسط اور کامل تفصیل وتشریح کے ساتھ نہایت مرتب اور مرتبط طور پر بیان کرتی جارہی ہے۔ ہر باب کے شروع ہوتے ہی اس باب سے متعلق تمام ضروری تشریح وتفصیل جس کی واقفیت ہر طالب علم پر لازم ہے نہایت دلنشیں اور تحقیقی انداز میں قلم بند کر دی گئی ہے اس کے بعد جو حدیث شروع ہوتی ہے اس کے راوی صحابی ؓ یا تابعی سے متعلق اصولی بات بتلا دی گئی ہے اور بقدر ضرورت راوی کا ترجمہ (تعارف) کرا دیا گیا ہے۔ ترجمہ کراتے وقت ہر علم کے تلفظ پر خاصا دھیان دیا گیا ہے کہ طلباء جو عام طور سے صحابہ وتابعین کے ناموں کے تلفظ میں غلطیاں کرتے ہیں۔ وہ ختم ہو سکے۔ بعض صحابہ وتابعین کے نام کے تلفظ میں تو بعض علماء کو بھی غلطی کرتے ہوئے دیکھا گیا ہے اس غلطی سے بچنے اور محفوظ رہنے کے لئے مشکوۃ شریف کے پڑھنے والے طلباء وعلماء

(۱) مضمون نگار کو مصنف..... کے تلمذ اور شاگردی کا شرف حاصل نہیں جس کا افسوس شاید زندگی بھر رہے (محمد رئیس ندوی)

کے لئے اس کتاب کا مطالعہ بہت ضروری ہے عام طور سے طلباء کیا بعض علماء بھی اچھے خاصے مشہور ومعروف صحابہ کے نام کے علاوہ ان کی زندگی سے متعلق اور کچھ نہیں جانتے ، یہ بات تو علماء کے لئے کم از کم بہت افسوس ناک ہے یہ کتاب اپنے مطالعہ کرنے والے کو ہر ہر صحابی وتابعی سے متعلق ضروری معلومات فراہم کرتی ہے ۔ مثال کے طور پر ملاحظہ ہو ایک باب کی تشریح ص ۲۶ ج ۲ پر "باب السھو" کے تحت آپ فرماتے ہیں " أی باب بیان حکم السھو الواقع فی الصلوۃ ' وفی المصابیح باب سجود السھو "یعنی نماز میں واقع ہونے والے سہو کے حکم کا بیان ، مصابیح میں "باب السھو" کے بجائے "باب سجود السھو" کا لفظ آیا ہے ۔ اس کے بعض باب کے متعلق تفصیل وتشریح ملاحظہ ہو ۔ جس سے ایک ذہین طالب علم اور شائق علم کو کس قدر فرحت ہوتی ہے "وھو لغۃ الغفلۃ عن الشئ وذھاب القلب الی غیرہ "یعنی لغت میں سہو کے معنی خاص چیز سے غفلت کرنا اور دل کا کسی دوسری طرف متوجہ وملتفت غیر ارادی طور پر ہو جانا ۔ پھر اس کے بعد لغت کی مشہور ومعروف کتاب "المحکم" للعلامہ ابی الحسن علی بن سیدہ المتوفی ۴۵۸ھ سے اور کتاب " مفردات غریب القرآن " للامام ابی الحسن الراغب الاصبہانی من علماء القرن الخامس ، نیز "نہایۃ" للجزری وغیرہم کی مدد سے لفظ "سہو" پر نہایت لطیف ودقیق بحث فرمائی ہے اور سہو ونسیان کا فرق نہایت پر لطف ودلچسپ انداز میں سپرد قلم فرمایا ہے ۔

لفظ سہو کی تحقیق سے فارغ ہو کر مصنف رحمہ اللہ نے سہو کے مسئلہ میں ائمہ کے اختلاف کا ذکر مختصر انداز میں فرمایا ہے (ملاحظہ ہو ج ۲ ص ۲۶) کہیں کہیں مصنف نے لغوی ولفظی تشریح کرتے ہوئے ایک مشفق ومحترم استاذ کی طرح طالب علم کی تسکین قلب یا علمی پیاس میں اضافہ کرنے اور ذوق وشوق کو بڑھانے کے لئے لغت کی کتاب کا حوالہ مع صفحہ وجلد دے دیا ہے مثلا لفظ "مسنۃ" کی لغوی تشریح کرتے ہوئے رد المختار المعروف بفتاوی شامی ص ۲۴ ج ۲ وص ۳۱ ج ۲ اور شرح قاموس ص ۲۴۳ ج ۹ ولسان العرب ص ۸۶ ج ۱۷ ونہایۃ ص ۱۱۸ ج ۲ ومصباح ص ۱۴۰ ج ۱ وتاج العروس ص ۲۴۳ ج ۹ والفائق ص ۳۰۶ ج ۲ ومغرب ص ۲۶۶ ج ۱ صحاح ص ۴۵۴ ج ۲ وفقہ اللغہ ص ۱۰۴ وحیاۃ الحیوان ص ۲۲۶ ج ۱ وکفایہ شرح ہدایہ ص ۱۲۴ ج ۱ ومنتقی لابی الولید ص ۸۶ ج ۳ وغیرہ ذلک سے حوالہ دیا ہے ایسا معلوم

ہوتا ہے کہ اس کتاب کا مطالعہ کرنے والا گویا کسی بہت بڑے کتب خانہ میں بیٹھا ہوا ہے اور سیکڑوں کتابیں اس کے سامنے کھلی ہوئی ہیں حاصل یہ کہ گویا اس کتاب کا قاری بیک وقت ایک عظیم الشان کتب خانہ کا مطالعہ کر رہا ہے۔ صرف اوپر ہی کی مثال سے یہ دیکھا جا سکتا ہے کہ ایک لفظ کی تشریح پر حضرت العلام نے بیں مستند اور ضخیم کتابوں کا حوالہ دیا ہے۔ جو سب کی سب عموماً علم لغت پر لکھی گئی ہیں۔ مصنف " کی اس محنت و جانفشانی اور اس دیدہ ریزی و دقیقہ رسی کی داد نہ دینا کمال ظلم ہوگا محض ایک لفظ کی تشریح کے لئے بیسیوں کتابوں کا مطالعہ کیا اور ان کے صفحات کی قید کے ساتھ مستند حوالہ پیش کیا۔ کتاب کا قاری جب باب کی تشریح کو ذہن نشین کر کے فارغ ہوتا ہے تو راوی کا ترجمہ پڑھنے لگتا ہے مثال کے طور پر امامہ بنت ابی العاص رضی اللہ عنہما کے ترجمہ میں مصنف نے حسب ذیل تفصیلی تعارف کرایا ہے۔ ہمزہ کو پیش ہے اور دونوں میم تشدید سے خالی ہیں آپ نبی کریم ﷺ کی صاحبزادی زینب رضی اللہ عنہا کی دختر نیک اختر ہیں۔ نبی ﷺ کی زندگی میں ان کا بچپنہ تھا حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فاطمہ بنت رسول اللہ ﷺ کے انتقال کے بعد ان سے نکاح کر لیا تھا۔ کیونکہ خود فاطمہ رضی اللہ عنہا اور امامہ کے باپ ابو العاص ؓ نے اس کی وصیت کر دی تھی ۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد امامہ کا نکاح حضرت امام حسن بن علی بن ابی طالب نے مغیرہ بن نوفل بن حارث سے کر دیا ملاحظہ ہو ج ۲ ص ۷۹۶ ۔

کتاب کی تیسری نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ اصل مشکوۃ شریف کے مصنف علامہ ولی الدین محمد بن عبد اللہ خطیب عمری تبریزی " سے بعض مقامات پر خاص غلطی ہو گئی ہے اور الفاظ کے نقل کرنے میں نمایاں تسامح ہے ۔ ساتھ ہی ساتھ حدیثوں کا حوالہ جن کتابوں سے دیا ہے وہ حدیث کئی مقام پر محولہ کتابوں میں نہیں ملتی ۔ بلکہ کسی اور کتاب حدیث میں ملتی ہیں۔ صاحب کتاب کے اس سہو و نسیان کا نتیجہ یہ تھا کہ بعض مرتبہ طلباء اور بعض علماء کو سخت الجھن اور پریشانی ہوتی تھی یہاں تک کہ بعض مرتبہ بعض مولوی صاحبان کو کھل کر کہتے ہوئے سنا گیا کہ صاحب مشکوۃ نے کہیں کہیں بڑی زبردست غلطی کی ان تمام باتوں پر مصنف نے بڑی گہری نظر ڈالی ہے اور صاحب مشکوۃ کے ہر ہر سہو پر متنبہ کر دیا ہے اور ان کی غلطی کا ازالہ کر دیا ہے اور نہایت محققانہ انداز میں بات کو نکھار کر پیش کیا ہے ۔ مثلاً صاحب مشکوۃ نے ص ۲۶ حدیث ۱۱۰۸ کو امام ابو داود کی طرف منسوب کیا ہے حالانکہ یہ حدیث سنن ابی داود میں موجود

نہیں۔ چنانچہ فاضل مصنف نے فرمایا " هذا وهم من المصنف فان هذا الحديث ليس عند ابي داود بل هو عند النسائى بوب عليه كم مرة وكذا عزاه العينى فى شرح البخارى ص ٢٥٤ ج ٥ للنسائى فقط وكذا الجزرى فى جامع الاصول ص ٣٩٤ ج ٦ " یعنی یہ مصنف (صاحب مشکوۃ) کا وہم ہے کیونکہ یہ حدیث ابی داود میں نہیں ہے البتہ سنن نسائی میں یہ حدیث موجود ہے صاحب عمدۃ القاری اور جامع الاصول نے بھی اس حدیث کا انتساب نسائی ہی کی طرف کیا ہے۔ ملاحظہ ہو ص ۹۱ ج ۲)

شارح نے اس امر کا خاص طور پر اہتمام کیا ہے کہ صاحب مشکوۃ نے جس حدیث کا حوالہ جن جن کتابوں سے دیا ہے ان کتابوں کے علاوہ بھی اگر وہ حدیث دوسری کتب حدیث میں بھی موجود ہے تو بڑی چھان بین اور تلاش وکاوش سے ذکر کر دیا ہے مثلا جلد دوم میں پہلی ہی حدیث صاحب مشکوۃ نے صرف امام مسلم کی طرف منسوب کیا ہے شارح" فرماتے ہیں "أخرجه أيضا أحمد ص ٤٤٧-٤٤٨ ج ٥، وابو داود والنسائى والبيهقى ص ٢٤٩ ج ٢ " یعنی اس حدیث کو امام احمد وابو داود ونسائی اور بیہقی نے بھی روایت کیا ہے۔ اسی طرح سے صاحب مشکوۃ نے جہاں جہاں مخرج کا نام نہیں لیا ہے وہاں شارح نے اس حدیث کے راوی کا نام بتلا دیا ہے یہ کام اگرچہ صاحب مرقاۃ نے بھی کسی حد تک انجام دیا ہے لیکن شارح موصوف نے جس تفصیل وتحقیق سے یہ کام انجام دیا ہے وہ قابل صد تحسین ہے۔ مثال کے طور پر ملاحظہ ہو ص ۱۲ ج ۲ حدیث نمبر ۱۰۰۵ "قلت حديث انس هذا أخرجه البيهقى فى السنن الكبرى ص ٢٨٤ ج ٢ عن طريق الربيع بن بدر عن عنطوانة عن الحسن عن انس قال البيهقي عن الربيع بن بدر عن عنطوانة والربيع بن بدر ضعيف الى آخر ما قال "۔

چوتھی نمایاں خصوصیت جس کی طرف آج سے پہلے کبھی توجہ نہیں دی گئی تھی وہ یہ ہے کہ ہر باب کا نمبر شمار اور ہر ہر حدیث کا نمبر شمار حدیث کے شروع ہونے سے پہلے دے دیا گیا ہے اس حسن صناعت کا فائدہ ہر معمولی وغیر معمولی آدمی سمجھ سکتا ہے، بہر حال شارح موصوف کی اس جدت طرازی نے مشکوۃ کی احادیث کو گننے میں بہت سہولت وآسانی پیدا کر دی ہے۔ مسائل فقہیہ میں شارح موصوف نے نہایت اعتدال ومیانہ روی اختیار کی ہے ساتھ ساتھ تنقید وچھان بین تحقیق وتدقیق تلاش وجستجو کا حق ادا کر دیا ہے چنانچہ نبی ﷺ کے والدین ماجدین کے کافر مومن ہونے کے مختلف فیہ مسئلے میں نہایت

محتاط راستہ اختیار کرتے ہوئے فرمایا کہ "والاسلم والاحوط عندی ھو السکوت والتوقف" ملاحظہ ہو ص ۵۳۳ ج ۲۔

یعنی نبی کریم ﷺ کے والدین کے بارے میں کوئی بالجزم اور فیصلہ کن رویہ نہ اختیار کیا جائے ان پر نہ تو کفر کا فتوی لگایا جائے، نہ مومن کامل ہی ہونے پر ایمان رکھا جائے بلکہ زیادہ احتیاط اور سلامتی کا راستہ یہ ہے کہ اس بارے میں توقف وسکوت اختیار کیا جائے۔ ایک جگہ علماء کرام کو نہایت محتاط مشورہ دیتے ہوئے فرمایا " میرے نزدیک بہتر یہ ہے کہ سنتوں کو مسجد ہی میں ادا کیا جائے خاص کر کے علماء ومشائخ کے لئے یہ بات ضروری ہے، کیونکہ عوام الناس ان کے تابع ہوا کرتے ہیں اور جو کچھ علماء کرتے ہیں وہی عوام بھی کرتے ہیں اور جس کو یہ چھوڑ دیتے ہیں وہ بھی چھوڑ دیتے ہیں۔ چنانچہ عوام کا حال یہ ہے کہ شروع شروع میں تو یہ لوگ مسجد میں سنتیں پڑھنا چھوڑ کر گھر میں پڑھ لیا کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم علماء کو دیکھ کر ایسا کرتے ہیں پھر کچھ دنوں کے بعد نہ تو یہ لوگ سنتوں کو گھر میں پڑھتے ہیں نہ مسجدوں میں علاوہ ازیں بعض لوگ علماء کرام کو اس بات کی تہمت لگا دیتے ہیں کہ یہ لوگ سنت نہیں پڑھتے ۔ چھوڑ دیا کرتے ہیں ۔ چنانچہ تراویح کے بارے میں ہم نے دیکھا ہے کہ بعض جہال نے کہیں یہ سن لیا آخری راتوں میں نافلہ نمازوں کا پڑھنا افضل ہے لہذا انہوں نے ابتدائے رات میں تراویح چھوڑ کر کہہ دیا آخری رات میں سنتیں پڑھ لیں گے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ یہ لوگ نہ تو تراویح گھر پڑھتے تھے نہ مسجد میں ۔ انتہی ما قال مختصرا ص ۴۲ ج ۲۔

روایت کی تنقید اور مسائل کی تحقیق پر اتنا محققانہ رنگ اختیار کیا ہے کہ مخالفین کو بہت کم راہ فرار مل سکتی ہے اور انکار میں معترض کو بغیر تدبر وتامل کے چارہ نہیں رہ سکتا مثلا متنفل کی اقتداء مفترض کر سکتا ہے یا نہیں اس پر شارح موصوف نے مخالفین ہی کے اعتراضات کو نقل کیا ہے۔ چنانچہ فرمایا " قال السندی فیه اقتداء المفترض بالمتنفل ولم أر لهم عنه جوابا شافیا " یعنی اس حدیث سے متنفل کے پیچھے مفترض کی نماز کے صحیح ہونے کا ثبوت ہے اور میں اس حدیث کے لئے کوئی صحیح جواب علماء احناف کے لئے نہیں پاتا اور اسی طرح سے ملا علی قاری کا یہ قول نقل فرمایا ہے " علی قواعد مذهبنا مشکل جدا فانه لو حمل علی السفر لزم اقتداء المفترض خلف المتنفل الخ"۔

یہ ہمارے مذہب کے لئے بہت ہی مشکل ہے اگر اس کو حالت سفر پر محمول کریں تو اقتداء مفترض خلف المتنفل لازم آتی ہے ورنہ قصر کی عزیمت کا دعوی باطل ہو جاتا ہے اگر سفر پر نہ محمول کریں تو حدیث کے الفاظ ہماری تاویلات باردہ کو قبول کرنے سے صاف انکار کرتے ہیں ۔

ملاحظہ ہو ج ۲ ص ۲۲۵۔

ایک جگہ صحیحین کے مرتبہ وحجت پر بحث کرتے ہوئے کہا کہ صحیحین کی روایت بالاجماع وبالاتفاق اگر دوسری کتب حدیث کی حدیث سے معارض ہوں تو قابل ترجیح ہوں گی اس امر پر تمام امت کا اجماع ہے تمام فقہاء ومحدثین نے سلفاعن خلف اس پر اتفاق کیا ہے اس میں صرف ایک فرد شیخ ابن الہمام شارح ہدایہ المسمی بہ فتح القدیر نے اس اجماع اور اس اصل سے اختلاف کیا ۔ اور انکے کچھ تلامذہ وبعض دوسرے لوگوں نے اس کی تائید کی ہے ۔ شارح موصوف فرماتے ہیں کہ اس خرق اجماع اور شذوذ عن الجماعۃ کی غرض وغایت صرف یہ ہے کہ اپنے تقلیدی مذہب کی حفاظت وحمایت کی جائے اور محققین کے ایرادات واعتراضات سے بچا جا سکے ، چنانچہ اس عظیم مقصد اور غرض وغایت کی تعیین وتنصیص کرتے ہوئے خود ایک تقلیدی عالم فرماتے ہیں " وھذا نافع مفید فی غرضنا من شرح ھذا الکتاب یعنی ابن الھمام " کا یہ خرق اجماع اور شذوذ عن الجماعۃ ہمارے مقصد کے لئے مفید ونفع بخش ہے اس شہادت اور اعتراف واقرار کو نقل کرنے کے بعد حضرت العلام مولانا عبید اللہ صاحب رحمانی فرماتے ہیں کہ ان کے اس اقرار سے صاف وصریح طور پر ظاہر ہو گیا کہ ان لوگوں کا مذہب صرف اس وقت آسانی سے چل سکتا ہے جبکہ صحیحین (بخاری ومسلم) کا کوئی امتیاز نہ رہ جائے اور عظیم المرتبہ کتاب جن کا مرتبہ قرآن مجید کے بعد ہونا مسلم ومتفق علیہ ہے جب تک دوسری کتابوں کے درجہ میں نہ رکھ دی جائے اس تقلیدی مذہب کو ہمہ وقت خطرہ لگا رہے گا اس کے بعد شارح موصوف نے بتلایا کہ ابن الہمام کے اس انفرادی مسلک کی تردید میں شیخ ولی اللہ کے شاگرد رشید علامہ محمد بن معین حنفی نے ایک

مستقل کتاب لکھی ہے اور اس زعم باطل کے پرخچے اڑا دیئے ہیں ۔ فی الجملہ یہ حقیقت ہے کہ یہ کتاب بہت سے اوصاف اور نمایاں خصوصیات کی حامل ہے اس میں بیک وقت حدیث ، اصول حدیث ، رجال واسانید ، فقہ ، اختلافات ائمہ ، لغوی تشریحات کی نہایت قیمتی تحقیقات جمع ہیں ۔ اور بلا شک وشبہ یہ کتاب دریا بکوزہ کہی جانے کے قابل ہے ۔ پھر بھی کسی صاحب علم کا کتاب کے کسی جگہ سے اختلاف رائے کوئی معیوب بات نہیں ۔ بہر حال انسان انسان ہے اور انبیاء علیہم السلام کے علاوہ تمام بنی نوع انسان بہر حال سہو ونسیان اور غلطی سے مبرا نہیں ۔

دعا ہے کہ اللہ تعالی اس کتاب کو بندگان خدا کے شکوک وشبہات کے دور کرنے میں کامیاب بنائے اور خلق خدا اس کتاب سے کما حقہ مستفید و مستفیض ہو ۔ نیز یہ کہ اس کی تصنیف پایہ تکمیل کو پہنچ جائے تاکہ اہل علم واہل تحقیق کی تشنہ لبی کو تسکین ہو سکے ، آمین یارب العالمین

☆☆☆

(نوٹ) ہم نے مرعاۃ کی تیسری جلد پر بھی تبصرہ لکھا تھا جو پندرہ روزہ "اہل حدیث" دہلی میں شائع ہوا تھا ۱۹۶۴ء میں ، مگر وہ شمارہ ہمیں تلاش کے باوجود نہ مل سکا جس کا بہت افسوس ہے ، دو ، جلد والا تبصرہ جو ہدیہ ناظرین ہے تیسری جلد والے تبصرہ کے دو سال پہلے لکھا گیا ہے یعنی ۱۹۶۲ء میں جب میں جامعہ سراج العلوم جھنڈانگر نیپال میں مدرس تھا ۔ (محمد رئیس ندوی)

☆☆☆

شیخ الحدیث رحمہ اللہ : کچھ تاثرات

جناب ڈاکٹر عبد العلی ازہری

والدہ مرحومہ ہم لوگوں سے کہا کرتی تھیں کہ اللہ تعالی نے ان کو بارہ بچے عطا کئے تھے لیکن کچھ تو بچپن ہی میں اپنی ماں کی گود خالی کر گئے ، کچھ عنفوان شباب میں پہنچ کر والدین کو روتا ہوا چھوڑ کر اپنی دائمی منزل کی طرف چل دئے ۔ کچھ نے زندگی کا سفر کافی دور تک طے کیا لیکن پھر ایک دن وہ بھی اس جہان فانی سے رحمت الہی کی طرف منتقل ہو گئے ۔ آخر میں صرف ہم تین بھائی رہ گئے تھے ۔ دکھوں کی ماری ہوئی ماں زندگی کے طویل سفر میں پیش آنے والی مصیبتوں کے بوجھ سے ٹوٹ کر رہ گئی تھی ، دوسری طرف غربت اور افلاس تھا جو گھر کے باقی ماندہ افراد کو اپنے شکنجے میں کسے ہوئے تھا مجھے اچھی طرح یاد ہے کس طرح والدہ رو رو کر اپنی بپتا دوسروں کو سناتی تھیں اور آخر میں کہتی تھیں کہ اب یہ تین بچ گئے ہیں ، پتہ نہیں خالق کائنات کو کیا منظور ہے ان کی امیدوں کا ستارہ ٹوٹتا ہوا نظر آتا تھا اور کہہ دیتی تھیں کہ یہ بھی ایک کے بعد ایک ہمیں چھوڑ کر چلے جائیں گے آخر اس دنیا میں ہمیشہ رہنے کے لئے کون آیا ہے ؟

ناامیدی کا یہ سایہ اس وقت سے ان پر اور گہرا ہو گیا تھا جب ہمارے بڑے بھائی حافظ اکبر علی کا انتقال ہوا ۔ وہ تپ دق کے مہلک مرض میں مبتلا ہو کر آخرت کو سدھار گئے ان کے بعد ایک بہن بھی اس بیماری کا شکار ہوئیں اور جانبر نہ ہو سکیں اب مجھ سے بڑے بھائی کی باری تھی ، وہ بھی جسمانی اعتبار سے کمزور تھے اور ان پر اکثر کھانسی کا دورہ پڑ جایا کرتا تھا ، دوسروں کی نظر میں گویا یہ پیش خیمہ تھا اس مہلک بیماری کا جو پہلے ہی گھر کے دو افراد کو لقمہ اجل بنا چکی تھی ، لیکن اللہ تعالی نے ان آخری تین بچوں کو محفوظ رکھا اور وہ آج بھی بفضلہ تعالی بقید حیات ہیں ۔

ان باقی ماندہ تین بچوں کو وہ دین کی تعلیم دلوانا چاہتی تھیں ۔ اور خاص طور پر میرے بارے میں ان کا پروگرام یہ تھا کہ میں مولوی بنوں اور قرآن حفظ کر کے مرحوم بھائی کی جگہ پر کروں وہ مجھے دینی

تعلیم میں اعلی مقام حاصل کرنے کی ترغیب دلایا کرتی تھیں ۔ اس سلسلے میں وہ مولانا عبید اللہ صاحب کا بار بار ذکر کرتی تھیں جنہوں نے اپنا بچپن ایک عام بچہ کی طرح نانا مولانا محمد نعمان رحمہ اللہ کے گھر میں گذارا تھا لیکن بعد میں علم ومعرفت اور تقوی وپرہیزگاری کا نمونہ بن گئے ۔ وہ اپنی آرزو کا اظہار اس قدر جذباتی انداز میں کرتی تھیں کہ میرے دل میں یہ خواہش پیدا ہوتی تھی کہ کس طرح کوئی نسخہ کیمیا ہاتھ لگ جائے اور میں ان کے خوابوں کی تعبیر صحیح کر دکھاؤں ، وہ مجھے اچھے سے اچھے دینی مدرسہ میں بھیجنا چاہتی تھیں لیکن تنگ دستی مانع تھی ، آخر کار وہ مجھے جامعہ رحمانیہ بنارس بھیجنے میں کامیاب ہو گئیں جہاں ان کے سب سے چھوٹے بھائی مولانا فضل الرحمٰن عمری اور چچا زاد بھائی مولانا عبد العزیز عمری منصب تدریس پر فائز تھے ۔ میں بنارس چلا گیا سالانہ چھٹی میں جب گھر واپس آیا تو معلوم ہوا کہ بڑے بھائی کی طبیعت زیادہ ہی خراب رہنے لگی ہے ۔ والدہ کا اصرار ہوا کہ میں انہیں علاج کے لئے بنارس لے جاؤں اس وقت میری عمر چودہ پندرہ سال تھی اور میں اس طرح کی ذمہ داری کا کام کرنے کا اہل اپنے آپ کو نہیں سمجھتا تھا ۔ لیکن والدہ کے اصرار پر بھائی کو لیکر بنارس روانہ ہو گیا ۔ چلتے وقت ماموں مولانا فضل الرحمٰن نے مولانا عبد المجید حریری - رحمہ اللہ - کے نام ایک رقعہ دیا تھا جس میں شاید ہم لوگوں کی مدد کی درخواست تھی ، مولانا حریری مولانا فضل الرحمٰن کو بہت عزیز رکھتے تھے ۔ میں بھائی کو لیکر جامعہ رحمانیہ کے دار الاقامہ میں اترا اور ماموں کا خط لیکر مولانا حریری کے دولت کدہ پر حاضری دی ، ان کے ایک صاحبزادے نے خط لیجا کر ان کو دیا اور پھر مجھ سے آکر کہا کہ آپ دار الاقامہ تشریف لیجائیں ۔ میں نے سمجھا شاید کہ وہ مجھے ٹال رہے ہیں اور مدد نہیں کریں گے ۔ تھکے قدموں کے ساتھ دار الاقامہ واپس آیا اور بیٹھ کر سوچنے لگا کہ کیا کروں ، ایک گھنٹے کے بعد نیچے سے کسی نے مجھ کو آواز دی ، باہر نکل کر دیکھا تو مولانا حریری مدنپورہ کے پبلک ہسپتال کے ڈاکٹر کے ساتھ موجود تھے ۔ ان کا یہ کرم اور ہمدردی دیکھ کر مجھے ان خیالات پر بڑی ندامت محسوس ہوئی ، جو ان کے گھر سے لوٹتے وقت میرے ذہن میں پیدا ہوئے تھے ۔ وہ شرافت اور حسن سلوک کا پیکر تھے ، سخاوت وفیاضی کا نمونہ تھے ۔ عالم باکمال اور عامل بے مثال تھے ، مجھ سے ایک ادنی طالب علم کے لئے انہوں نے خود زحمت کی اور صرف دوسروں کو ہدایت دینے پر اکتفاء نہیں کیا ۔ دوسرے دن اچانک ایک بزرگ سی شخصیت دار الاقامہ میں نمودار ہوئی دبلے پتلے لیکن

باوقار اور بارعب چہرہ تصنع اور بناوٹ سے بالکل خالی، عامیانہ انداز، تقویٰ اور اخلاص کا نمونہ، ظاہر سادہ، باطن آراستہ، لباس فقیرانہ، ادا زاہدانہ، متاع سفر صرف ہاتھ میں کپڑے کا ایک بیگ لیکن علم کا پورا خزانہ دل کے اندر۔ بے تکلف وہ اس کمرے میں تشریف لائے جس میں ہم لوگ ٹھہرے ہوئے تھے، وہ ہمیں نہیں پہچانتے تھے لیکن میرے لئے ان کی شخصیت جانی پہچانی تھی، میں نے ان کو کئی بار دور سے دیکھا تھا، اور مجھے یہ بتایا گیا تھا کہ یہ شیخ الحدیث صاحب ہیں، ان کے بارے میں والدہ مرحومہ سے بہت ساری کہانیاں سن رکھی تھی۔ کیونکہ جیسا کہ اوپر گذر چکا ہے، ان کا بچپن نانا مرحوم کے گھر میں گذرا تھا۔ کمرے میں داخل ہونے کے بعد انہوں نے ہم لوگوں سے پوچھا کہ آپ لوگ کون ہیں میں نے جواب دیا کہ صفیہ بنت محمد نعمان کے لڑکے۔ نانا اور والدہ کا نام سن کر شاید انہیں بچپن یاد آگیا، کیونکہ ایک عجیب طرح کی مسکراہٹ ان کے ہونٹوں پر کھیل گئی، پھر انہوں نے سب کی خیریت دریافت کی اور چھٹیوں میں بنارس میں موجود ہونے کی وجہ پوچھی، میں نے بتایا کہ علاج کے لئے آئے ہیں۔

ابھی یہ سب باتیں ہو ہی رہی تھیں کہ بنارس میں کوٹھی والوں کے ہرکارے اور خاص طور پر حاجی محمد فاروق مرحوم کے نمائندے دوڑے ہوئے آئے، دراصل یہ لوگ سڑک پر شیخ صاحب کا انتظار کر رہے تھے، اللہ تعالیٰ کو ان سے ہم لوگوں کی ملاقات کرانی منظور تھی، ان کا رکشہ گذر گیا اور سڑک پر کھڑے لوگ اسے دیکھ نہ پائے۔ وہ لوگ انہیں فوراً کوٹھی کی طرف لیکر چل دئے، چلتے چلتے شیخ صاحب نے فرمایا کہ مسجد میں مجھ سے ملاقات کرنا، میں نے مسجد میں حاضری دی لیکن ان کے گرد بڑے لوگوں کا ہجوم دیکھ کر ان سے جاکر ملنے کی ہمت نہیں ہوئی۔

شیخ مولانا عبید اللہ رحمانی -تغمده الله بغفرانه وأسكنه فسيح جنانه- سے یہ میری پہلی ملاقات تھی، جو قدرت نے کرادی تھی، پھر وقت گذرتا گیا، حالات بدلتے رہے۔ بہت دنوں تک ان سے دوبارہ ملاقات کا شرف حاصل نہ ہو سکا۔

شیخ الحدیث جلسے جلوس کے آدمی نہیں تھے، بلکہ وہ پیشہ ور مقرروں کو پسند نہیں فرماتے تھے، شہرت کی انہیں ذرہ برابر بھی خواہش نہیں تھی، خلوص وایثار کا وہ پیکر اور تواضع وخاکساری کا نمونہ کبھی کسی کا احسان لینا پسند نہیں کرتا تھا، چاہے وہ خدمت ہی کی شکل میں کیوں نہ پیش کیا جاتا ہو، مذکورہ واقعہ

کے کئی سالوں بعد جب میں مدرسہ فیض عام میں زیر تعلیم تھا شیخ الحدیث کا کئی بار مدرسہ میں آنیکا اتفاق ہوا ، لیکن کبھی بھی اپنی آمد کی خبر نہیں دی ، اسٹیشن سے مدرسہ تک فاصلہ پیدل طے کرتے اور ساتھ میں سوائے ایک کپڑے کے بیگ کے جس میں ان کا ضروری سامان ہوتا تھا ، کوئی اور چیز نہیں رکھتے تھے ، اور اپنا وہ بیگ کسی عقیدت مند کو ہرگز نہیں دیتے ۔ اس سلسلے میں وہ نام ونمود کے لالچی اور شہرت کے خواہاں بالکل نہ تھے ۔

اپنی جائز کمائی پر شیخ الحدیث کا گذر بسر ہوتا تھا ، صبر اور قناعت آپ کا شیوہ تھا ، زندگی کا ہر کام ایک عام انسان کی طرح کرتے تھے ، سفر ہمیشہ تھرڈ کلاس سے کرتے ، سردی کا زمانہ تھا وہ مدرسہ فیض عام پہنچے انہیں بستی یا گونڈہ جانا تھا ، رات کو ٹرین تھی ، کچھ لوگوں نے کہا کہ رات کو ٹرین میں کافی سردی ہوگی ، شیخ صاحب نے فرمایا کہ تھرڈ کلاس کے ڈبوں میں عام طور پر بھیڑ رہتی ہے ، چھوٹے سے کمپارٹمنٹ میں زیادہ لوگوں کی موجودگی ہیٹر (Heater) کا کام کرتی ہے ، ہم لوگ رات کو انہیں اسٹیشن چھوڑنے گئے اور ایک ڈبے میں کسی طرح ان کے بیٹھنے کا بندوبست کر دیا۔

خاکساری ، کسر نفسی ، تواضع ، بے لوثی اور دوسروں کا احترام ، چاہے وہ چھوٹا ہو یا بڑا یہ وہ چند خصلتیں تھیں جو ان کی فطرت کا جزء بن چکی تھیں ۔ آج یہ چیزیں تلاش کرنے پر بھی نہیں ملتیں ۔ جب بھی کوئی آدمی ملاقات کے لئے ان کے دولت کدہ پر حاضر ہوتا ، سب کام چھوڑ کر اس کی خاطر تواضع میں لگ جاتے ، اپنے ہاتھ سے کنویں سے پانی نکالتے اور پنکھا جھلتے ، اس بات کی مطلقا اجازت نہیں دیتے تھے کہ کوئی دوسرا یہ سب کام کرے ۔

مئو سے تعلیم ختم کر کے میں جامعہ الازہر میں تعلیم حاصل کرنے کی غرض سے قاہرہ چلا گیا ، چھ سال کے بعد وطن واپس آنے کا موقع ملا ، ایک عزیز کے ساتھ ملاقات کی غرض سے شیخ صاحب کے دولت کدہ پر حاضری دی ، میں مصر سے مصری بن کر واپس ہوا تھا ، کلین شیو رکھتا تھا ، شکل بھی کافی بدل چکی تھی ، شیخ الحدیث مجھے پہچان نہ سکے پوچھا : یہ کون ہیں ، کہا گیا : عبد العلی ہیں ، فرمایا اوہ ، بالکل شکل ہی بدل گئی ہے ، پھر انہوں نے مصر کے حالات وہاں کے علماء اور ہماری تعلیم کے سلسلے میں سوالات کئے ، میں نے انہیں بتایا کہ مرعاۃ المفاتیح کی مطبوعہ جلدیں ہمارے ایک استاد شیخ عبد الوہاب عبد اللطیف کے

پاس ہیں، یہ سن کر انہیں خوشی ہوئی کہ ان کی عرق ریزی سے علم کے طلبگار استفادہ کر رہے ہیں۔

قاہرہ سے پھر میں نائیجریا گیا جہاں احمد وبیلو یونیورسٹی میں لیکچرار کی حیثیت سے کام کرنے کا موقع ملا تھا، مصر میں تعلیم کے دوران ہی مخطوطات سے دلچسپی پیدا ہوئی اور علمی تحقیق کا شوق بڑھا، قاہرہ میں امریکن یونیورسٹی میں عربی زبان وادب میں میرا ایم اے کا رسالہ دوسری صدی ہجری کے ایک مدنی شاعر کے دیوان کی ترتیب پر مشتمل ہے، جو جامعہ سلفیہ بنارس سے کافی پہلے طبع ہو چکا ہے، نائیجریا میں بھی مخطوطات سے دلچسپی باقی رہی اور ۱۹۷۹ء میں میں نے یونیورسٹی کے خرچ پر استنبول، دمشق اور قاہرہ کا دورہ کیا اور بہت سارے مخطوطات کی مائیکرو فلم حاصل کی، اس سفر میں ایک خوش گوار حادثہ پیش آیا، جس روز میں دمشق پہنچا اسی روز شام کی حکومت نے دوسرے عرب ملکوں کے ساتھ مل کر یہ فیصلہ کیا کہ مصر کا مکمل بائیکاٹ کیا جائے کیونکہ صدر سادات نے اسرائیل کے ساتھ صلح کر لی ہے، اس طرح دمشق اور قاہرہ کے درمیان تمام روابط کاٹ دیئے گئے، دمشق سے قاہرہ جانیوالی تمام پروازیں منسوخ کر دی گئیں اور مصری ایر لائن کے آفس پر تالا لگا دیا گیا، مجھے دمشق سے قاہرہ جانا تھا لیکن اب میں ابن تیمیہ اور ابن القیم کے شہر میں قید ہو کر رہ گیا تھا، کچھ پتہ نہیں تھا کہ کب وہاں سے نکلنے کی کوئی راہ نکل سکے گی۔

میں نے اللہ پر توکل کر کے الظاہریہ لائبریری میں وقت گذارنے کا فیصلہ کیا، لائبریری میں محدث عصر علامہ محمد ناصر الدین الالبانی - اطال اللہ عمرہ وعافاہ - سے ملاقات ہوئی میں نے اپنا تعارف کرایا اور اپنی داستان سنائی اور کہا کہ اب آپ کے شہر میں نامعلوم مدت تک کے لئے محصور ہو کر رہ گیا ہوں خواہش ہے کہ آپ کے در دولت پر حاضری دوں اور کچھ خدمت کروں، انہوں نے بڑی شفقت سے خیر مقدم کیا اور گھر کا پتہ عنایت کر کے فرمایا کہ عصر کے بعد آ جانا، میں حسب وعدہ ان کے مکان پر پہنچ گیا، دیکھ کر حیرت ہوئی کہ اکیلے بیٹھے کام کر رہے ہیں، خوشامد پسندوں اور چاپلوسوں کا کوئی مجمع نہیں، شیخ الحدیث یاد آئے، وہ بھی خوشامد پسندوں سے بھاگتے تھے۔

علامہ البانی کے اندر اتنی جرأت تھی کہ وہ اس طرح کا "فیض" حاصل کرنے والوں کو گھر سے باہر نکال دیتے تھے، شیخ الحدیث اس سلسلے میں ضرورت سے زیادہ رحم دل اور شریف واقع ہوئے تھے، جب

تک ملاقاتی خود نہ اٹھتا تھا ان کی طرف سے کوئی ایسا اشارہ نہیں ہوتا تھا جس سے بیزاری کا اظہار ہو ۔

علامہ البانی اس وقت " صحیح الترغیب " کی پروف ریڈنگ کر رہے تھے ، اس سلسلے میں وہ کسی اور پر اعتماد نہیں کرتے تھے بلکہ خود ہی ہر صفحہ کی تصحیح کرتے تھے ، یہی کام مصر کے شیخ المحققین علامہ محمود محمد شاکر بھی کرتے تھے ، جن سے استفادہ کا شرف بھی مجھے حاصل ہے ۔

میں نے علامہ البانی سے درخواست کی کہ کیا میں بھی ان کا ہاتھ بٹا سکتا ہوں ، انہوں نے میری طرف چند صفحات بڑھا دیئے جن کی تصحیح وہ کر چکے تھے ، اتفاق سے ایک جگہ اعراب کی ایک غلطی پر ان کی نظر نہیں پڑی تھی ، میں نے ان کی توجہ اس کی طرف مبذول کرائی ، انہوں نے پہلے مجھے گھور کر دیکھا پھر پوچھا کہ مگر تم نے کیسے دیکھ لیا ؟ تم نے تعلیم کہاں حاصل کی ہے ؟ میں نے عرض کیا کہ جامعتہ الازہر میں ، لیکن نحو وصرف کی تعلیم میں نے اپنے آبائی وطن میں حاصل کی تھی اور اس مدرسہ میں جس میں علامہ عبید اللہ رحمانی نے ابتدائی تعلیم حاصل کی تھی ، فرمایا تم تحقیقی کام کرنے کی صلاحیت رکھتے ہو ، اس دن سے ان کا رویہ میرے ساتھ بالکل بدل گیا ، پہلے وہ بالکل واجبی سا برتاؤ کرتے تھے ، لیکن اب بہت زیادہ مہربان ہو گئے ۔

شیخ الحدیث کے ذکر پر ان کی بہت تعریف کی ، فرمایا : میں ہندوستانی علماء کی بہت قدر کرتا ہوں ، وہ اپنے علم پر کبھی اتراتے نہیں ، اور خاکساری اور تواضع کا پیکر ہوتے ہیں ، ان کے طور طریقے سے تقوی اور للّٰہیت کا اظہار ہوتا ہے ، عربوں کے اندر یہ خصلتیں نہیں پائی جاتیں ، اور شیخ عبید اللہ - اللہ ان کو صحت کے ساتھ طویل عمر عطا فرمائے - وہ تو قرآن کریم کے اندر اولیاء اللہ کے بارے میں بتائی گئی صفات کی جیتی جاگتی تصویر ہیں ۔

علامہ البانی نے پھر ہندوستان کے ایک اور عالم کا ذکر کیا جن کے برتاؤ سے ان کو بہت مایوسی ہوئی تھی ، ان حضرت نے البانی کے خلاف فرضی نام سے ایک رسالہ شائع کیا تھا اور اس کے بعد علامہ کے یہاں ایک بار بطور مہمان اترے ، ایک شخص نے ان سے دریافت کیا کہ جو رسالہ علامہ البانی کے خلاف شائع ہوا ہے سنا ہے اسے آپ نے تحریر فرمایا ہے ، بڑے مولانا نے یکلخت انکار کیا اور کہا کہ اس رسالہ سے ان کا کوئی تعلق نہیں ۔ لیکن پھر کچھ ہی دنوں کے بعد وہی رسالہ دوسرے ایڈیشن میں مولانا کے نام سے

شائع ہوگیا ، علامہ البانی نے کہا کہ پہلی مرتبہ کسی ہندوستانی عالم سے مجھ کو مایوسی ہوئی ، اور یہ معلوم ہوا کہ شکل وصورت سے متقی وپرہیزگار ہندوستانی عالم دین بھی سفید جھوٹ بول سکتا ہے۔

اس سفر میں میں نے استنبول ، دمشق اور قاہرہ سے حدیث اور تفسیر کی کچھ کتابوں کے مخطوطے مائیکروفلم پر حاصل کئے تھے ، ان میں سے تین مخطوطہ کی میں نے نائیجریا میں تحقیق کی اور وہ بمبئی کے الدار السلفیہ سے شائع ہوئے ، جو مندرجہ ذیل ہیں :

۱ - کتاب الامثال فی الحدیث النبوی	لابی الشیخ الاصبہانی
۲ - امثال الحدیث	لابی محمد الرامہرمزی
۳ - کتاب فیہ ذکر الدنیا والزھد فیہا	لابن أبی عاصم الشیبانی

فن حدیث میں یہ پہلی کوشش تھی ، کام علمی تھا اور جتنے لوگوں سے میری بات ہوئی سبھی نے تعریف کی لیکن طباعت اچھی نہیں تھی جس کی وجہ سے بیروت کے ایک ناشر نے تیسری کتاب بغیر میری اجازت کے نشر کردی ، مہربانی یہ کی کہ میرا نام باقی رکھا۔

دوسری کتاب ابھی حال ہی میں اپنی تحقیق سے نشر کی ہے ، مقدمہ میں میرے کام کا ذکر کرتے ہوئے تعریف کے الفاظ استعمال کئے ہیں اور کہا ہے کہ چونکہ متون حدیث کو ضبط نہیں کیا گیا تھا اس لئے اسے نئے سرے سے نشر کرنے کی ضرورت پڑی ۔ ظاہر ہے اس وقت ہندوستان سے شائع ہونے والی کتابوں پر اعراب لگانا مشکل تھا ، پہلی کتاب کا دوسرا ایڈیشن بمبئی ہی سے اچھی شکل میں نکل چکا ہے ۔ ان کتابوں پر کام کے دوران چھٹیوں میں وطن آیا تو شیخ الحدیث کی خدمت میں حاضر ہوا تاکہ ان سے چند حدیثوں کے بارے میں وضاحت طلب کروں ، وہ کام دیکھ کر بہت خوش ہوئے اور اپنی مثالی خاکساری کے ساتھ فرمایا کہ یہ سب کتابیں ہم لوگوں کی نظر سے کبھی نہیں گذریں صرف چند کا نام سنا تھا ، اب اللہ تعالی آپ لوگوں کو توفیق عطا فرمائے کہ انہیں طالبان علوم کے لئے عام کریں ، اس وقت گرمی کا زمانہ تھا ، ان کے گھر میں پنکھا ابھی نہیں لگا تھا ، مجھ کو چارپائی پر بٹھایا اور خود ایک اسٹول پر بیٹھ گئے ، لاکھ اصرار کے باوجود جگہ تبدل کرنے پر تیار نہیں ہوئے ، اور مستقل پنکھا جھلتے رہے ، ایک طرف یہ مثالی کردار اور دوسری طرف وہ نام نہاد علماء ہیں جو دوسروں کو کرسی سے ڈھکیل کر اس پر بیٹھ جاتے ہیں۔

شیخ الحدیث میرے بمبئی جانے سے خوش نہیں تھے ۔ جب میں نے ان کو بتایا تو کچھ دیر تک بالکل خاموش رہے میں فورا سمجھ گیا کہ مومن نے اپنی فراست سے بھانپ لیا کہ فیصلہ غلط ہے لیکن کوئی تنقید کرنے کے بجائے یہ فرمایا کہ اب ادارے سے انشاء اللہ معقول کتابیں شائع ہوا کریں گی ۔

لندن سے دو بار مئو جانے کا اتفاق ہوا ، دونوں بار شیخ صاحب کی خدمت میں حاضری دی ، برطانیہ میں مسلمانوں کے حالات سن کر انہیں کافی افسوس ہوا ، جب انہیں یہ پتہ چلا کہ میں اس وقت کوئی تحقیقی کام نہیں کر رہا ہوں تو انہیں دکھ ہوا ، لیکن میں نے عرض کیا کہ اس قسم کے کام کے لئے پیسہ کی ضرورت ہے ، آج کی دنیا میں علم ایک بکاؤ مال بن گیا ہے ، علم والے روٹی کے محتاج ہوتے ہیں اور اس بات پر مجبور ہوتے ہیں کہ وہ اپنا علم اپنے بچوں کا پیٹ پالنے کے لئے فروخت کریں ، اب عالم کا کام ایک تاجر کے نام سے بکتا ہے ، اور شاید یہی وہ علم کا ضیاع ہے جس کی پیشین گوئی حدیثوں میں کی گئی ہے ۔

فروری ۱۹۹۳ء میں شیخ الحدیث سے میری آخری ملاقات ہوئی تھی ، اس وقت کافی کمزور ہو چکے تھے ، میرے چھوٹے بھائی حافظ عبد الحیٔ نے بتایا کہ انتقال سے صرف ایک دن قبل ان کا مبارکپور جانے کا اتفاق ہوا ، شیخ صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے ، انہوں نے والدہ مرحومہ کا نام لیکر اپنا تعارف کرایا ، والدہ کا نام سن کر ان کی آنکھوں سے آنسو کے قطرے لڑھک پڑے ، انہوں نے اپنی بہن کے لڑکے کو پہچان لیا تھا ، ہاتھ اوپر اٹھایا ، عبد الحی سے ہاتھ ملایا ، اور دوسرے دن صبح ملأ اعلی کے لئے رخصت ہو گئے ، انا للہ وانا الیہ راجعون ۔

ذهب الذين يعاش في أكنافهم　　　وبقيت في خلف كجلد الأجرب

فرحمه الله رحمة واسعة وأسكنه فسيح جنانه

☆☆☆

مرعاة المفاتیح شرح مشکوة المصابیح

جناب ڈاکٹر مقتدی حسن ازہری
ریکٹر جامعہ سلفیہ بنارس

میرا ننہال علم وفضل سے وابستگی کے لئے مشہور ہے، اس میں متعدد باکمال علمی شخصیتیں گزری ہیں، شیخ الحدیث رحمہ اللہ کے گھر سے تعلق کا شرف بھی اسے حاصل ہے، والدہ محترمہ بلقیس خاتون حفظہا اللہ بہت سے حالات وواقعات اس عہد کے سناتی تھیں جب شیخ صاحب کے والد محترم اپنے کنبہ کے ساتھ ہمارے محلہ میں مقیم تھے، اور شیخ صاحب ننہال کے بچوں کے ساتھ اپنا بچپن گزار رہے تھے، اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ ان تعلقات کی خوشگواری اور ان کا پاس ولحاظ آج بھی باقی ہے۔ سن شعور کو پہنچنے اور تحصیل علم کے میدان میں قدم رکھنے کے بعد جب میں مدرسہ عالیہ کے بعد مدرسہ فیض عام میں تعلیم کے لئے گیا تو شیخ صاحب کے علم وفضل اور زہد وتقویٰ کا تذکرہ سنا، اور کبھی کبھی ملاقات کا شرف بھی حاصل کیا، ایک ملاقات مبارکپور میں مولانا عبدالرؤف رحمانی صاحب کی تقریر کے موقع کی یاد ہے، اس موقع پر حضرت کے کاشانۂ علم ومعرفت پر حاضری کا شرف بھی ملا تھا۔ جب جامعہ سلفیہ میں خدمت کے لئے آنے کا موقع ملا تو نصیحت ورہنمائی حاصل کرنے کے لئے حاضری دی، تدریسی میدان کی دشواریوں اور اپنی بے مائگی کے تصور سے دل میں جو اندیشے تھے انہیں حضرت نے اپنی مشفقانہ نصیحتوں سے دور فرمادیا، شاید آپ کی غائبانہ دعاؤں ہی کے نتیجہ میں مجھے بنارس میں ایسا تفرغ واطمینان حاصل ہوا کہ آج تک اس کی حلاوت باقی ہے، اور میری نظر میں کام اور تعطیل کے ایام یکساں ہیں۔ تفرغ وطمانیت کے اس ماحول میں کبھی تکدر پیدا ہوتا ہے لیکن اسے زندگی کا لازمہ سمجھ کر برداشت کرنا پڑتا ہے۔

خاندانی تعلقات، اپنی طرف سے عقیدت واحترام اور حضرت شیخ کی طرف سے شفقت وذرہ نوازی کے باوجود جب آپ کی علمی شخصیت سے متعلق کچھ لکھنے کی بات آتی ہے تو قلم رک جاتا ہے، شیخ صاحب

کے عام معمولات ، زہد و تقوی اور اخلاق کریمانہ کی بات ہو تو معاملہ آسان ہے ، لیکن اگر آپ کی علمی شخصیت ، وسعت مطالعہ ، اقوام و ملل ، اور طوائف وفرق کی تاریخ ، لغت وادب کی باریکیوں ، قوت استنباط ، کتاب وسنت کے نکات کے احاطے ، تدریس وافتاء کے کمالات اور دفاع عن السنہ کے جذبہ بے پایاں وغیرہ نقاط پر روشنی ڈالنی ہو تو زبان وقلم کی روانی منجمد اور تعبیر وبیان کی قوت درماندہ ہوتی نظر آتی ہے ، آفریں ہے ان لوگوں پر جن کا قلم اندیشۂ سود وزیاں کے بغیر چلتا ہے !

موضوع کی عظمت ونزاکت

ماہنامہ محدث کے شیخ الحدیث " نمبر کے لئے موصولہ مضامین پر نظر ڈالنے کے بعد میں نے خامہ فرسائی کے لئے مرعاۃ کی جلد اول مطبوعہ پاکستان (جسے جامعہ سلفیہ نے ٹائپ پر دو جلدوں میں شائع کیا ہے) کو منتخب کیا ہے ۔ رفیق محترم مولانا محمد رئیس ندوی صاحب نے ہندوستان میں لیتھو پر طبع بعد کی دو جلدوں کے مباحث ومشتملات کو موضوع سخن بنایا ہے ۔ علم حدیث پر مولانا موصوف کی نظر گہری اور خلافیات کا ان کا مطالعہ وسیع ہے ، اس لئے ان کے مقالہ سے قارئین کو زیادہ فائدہ پہنچے گا ، لیکن میرے مقالہ کی حیثیت تعمیل ارشاد کی ہے ، شیخ صاحب کی جلیل القدر شخصیت اور ان کے علمی وفنی کمالات کا تعارف اس کا موضوع نہیں ، میں نے مرعاۃ جلد اول کے صرف بعض مباحث سے متعلق شیخ صاحب کے اسلوب تحقیق ونگارش پر روشنی ڈالنے کی کوشش کی ہے ، ممکن ہے اس طرح اس عظیم شرح کے بعض محاسن عام لوگوں کی نظر میں آجائیں ۔

مرعاۃ کا مطالعہ کرنے والے اہل علم جانتے ہیں کہ اس کے مصنف والا گہر نے احادیث مشکوۃ کی اسناد ومتون پر متعدد پہلوؤں سے تشفی بخش گفتگو کی ہے ، اور اسی لئے مشکوۃ کی اس شرح کا درجہ اس کی دیگر شروح سے برتر ہے ، زیر نظر مقالہ میں وجوہ شرح کا احاطہ مقصود نہیں ، صرف بعض ان مقامات کی جانب اشارہ کروں گا جو میری نظر میں زیادہ اہم اور مفید ہیں ، وللمستزید مزید ۔

مرعاۃ المفاتیح کا منصوبہ اور جماعتی ذمہ داری

یہ عظیم شرح حاشیہ کے تصور سے شروع ہوئی تھی ، لیکن اللہ تعالی کی توفیق اور شیخ الحدیث رحمہ اللہ

کی غزارت علمی اور بلند حوصلگی نے اسے مبسوط ومفصل شرح کی حیثیت دے دی ، بر صغیر میں جماعت اہل حدیث نے متد اول کتب حدیث کی خدمت کا جو کام شروع کیا تھا مرعاۃ کو اس سلسلہ ذہبیہ کی ایک اہم کڑی بننا تھا اس لئے مشیت الہی نے اسے حاشیہ کے بجائے شرح کی شکل عطا کر دی ، انہ فعال لما یرید۔

مرعاۃ کا کام جس عظیم ومفصل شکل میں ہمارے سامنے ہے اسے دیکھ کر کہنا پڑتا ہے کہ یہ فرد کے بجائے جماعت کا کام تھا ، لیکن اسلاف کی سنت کے مطابق ایک فرد ہی نے اس کا آغاز کیا ، اور مختلف عوائق کے باوجود نصف کام پورا کر دیا۔

اس شرح کی تالیف کا کام اس کے مصنف عالی تبار نے اپنی علم دوستی اور حدیث نبوی کی خدمت کے جذبہ سے شروع کیا تھا ، جماعت کے بعض حساس افراد نے مصنف کے ساتھ اگر کبھی کوئی مالی تعاون کیا تو اس کی شکل منظم ومستقل نہ تھی ، اگر اس سلسلہ میں جماعت کے بابصیرت واستطاعت افراد اپنی ذمہ داری کو بخوبی محسوس کرتے اور اس علمی منصوبہ پر خاطر خواہ توجہ دیتے تو بہت پہلے اس کی تکمیل ہو چکی ہوتی ، مصنف کا یہ احساس فرض تھا کہ انہوں نے ناہموار حالات میں کام جاری رکھا ، لیکن اگر انہیں یکسوئی حاصل ہوتی ، اور غیر ضروری امور کے باعث شرح کے کام میں رکاوٹ نہ پیدا ہوتی تو آج صورت حال کچھ اور ہوتی ۔ مذکورہ مالی تعاون کا ذکر کچھ لوگ باقاعدہ حق المحنت کے طور پر کرتے ہیں ، یہ غلط ہے ، جماعت کا فرض تو یہی تھا کہ وہ اس علمی منصوبے کی مکمل سرپرستی کرتی ، لیکن ایسا ہو نہ سکا۔

مشاہیر محدثین کا اجمالی تعارف

مشکاۃ کے مصنف ولی الدین محمد بن عبد اللہ الخطیب رحمہ اللہ نے اپنی کتاب کے مقدمہ میں اپنا منہج تالیف بیان کیا ہے ، اور کتاب کی بعض خصوصیتوں کی جانب اشارہ کیا ہے ، اس ضمن میں ثقہ اور راسخ فی العلم ائمہ حدیث مثلا بخاری ، مسلم ، مالک ، شافعی ، ابن حنبل وغیرہم ، رحمہم اللہ ، کا ذکر آیا ہے۔ شیخ الحدیث رحمہ اللہ نے مستند مآخذ کے حوالہ سے ان مشاہیر کے مختصر احوال ذکر کئے ہیں ، یہ تذکرہ اپنی جامعیت وافادیت کے لحاظ سے معلم ومتعلم دونوں کے لئے قابل توجہ ہے ۔ امام بخاری کے ذکر میں شیخ صاحب نے ان القاب کے ذریعہ ان کو خراج عقیدت پیش کیا ہے : "هو أمير المؤمنين في حديث

سید المرسلین ' امام الأئمة المجتهدین ' سلطان المحدثین " ۔ آگے لکھا ہے کہ : امام بخاری کی شخصیت رسول اکرم ﷺ کا معجزہ ہے ، حدیث کے حفظ واشاعت ، فہم واستنباط ، قوت اجتہاد وتفقہ وغیرہ امور میں امام کی کوئی نظیر نہیں ، ان کے فضل وکمال کو صحیح طور پر سمجھنے والے یقین رکھتے ہیں کہ اللہ تعالی نے ایسی باکمال شخصیت پیدا کر کے اتمام حجت فرما دیا ہے ، اس کے بعد رسولؐ اور حدیث پر ایمان ضروری ہو جاتا ہے ۔ شیخ صاحب نے امام بخاری کے احوال کے لئے اپنے والد علامہ محمد عبد السلام رحمہ اللہ کی کتاب سیرۃ البخاری کے ساتھ ہی دیگر بنیادی مآخذ کا نام لیا ہے ، اس طرح مزید مطالعہ کے شائقین کی رہنمائی کے ساتھ ہی مآخذ کی استنادی حیثیت بھی واضح ہو گئی ہے ۔

بخاری کے بعد مسلم کا ترجمہ ذکر کیا ہے ، اس میں حافظ ابن حجر کے حوالہ سے لکھا ہے کہ امام مسلم کی کتاب کو بے مثال مرتبہ حاصل ہوا ، اس میں ایک حدیث کے متعدد طرق کو جمع کر دیا گیا ہے ، سیاق عمدہ ہے ، الفاظ کو بعینہ ادا کرنے کا اہتمام ہے ، نہ ان کو کاٹا گیا ہے نہ بالمعنی روایت کی گئی ہے ، تالیف وترتیب کے ان ہی محاسن کی وجہ سے بعض لوگ صحیح مسلم کو صحیح بخاری پر ترجیح دیتے ہیں ۔

امام مالک کے حالات کا تذکرہ کرتے ہوئے انہیں " امام دار الهجرة ' رأس المتقنين اور كبير المثبتين کے القاب سے یاد کیا ہے ، زرقانی کے حوالہ سے لکھا ہے کہ امام مالک کے شیوخ کی تعداد نو سو سے زائد ہے ، اور جس کثرت سے لوگوں نے ان سے حدیث کی روایت کی کسی اور امام سے نہیں کی ۔ صاحب اکمال نے لکھا ہے کہ یہ صرف حجاز کے نہیں بلکہ فقہ وحدیث میں سب کے امام تھے ۔ سعید بن ابی مریم نے اشہب بن عبد العزیز کا یہ قول نقل کیا ہے کہ " رأيت أبا حنيفة بين يدي مالك كالصبي بين يدي أبيه .

امام شافعی کو صاحب مرعاۃ نے ان القاب سے یاد فرمایا ہے : " هو الإمام العلم ~ بر الأمه ناصر الحديث المجدد لأمر الدين على رأس المائتين " ۔ پھر مصنف مشکاۃ کے حوالہ سے لکھا ہے کہ امام شافعی کے فضائل شمار سے زیادہ ہیں ، یہ دنیا کے امام اور مشرق ومغرب والوں کے عالم ہیں ، اللہ نے ان کے اندر علوم ومفاخر کا جو حصہ جمع کیا کسی اور کے اندر نہیں کیا ، اور جس قدر ان کا شہرہ ہوا کسی اور کا نہیں ہوا ۔ حدیث ، فقہ اور لغت وادب میں کمال کے ساتھ ہی انہوں نے اصول فقہ جیسے اہم علم کی بنیاد ڈالی ، صاحب کشف الظنون نے مناقب شافعی کے موضوع پر اکیس کتابوں کے نام مع مصنفین ذکر کئے ہیں ، اور

ابن الملقن نے العقد المذہب میں اس کی تعداد چالیس سے زائد بتائی ہے۔

امام احمد بن حنبل کے ترجمہ میں صاحب مرعاۃ نے لکھا ہے کہ : "کان رحمہ اللہ' اماما في الفقه والحديث والزهد والورع والعبادة ' وبه عرف الصحيح والسقيم والمجروح من المعدل " . پھر ابو زرعہ کے حوالہ سے لکھا ہے کہ ان کی کتابوں کا وزن بارہ اونٹوں کے بوجھ برابر تھا، اور یہ سب کے حافظ تھے ۔ امام شافعی کا قول ہے کہ جب میں بغداد سے نکلا تو وہاں ابن حنبل سے بڑھ کر کوئی متقی ، محتاط ، فقیہ اور عالم نہ تھا ۔ خلق قرآن کے مسئلہ میں ابن حنبل نے جس عزیمت واستقامت اور بصیرت وبرد باری کا ثبوت دیا اس کی مثال بہت کم ملے گی۔

صاحب مرعاۃ نے اسی طرح امام ترمذی ، ابو داود ، نسائی ، ابن ماجہ ، دارمی ، دار قطنی ، بیہقی اور رزین کے تراجم ذکر کئے ہیں ، اور ضروری امور کے ساتھ ہی ہر ترجمہ میں ماخذ کی نشاندہی کی ہے ۔ مشکاۃ المصابیح حدیث کی پہلی بڑی کتاب ہے جسے مدارس اسلامیہ کے طلبہ پڑھتے ہیں ، انہیں ضرورت محسوس ہوتی ہے کہ مشاہیر محدثین ، متداول کتب حدیث اور اہم مآخذ کے بارے میں معلومات حاصل کریں ، شیخ صاحب نے مرعاۃ کے شروع ہی میں اس ضرورت کی تکمیل کا سامان فراہم کر دیا ہے ، جو طلبہ مزید توسع کے ساتھ پڑھنا چاہیں گے ان کے لئے مآخذ کی جانب اشارہ مفید ہوگا ۔

شروح مشکوۃ

مصنف مشکاۃ نے کتاب کا نام بتانے کے بعد دعاء پر مقدمہ ختم کیا ہے ، پھر نیت سے متعلق حضرت عمر ؓ کی متفق علیہ روایت کے بعد کتاب الایمان سے مشکاۃ شروع ہوئی ہے ۔ شارح علام نے مقدمہ کے اختتام پر مختلف مآخذ کے حوالہ سے کئی اہم باتیں ذکر کی ہیں جن سے طالب علم کی واقفیت ضروری ہے ۔ اولا یہ کہ مشکوۃ دراصل امام بغوی کی المصابیح کا تکملہ اور ذیل ہے جسے خطیب نے اپنے استاد حسین بن عبد اللہ بن محمد الطیبی متوفی ۷۴۳ھ کے مشورہ پر تالیف کیا ہے ، اور انہیں اس سے ۷۳۷ھ میں فراغت ہوئی ۔ اسماء رجال المشکاۃ "الاکمال" کی تالیف میں بھی خطیب کو اپنے استاد کا تعاون حاصل رہا ، اور یہ کتاب ۷۴۰ھ میں مکمل ہوئی۔

ثانیا یہ کہ آپ نے مشکاۃ کی اہم شرحوں کا مختصر تعارف کرایا ہے، سب سے پہلے خطیب کے شیخ طیبی کی شرح " الکاشف عن حقائق السنن " کا ذکر کیا ہے، اور لکھا ہے کہ یہ مشکاۃ کی سب سے نفیس اور عمدہ شرح ہے، اس میں الفاظ کی تشریح، مفہوم کی توضیح، نکات ولطائف کا بیان اور لغت وبلاغت کے متعلقہ مسائل کا ذکر ہے۔ ایک شرح علم الدین سخاوی متوفی ۶۴۳ ھ کی ہے، ایک شرح " منہاج المشکاۃ " کے نام سے عبد العزیز ابہری نے لکھی ہے جو ۸۹۵ ھ کے حدود میں فوت ہوئے ہیں، اسی طرح اس کی شرح احمد بن الحجر المکی الہیتمی متوفی ۹۷۵ ھ نے لکھی ہے جس کی شیخ عبد الحق دہلوی نے تعریف کی ہے۔ شارح نے مشکاۃ کے بعض حواشی کا ذکر کرنے کے بعد علی بن سلطان ملقب بہ قاری کی معروف شرح " المرقاۃ " کا ذکر کیا ہے، اور اسے تمام شروح وحواشی کا مجموعہ قرار دیا ہے۔ صاحب کشف الظنون نے حافظ ابن حجر کی ایک کتاب " هداية الرواة الى تخريج المصابيح والمشكوة " کا ذکر کیا ہے جس میں دونوں کتابوں کی حدیثوں کی تخریج ہے۔

شارح نے ملا علی قاری کے حوالہ سے مصابیح کی حدیثوں کی تعداد ۴۴۳۴ بتائی ہے جن پر صاحب مشکاۃ نے ۱۵۱۱ حدیثوں کا اضافہ کیا ہے، اور اس طرح کل حدیث ۵۹۴۵ ہو گئی ہے، پھر ملا علی قاری کے قول کو حاجی خلیفہ کے قول کا مخالف بتایا ہے۔

رواۃ حدیث کا تعارف

مشکوۃ میں جیساکہ معلوم ہے کہ حدیث کی سند نہیں بلکہ صرف راوی حدیث صحابی یا ان کے شاگرد تابعی کا ذکر ہے۔ صحابہ کی عدالت منصوص ہے، اس پہلو سے ان پر کلام کی ضرورت نہیں، لیکن ہر مسلمان اور بالخصوص عالم ومتعلم کے لئے ان کے احوال سے واقفیت ضروری ہے، تاکہ قرآن اور اسلام کی حقانیت وصداقت اور تربیت نبوی کا کمال ظاہر ہو سکے، اور ہماری نسلیں اس احسان کو سمجھ سکیں جو صحابہ کا بعد کے لوگوں پر ہے، اللہ تعالی نے ان ہی کے ذریعہ دین کے تحفظ، نشر واشاعت اور اس پر عمل کا انتظام فرمایا، یہ ایک ایسا احسان ہے جس سے امت کبھی سبکدوش نہیں ہو سکتی، صحابہ کی اس عظمت واہمیت کی وجہ سے محدثین کرام نے ان کے احوال وسوانح پر توجہ دی، اور اس موضوع پر مستقل اور ضخیم کتابیں

تصنیف کیں ۔

صاحب مرعاۃ رحمہ اللہ نے بھی اپنی شرح میں صحابہ کرام کا تعارف کرایا ہے ، یہ تعارف مقام کی رعایت کی وجہ سے مختصر ہے ، لیکن اس میں تمام ضروری باتیں اور فنی نکات آ گئے ہیں جن کا طالبان حدیث کو ملحوظ رکھنا مفید ہے ۔

مشکوۃ کی پہلی حدیث متعلقہ نیت کے راوی حضرت عمر ؓ ہیں ، ان کے ترجمہ میں شارح نے نام ونسب کا ذکر کرنے کے بعد ان خصائص وکمالات کی جانب اشارہ کیا ہے جن سے خلیفہ راشد ثانی ؓ کی زندگی مزین ہے ، اسلام لانے ، الفاروق کے لقب سے ملقب ہونے اور غزوات میں شرکت نیز خلافت کی ذمہ داری قبول کرنے کا بیان ہے ۔ عمر کی موت کے بعد شارح نے ابن مسعود کا یہ قول نقل کیا ہے کہ : "آج علم کے دس حصوں میں سے نو حصے جاتے رہے" ۔ خزرجی کے حوالہ سے یہ بھی لکھا ہے کہ عمر ؓ سے مروی حدیثوں کی تعداد ۵۳۹ ہے ، ان میں دس متفق علیہ ہیں ، اور بخاری نے منفردا نو حدیثیں اور مسلم نے ۱۵ حدیثیں ذکر کی ہیں ۔ ۶۳ سال کی عمر میں شہید ہوئے ، صہیب ؓ نے جنازہ کی نماز پڑھائی اور حجرہ نبویہ میں دفن کئے گئے ۔ آپ سے روایت کرنے والوں میں ابو بکر ، عشرہ مبشرہ کے باقی حضرات اور صحابہ وتابعین کی ایک بڑی تعداد ہے ، اور آپ کے مناقب وفضائل بہت زیادہ ہیں ۔ ان سطور سے قارئین کرام اندازہ کر سکتے ہیں کہ شارح نے مختصر انداز میں کس طرح تمام اہم اور ضروری باتیں پیش کر دی ہیں ۔

(مرعاۃ ۱ / ۳۲)

☆ شارح ؒ نے حضرت ابو ہریرہ ؓ کے ترجمہ میں پہلے دوسی ویمانی نسبتوں کا ذکر کر کے انہیں " حافظ الصحابة الفقية " کے لفظ سے یاد کیا ہے تاکہ مطالعہ کرنے والے ابو ہریرہ کی جلالت علمی ، تفقہ اور حدیث دانی کا اندازہ کر سکیں ۔ بقول شارح صاحب ترجمہ اور ان کے والد کے ناموں میں مختلف اقوال تقریبا تیس ہیں ، ابو احمد الحاکم کے حوالہ سے شارح نے " عبد الرحمٰن بن صخر " کو زیادہ صحیح قرار دیا ہے ۔ یہ دربار رسول میں سب سے زیادہ حاضر باش تھے ، خود نبی ﷺ نے ان کے علم اور حدیث پر حرص وتوجہ کی شہادت دی ہے ، آپ ؐ کی دعاء کی برکت سے ابو ہریرہ کچھ بھولتے نہیں تھے ۔ امام بخاری کے قول کے مطابق آٹھ سو سے زائد صحابہ وتابعین نے ابو ہریرہ سے حدیث کی روایت کی ، صحابہ میں ان سے روایت

کرنے والوں میں ابن عباس ، ابن عمر ، جابر بن عبد اللہ ، انس اور واثلہ کے نام ہیں ، ۸۷ سال کی عمر میں ۵۷ ، ۵۸ یا ۵۹ھ میں وفات پائی۔ ان سے مروی حدیثوں کی تعداد (۵۳۶۴) ہے ، ۳۲۵ متفق علیہ ہیں اور منفردا بخاری میں (۹۳) اور مسلم میں (۱۹۰) ہیں۔

شارح نے ضرورت کے لحاظ سے مآخذ کا بھی ذکر کر دیا ہے تاکہ مزید مطالعہ کے لئے رہنمائی ہو جائے۔

ایمان پر کلام

کتب حدیث اور بالخصوص صحیحین کی تدریس میں ایمان کی حقیقت ، اسکے مرکب یا بسیط ہونے اور اس میں کمی بیشی ہونے پر طویل بحث ہوتی ہے ، مدرس اپنے مسلک ورجحان کے مطابق کسی ایک قول کی تائید اور دوسرے کی تردید کرتا ہے ، مشکاۃ کی پہلی کتاب کتاب الایمان ہے ، شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ نے مرعاۃ میں اس موضوع کے ضروری نقاط کو باختصار واضح کردیا ہے ، اور تفصیلی بحث کے لئے مطول مآخذ کی جانب اشارہ کردیا ہے، ایمان پر شارح نے اپنی گفتگو کو پانچ نقاط میں تقسیم کر کے کسی پر قدرے تفصیل سے اور کسی پر اختصار کے ساتھ روشنی ڈالی ہے۔

پہلا نقطہ ایمان کے لغوی مفہوم سے متعلق ہے، اس کے لئے شارح نے زمخشری اور ابن تیمیہ کے حوالہ پر اکتفاء کیا ہے۔ دوسرے نقطہ پر گفتگو قدرے طویل ہے، اس میں ایمان کے شرعی مفہوم اور مختلف فرقوں کے نقطۂ نظر کو پیش کیا ہے۔ حنفیہ کا مذہب یہ بتایا ہے کہ ایمان نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مجرد تصدیق کا نام ہے جو جازم ہو، اس تعریف کی رو سے ایمان بسیط یعنی غیر مرکب ہے، اور اس میں کمی ، بیشی کی بھی گنجائش نہیں ، یہ کلی متواطی جیسا ہے جو اپنے افراد پر بغیر تفاوت صادق آتا ہے۔ اس کے بعد شارح نے اقرار بالشہادتین کے سلسلہ میں متکلمین حنفیہ اور فقہائے حنفیہ کے نقطۂ نظر کی توضیح کی ہے ، متکلمین اقرار کو اجراء احکام کے لئے شرط کہتے ہیں اور فقہاء اسے رکن زائد مانتے ہیں کیونکہ یہ اکراہ وعجز کی حالت میں ساقط ہو جاتا ہے۔

اس کے بعد شارح نے مرجئہ کا مذہب ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ یہ لوگ ایمان صرف اعتقاد

کو کہتے ہیں، زبانی اقرار ان کے یہاں نہ رکن ہے نہ شرط، اس طرح حنفیہ کے مطابق انھوں نے عمل کو ایمان کی حقیقت سے خارج بتایا ہے، اور اس کے ایمان کا جزء ہونے کا انکار کیا ہے، لیکن حنفیہ نے عمل کی اہمیت کو محسوس کرتے ہوئے اس کی ترغیب دی ہے، اور اسے ایمان کی ترقی کا سبب قرار دیا ہے، جبکہ مرجئہ عمل کی ضرورت ہی محسوس نہیں کرتے، ان کے خیال میں نجات کے لئے صرف تصدیق کافی ہے، تصدیق کی موجودگی میں ان کے یہاں معصیت سے کوئی نقصان نہیں۔

مرجئہ کے برخلاف کرامیہ صرف نطق کو ایمان کہتے ہیں، اگر کوئی زبانی اقرار کرلے تو ان کے یہاں نجات ہوجائے گی خواہ دل سے تصدیق کرے یا نہ کرے۔

اس کے بعد سلف اور محدثین کا مذہب ذکر کیا ہے جن میں امام مالک، امام شافعی اور امام احمد کا نام لیا ہے، اور بقیہ کو "اصحاب الحدیث" کے اجمالی لقب سے یاد کیا ہے، اس مذہب کا خلاصہ یہ ہے کہ ایمان قلبی اعتقاد، زبانی اقرار اور اعضاء کے عمل کا نام ہے، اس تعریف کی رو سے ایمان مختلف اجزاء سے مرکب ہے، اور اعمال ایمان کی حقیقت میں داخل ہیں، اس مذہب کی رو سے ایمان میں کمی بیشی واقع ہے، یعنی یہ کلی مشکک کی طرح ہے جو اپنے افراد پر بتفاوت صادق آتا ہے- مذہب سلف کے دلائل کے لئے شارح نے امام بخاری کی الجامع الصحیح اور حافظ ابن تیمیہ کی کتاب الایمان کا حوالہ دیا ہے- اس کے بعد شارح نے معتزلہ اور خوارج کا مذہب ذکر کر کے مذہب سلف سے اس کے اختلاف کی بعض وجوہ اور ثمرۂ اختلاف کی جانب اشارہ کیا ہے، پھر یہ نتیجہ نکالا ہے کہ ایمان کے سلسلہ میں حنفیہ اور محدثین کا باہمی اختلاف لفظی نہیں بلکہ معنوی ہے اس کے بعد محاکمہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ قرآن وحدیث کے دلائل پر نظر کرتے ہوئے ائمہ ثلاثہ اور محدثین کا مذہب حق ثابت ہوتا ہے، اور حنفیہ کے دلائل کا جواب کتب مطولہ میں موجود ہے-

شارح نے اس کے بعد بحث کے بقیہ تین نقاط پر مختصر روشنی ڈالکر درج ذیل مآخذ کا حوالہ دیدیا ہے: شرح مسلم للنووی، فتح الباری للحافظ، کتاب الایمان لابن تیمیہ، العمدۃ للعینی اور حجۃ اللہ للدہلوی- (مرعاۃ ۱/ ۳۶)

اعتصام بحبل الله : مشکاۃ کے مصنف نے مقدمہ میں سنت نبویہ کی اہمیت بیان کرتے ہوئے "اعتصام بحبل اللہ" کا ذکر کیا ہے، قرآن کریم کی سورہ آل عمران کی آیت ۱۰۳ میں بھی اعتصام بحبل اللہ کا حکم ہے ، لہذا اس کے مفہوم کی تعیین وتوضیح ضروری ہے تاکہ اس حکم پر عمل ہوسکے ، اصولی طور پر دیکھا جائے تو "حبل اللہ" کی وہی تفسیر معتبر ہوگی جسے کلام نبوت سے استناد حاصل ہو- شارح علام نے اس اہمیت کو ملحوظ رکھتے ہوئے مذکورہ ترکیب کی ماثور ومستند تفسیر پیش فرمائی ہے ، چنانچہ پہلے الاعتصام کی تشریح تمسک وتشبت سے کی ہے پھر "حبل اللہ" تفسیر قرآن کریم سے کی ہے، اور اس کی تائید میں تین حدیثوں کی طرف اشارہ کیا ہے- پہلی حدیث الحارث الاعور کی ہے جسے انھوں نے صفت قرآن سے متعلق حضرت علی سے مرفوعا روایت کیا ہے، اسے امام ترمذی نے ذکر کیا ہے، الفاظ یوں ہیں" هو حبل الله المتين وصراطه المستقيم "- دوسری حدیث کے راوی ابو جعفر الطبری ہیں ، انھوں نے حضرت ابو سعید سے مرفوعا یہ الفاظ نقل کئے ہیں : " كتاب الله هو حبل الله الممدود من السماء الى الارض"- تیسری حدیث عبد اللہ بن مسعود ، زید بن ارقم اور حذیفہ سے مروی ہے، اور یہ سابقہ حدیث کی طرح ہے-

احادیث نبویہ کی روشنی میں "حبل اللہ" کی تعیین کے بعد شارح نے اس ترکیب کے استعارہ کی توضیح کی ہے جس سے قرآن کو حبل اللہ سے تعبیر کرنے کی معنویت پر روشنی پڑتی ہے ، چونکہ قرآن پر عمل ان علوم ومعارف کے حصول کا سبب ہے جو ابدی زندگی کا وسیلہ ہیں، اس لئے اسے حبل سے تعبیر کیا گیا ہے جس کے معنی رسی کے ہیں ، جو اس پانی تک پہنچنے کا وسیلہ ہے جو دنیوی زندگی کا سبب ہے- دوسری توجیہ یہ پیش کی ہے کہ قرآنی تعلیمات کی پابندی سے انسان کو نجات حاصل ہوتی ہے ، اور وہ جہنم کی گہرائیوں میں گرنے سے بچ جاتا ہے، جس طرح رسی کے سہارے پانی نکالنے والا انسان کنویں میں گرنے سے بچتا ہے ، اسی مناسبت کی وجہ سے قرآن کو حبل اللہ سے تعبیر کیا گیا ہے- ان سطور کے بعد ہم اندازہ کرسکتے ہیں کہ شارح رحمۃ اللہ علیہ نے حبل اللہ کی تفسیر وتشریح میں کس طرح شرعی وبلاغی دونوں پہلوؤں کی رعایت کی ہے ، ایک طرف تعیین کے لئے حدیث پیش کی ہے ، اور دوسری طرف تشریح میں

بلاغت کا حوالہ دیا ہے۔ (مرعاۃ ۱/ ۵)

نیت پر کلام : مشکاۃ کی پہلی حدیث حضرت عمرؓ سے مروی وہ متفق علیہ حدیث ہے جس میں نیت پر اعمال کے موقوف ہونے کا ذکر ہے، اس حدیث کی بنیادی اہمیت کے پیش نظر شارح نے تقریبا چار صفحات میں اس کی شرح کی ہے، اور علمی وفنی نکات کو واضح کیا ہے، بعض امور کا خلاصہ پیش ہے:

۰مشکاۃ کے مصنف نے دیگر کتب وابواب سے پہلے حدیث نیت ذکر کر کے اپنے حسن نیت کی جانب اشارہ کیا ہے، اور طالبان حدیث نبوی کو تنبیہ کی ہے کہ اس مبارک علم کی تحصیل سے قبل نیت کی تصحیح ضروری ہے، یہ علم ایسا نہیں کہ کسی معمولی مقصد کو اس کی تحصیل کی غایت قرار دیا جائے۔

شارح نے لکھا ہے کہ علماء متقدمین دینی امور میں سے ہر ایک امر کے آغاز میں اس حدیث کو ذکر کرتے تھے، خطیب نے بھی امام بخاری کے نقش قدم پر چلتے ہوئے اپنی کتاب کا آغاز حدیث نیت سے کیا ہے، اور ہر لکھنے والے کو ایسا ہی کرنا چاہیے۔ عبد الرحمان بن مہدی کا قول ہے کہ اگر میں چند ابواب پر مشتمل کوئی کتاب لکھتا تو ہر باب کے شروع میں مذکورہ حدیث کو ذکر کرتا۔ اس حدیث کی عظمت واہمیت علماء فن سے بتواتر منقول ہے، اس کا شمار ان احادیث میں ہوتا ہے جن پر دین کا مدار ہے، معروف وکبار محدثین نے اسے اسلام کا تہائی اور بعض نے چوتھائی حصہ قرار دیا ہے۔

حدیث میں اعمال کا لفظ کسی قید کے بغیر مذکور ہے، شارح فرماتے ہیں کہ اس سے وہ تمام اختیاری افعال مراد ہیں جو مکلف بندوں سے صادر ہوتے ہیں۔ پھر موصوف نے وضاحت فرمائی ہے کہ حدیث کا پہلا جملہ عقلی مقدمہ کی حیثیت رکھتا ہے جسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے آنے والے شرعی مقدمات کی تمہید وتوضیح کے طور پر ذکر فرمایا ہے۔ یہاں نیت سے اس کا لغوی مفہوم یعنی قصد وارادہ مراد ہے، شرعی مفہوم یعنی اللہ کی رضا حاصل کرنے اور اس کی فرمانبرداری کرنے کے لئے جو کام کیا جائے اس کی طرف دل کی توجہ مراد نہیں۔ یہ حدیث اصل میں صحیح اور فاسد نیتوں کے مابین فرق بیان کرنے کے لئے وارد ہوئی ہے، اس سے یہ بتانا مقصود نہیں کہ کسی کام میں نیت ہے اور کس میں نہیں۔

حدیث کے ابتدائی دو جملوں کا ماحصل یکساں معلوم ہوتا ہے، شارح نے اس کی نفی کی ہے، اور

لکھا ہے کہ پہلا جملہ یہ بتاتا ہے کہ عمل کی اچھائی وبرائی اس نیت پر موقوف ہے جس کے نتیجہ میں فعل کا وجود ہوتا ہے، اور دوسرا جملہ یہ بتاتا ہے کہ عمل کرنے والے کو اس کے عمل کا ثواب اس کی اچھی نیت کی وجہ سے اور عذاب اس کی بری نیت کی وجہ سے ہوتا ہے، حاصل یہ ہوا کہ عمل کی اچھائی برائی اس نیت کے مطابق ہوتی ہے جس سے عمل وجود میں آتا ہے، اور عمل کرنے والے کا ثواب اور عقاب اس نیت کے مطابق ہوتا ہے جس کے ذریعہ عمل کو صالح، فاسد یا مباح کہا جاتا ہے۔

حدیث کی شرح کے اختتام پر شارح نے لکھا ہے کہ لغت میں نیت ایک طرح کے قصد وارادہ کو کہتے ہیں، اور علماء کے کلام میں اس لفظ کا استعمال دو معنوں کے لئے ہوتا ہے، اول یہ کہ بعض عبادتوں کو بعض عبادتوں سے ممتاز کرنا، مثلا نماز ظہر کو نماز عصر سے، یا عبادات کو عادات سے ممتاز کرنا مثلا جنابت کو اس غسل سے جو ٹھنڈک حاصل کرنے کے لئے کیا جا ئے، فقہاء کی کتابوں میں اس نیت کا بکثرت وجود ہے- دوم یہ کہ عمل کے مقصود کو ممیز کیا جائے، یعنی جو کام کیا گیا ہے وہ خالص اللہ کے لئے ہے یا اللہ اور غیر اللہ دونوں کے لئے، عارفین اپنی کتابوں میں اخلاص کی بحث کے ضمن میں نیت کے اس مفہوم پر گفتگو کرتے ہیں، اور متقدمین سلف کے یہاں اس کا وجود زیادہ ہے، کلام نبوی میں اسے نیت، ارادہ اور اسی طرح کے دوسرے الفاظ سے دہرایا گیا ہے- زیر نظر حدیث اسی دوسرے مفہوم پر دلالت کرتی ہے، لیکن وانما لامرئ ما نوی کے عموم میں پہلا معنی بھی داخل ہے۔ (مرعاۃ ۱/ ۳۲-۳۴)

اہل کتاب : مشکاۃ میں کتاب الایمان کی دسویں حدیث میں اہل کتاب کے لئے دوہرے اجر کا ذکر ہے- شارح نے اس حدیث کے تحت پہلے اہل کتاب کی تعیین کرتے ہوئے لکھا ہے کہ گو کتاب کا لفظ عام ہے لیکن اس سے توراۃ وانجیل مراد ہے، اس کی تائید میں مسند احمد کی روایت ذکر کی ہے جس کے راوی حضرت ابو امامہ ہیں، اسی طرح ایک روایت سنن نسائی کی ہے جو حضرت عبد اللہ بن عباس سے مروی ہے صحیح بخاری کتاب الانبیاء کی ایک روایت میں" اہل کتاب" کے بجائے "آمن بعیسی" کے الفاظ ہیں، جس سے شبہ ہوتا ہے کہ دوہرا اجر صرف مسلمان ہونے والے نصرانیوں کے لئے ہے، لیکن شارح نے وضاحت کی ہے کہ راوی نے ازراہ اختصار موسی پر ایمان کا ذکر نہیں کیا ہے-

یہود ونصاری دونوں کیلئے دوہرے اجر کی تاویل پر شارح نے ایک اعتراض نقل کیا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ یہود چونکہ عیسی ؑ پر ایمان نہیں لائے تھے، اس لئے موسی علیہ السلام پر ان کا ایمان غیر معتبر ہوگیا، لہذا اگر وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائیں گے تو صرف ایک اجر کے مستحق ٹھہریں گے، پھر ان کے لئے دوہرے اجر کی توجیہ کیا ہوگی؟

شارح علیہ الرحمہ نے اس کا جواب یوں دیا ہے: بنی اسرائیل کے علاوہ جو شخص یہودیت میں داخل ہو، اور عیسی علیہ السلام کا زمانہ اور آپ کی دعوت نہ پائی ہو تو اسے مومن یہودی کہنا صحیح ہوگا، کیونکہ موسی علیہ السلام پر اس کا ایمان برقرار ہے اور عیسی علیہ السلام کی تکذیب سے ضائع نہیں ہوا ہے، لہذا ایسا شخص دوہرے اجر کا مستحق ہے، یمن وغیرہ کے عرب یہودی اسی قبیل کے تھے، انھیں عیسی علیہ السلام کی دعوت نہیں پہنچی تھی، اسی طرح عصر نبوی میں مدینہ کے یہودی بھی عیسی علیہ السلام کی دعوت سے آگاہ نہ تھے، لہذا ان سب کا موسی علیہ السلام پر ایمان برقرار تھا، اور جب وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے تو انھیں اللہ تعالی دوگنا اجر مرحمت فرمائے گا-

اس موقع پر یہ کہا جاسکتا ہے کہ مدینہ کے یہود میں سے عبداللہ بن سلام وغیرہ ایمان لائے تھے، یہ نہیں ہوسکتا کہ انھیں عیسی علیہ السلام کی بعثت کی خبر نہ ہوئی ہو، کیونکہ اس دور میں ایک شہر سے دوسرے شہر میں خبر پہنچنا ممکن تھا، اور جب خبر پہونچی تو پھر یہ تصور کہ ان لوگوں نے اس کی تکذیب کی ہوگی صحیح نہیں، ایسی صورت میں ہم کہیں گے کہ ان حضرات نے اجمالی طور پر عیسی علیہ السلام کی تصدیق کی تھی، اور اسی کا ان سے مطالبہ تھا، پھر جب اسلام میں داخل ہوئے تو دوہرے اجر کے مستحق ہوئے - البتہ اس حکم سے شام کے وہ یہودی نکل جائیں گے جن کا تعلق بنی اسرائیل سے تھا، اور جو عیسی علیہ السلام کی بعثت کے وقت موجود تھے، اور انکے سامنے عیسی ؑ نے دعوت پیش کی تھی پھر بھی انھوں نے تکذیب کی، ایسے لوگوں کے لئے دوہرے اجر کی بات نہیں کہی جاسکتی-

شارح نے اس مقام پر طیبی کا یہ قول نقل کیا ہے کہ زیر نظر حدیث کو اس کے عمومی مفہوم پر برقرار رکھا جاسکتا ہے، کیونکہ بعید نہیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانا سبب بن جائے سابقہ ایمان پر ثواب کا، چنانچہ ایک حدیث میں وارد ہے کفار کی نیکیاں ان کے اسلام کے بعد قبول کرلی جاتی ہیں-

(مرعاۃ ۱ / ۵۵)

مفہوم کی تعیین کے سلسلہ میں ایک استدراک :

کتاب الایمان میں ایک روایت معاذ بن جبل سے وارد ہے جس کا نمبر ۲۳ ہے، اس میں اللہ پر بندوں کا حق ان الفاظ میں مذکور ہے : " أن لا يعذب من لا يشرك به شيئا" یعنی شرک نہ کرنے والوں کو اللہ تعالی عذاب نہ دے- ملا علی قاری نے اس ٹکڑے کی شرح میں لکھا ہے کہ یہاں پر عذاب سے دائمی عذاب مراد ہے، لہذا صحیح احادیث میں امت کے نافرمان لوگوں کو عذاب دیئے جانے کی جو تصریح ہے وہ اس حدیث کے منافی نہیں-

شیخ الحدیث اس توضیح پر استدراک کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ مذکورہ تاویل کی ضرورت نہیں، کیونکہ عذاب نہ دینے کی بات ان لوگوں کے حق میں ہے جنھوں نے شرک سے بچ کر اللہ کی عبادت کی، اور عبادت سے یہ مراد ہے کہ بندہ فرمانبرداری کے تمام کام کرے، گناہوں سے پرہیز کرے- ساتھ ہی وہ زبان سے اقرار کرے، اور دل سے تصدیق کرے- اور جس شخص کے اندر یہ اوصاف موجود ہوں گے اسے مطلقا عذاب نہ ہوگا، اور معافی پاکر اولا جنت میں داخل ہوگا-

موصوف آگے لکھتے ہیں کہ حدیث میں عذاب نہ دینے کا جو وعدہ مذکور ہے اس کا تحقق اس وقت ہوگا جب بندہ شریعت کے تمام اوامر ونواہی کا لحاظ کرے، تمام شرعی فرائض وواجبات کی رعایت کرے، اور اس کے علاوہ فضائل و فواضل اعمال یعنی سنن ونوافل کی ادائیگی نہ کرے، کیونکہ انسان کی اولین رغبت یہ ہوتی ہے کہ وہ نقصان سے بچے، منفعت کی تحصیل کا خیال اس کے بعد آتا ہے- چنانچہ جب انسان کو معلوم ہوجاتا ہے کہ زبانی اقرار، قلبی تصدیق، فرائض پر عمل اور معاصی سے اجتناب اس کی نجات کے لئے کافی ہیں تو سنن و مستحبات کے سلسلہ میں اسکے اندر سستی پیدا ہوتی ہوجاتی ہے، اور وہ اعلی درجات حاصل کرنے کی کوشش نہیں کرتا، مذکورہ حالت گویا انسان کی جبلت ہے- چونکہ فرائض وواجبات پر اکتفاء اور سنن ونوافل کے سلسلہ میں سستی ایک طرح کا نقص ہے، اس لئے حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ کو منع فرمایا کہ لوگوں کو مذکورہ بات بتائیں-

(مرعاۃ المفاتیح ۱ / ۸۹)

سکوت ابوداؤد کا حکم

کتاب الایمان باب الکبائر کی گیارہویں حدیث حضرت انس ؓ سے مروی ہے ،

صاحب مشکاۃ نے حدیث کے اختتام پر " رواہ ابو داؤد " کہہ کر خاموشی اختیار کرلی ہے -

شارح علام نے مذکورہ جملہ کی شرح میں پہلے یہ نشاندہی فرمائی ہے کہ یہ حدیث کتاب الجہاد میں مذکور ہے ، مذکورہ حدیث کے سلسلہ میں ابوداؤد اور منذری کے سکوت کا ذکر کرکے اصول حدیث کے ایک اہم مسئلہ پر روشنی ڈالی ہے ، اور مرعاۃ کے تقریبا تین صفحات میں اس پر گفتگو مکمل کی ہے ، اسے پڑھنے کے بعد اس سوال کا تشفی بخش جواب مل جاتا ہے کہ ابو داؤد نے جن حدیثوں کے سلسلہ میں سکوت اختیار کیا ہے ان کی کتنی قسمیں ہیں ، اور ان کا کیا حکم ہے ؟

مسئلہ کی توضیح کرتے ہوئے شارح لکھتے ہیں کہ : بعض علماء نے ابوداؤد کی مسکوت عنہ ہر حدیث پر عمل کو جائز قرار دیا ہے ، اور اسے قابل احتجاج بتایا ہے ، اس کی دلیل امام ابوداؤد کے اس قول کو بنایا ہے کہ : میری اس کتاب کی جس حدیث میں شدید وہن ہے اسے میں نے بیان کردیا ہے ، اور جس حدیث کے سلسلہ میں کچھ ذکر نہیں کیا ہے وہ درست اور قابل عمل ہے ، البتہ بعض حدیث بعض سے زیادہ صحیح ہے - مزید کہا کہ : میں نے اس کتاب میں صحیح ، اس کے مشابہ اور اس کے قریب حدیثوں کو ذکر کیا ہے -

امام نووی نے تقریب میں اور حافظ ابن الصلاح نے مقدمہ میں امام ابوداؤد کا مذکورہ قول نقل کرنے کے بعد یہ تفریع کی ہے کہ : ابو داؤد کی کتاب میں جو حدیث مطلق یعنی بغیر حکم مذکور ہو ، اور صحیحین میں سے کسی میں وارد نہ ہو نیز حدیث کے حسن ، ضعف اور صحت پر کلام کرنے والے کسی محدث نے اس کے ضعف وصحت کی تصریح نہ کی ہو ، ایسی حدیث کو ہم ابوداؤد کی نظر میں حسن مانیں گے - ابن الصلاح نے مزید کہا ہے کہ مذکورہ نوعیت کی حدیث ممکن ہے دوسروں کے نزدیک حسن نہ ہو اور نہ حسن کی تعریف میں داخل ہو -

مذکورہ توضیح کے بعد شیخ الحدیث ؒ نے بطور محاکمہ اپنی رائے ذکر کی ہے جس میں ایسی تفصیل ہے کہ مسئلہ کا ہر پہلو ائمہ کے اقوال کی روشنی میں واضح ہوگیا ہے ، فرماتے ہیں کہ : میرے نزدیک حق یہ

ہے کہ محض ابو داؤد کے سکوت پر اعتماد نہ کیا جائے، نہ ان کی مسکوت عنہ حدیث سے احتجاج کے جواز کی مطلق اجازت دی جائے، کیونکہ ابو داؤد کے مذکورہ قول میں ایسے احتمالات ہیں جن سے مذکورہ مذہب کمزور بلکہ باطل ٹھہرتا ہے، شارح نے ان احتمالات کی آٹھ مثالیں دی ہیں، پھر اس بحث سے متعلق مزید امور کی توضیح کی ہے- شارح نے علامہ امیر یمانی کی تلقیح الافکار کے حوالہ سے اس مسئلہ کی تفصیل پیش کی ہے جس میں حافظ ابن حجر کا یہ قول نقل کیا ہے کہ ابو داؤد کے قول "وما فيه وهن شديد بينته" سے یہ سمجھ میں آتا ہے کہ اگر وہن شدید نہ ہو تو بیان نہیں کریں گے، اور اس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ ابوداؤد کی مسکوت عنہ تمام حدیثوں کو اصطلاحا حسن نہیں مانا جاسکتا، بلکہ ان کو درج ذیل اقسام میں تقسیم کرنا ہوگا:

(۱) جو صحیح ہو یا صحیح کی شرط پر ہو (۲) جو حسن لذاتہ کے قبیل سے ہو (۳) جو قوت حاصل کرنے (اعتضاد) کے بعد حسن کے قبیل میں داخل ہو- ابو داؤد کی کتاب میں بعد کی دو قسمیں بکثرت موجود ہیں، اسی طرح اس میں ایسی ضعیف روایت بھی موجود ہے جس کے راوی کو اجماعا متروک نہیں قرار دیا گیا ہے، ابوداؤد کے نزدیک ان قسام میں سے ہر ایک قابل احتجاج ہے، ابن مندہ نے ابو داؤد سے متعلق نقل کیا ہے کہ جب متعلقہ باب میں کوئی اور حدیث نہ ملے تو ابو داؤد ضعیف حدیث ذکر کرتے ہیں، اور ان کی نظر میں ایسی حدیث لوگوں کی رائے سے زیادہ قوی ہے- ابن عبد البر کہتے ہیں کہ ابو داؤد کی مسکوت عنہ حدیث ان کی نظر میں صحیح ہے بالخصوص جب متعلقہ باب میں دوسری حدیث نہ ہو، ابن المنذر کے بیان کے مطابق امام احمد سے مروی ہے کہ وہ عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ کی روایت سے احتجاج کرتے تھے بشرطیکہ متعلقہ باب میں کوئی دوسری روایت نہ ہو-

چونکہ ابوداؤد ضعیف راویوں کی روایات ذکر کرنے کے بعد بھی سکوت اختیار فرمالیتے تھے، اس لئے نقد و تحقیق کا تقاضہ یہ ہے کہ ایسی حدیثوں پر سکوت میں ابوداؤد کی تقلید نہ کی جائے، اور نہ ان حدیثوں سے حجت پکڑی جائے، بلکہ ایسی صورت میں دیکھا جائے کہ حدیث کا کوئی متابع ہے یا وہ غریب ہے، اگر غریب ہو تو توقف مناسب ہے خصوصا جبکہ یہ روایت زیادہ ثقہ راوی کی روایت کے خلاف ہو- ابو داؤد کے محض سکوت کی بناء پر زیادہ ضعف، انقطاع، تدلیس بالعنعنہ اور مبہم اسماء والی حدیثوں پر

حسن کا حکم نہیں لگایا جا سکتا، کیونکہ ان کا سکوت اس لئے بھی ہو سکتا ہے کہ اس راوی پر وہ اسی کتاب میں پہلے کلام کر چکے ہوں، یا ذہول کی وجہ سے کلام نہ کیا ہو، یا راوی کا شدید ضعف ظاہر ہو، یا ائمہ اس روایت کے رد پر متفق ہوں، یا اس سے روایت کرنے والے لوگوں میں باہم اختلاف ہو، چنانچہ ابو الحسن ابن العبد نے ابو داؤد سے جو روایت کی ہے اس میں کچھ رواۃ واسانید پر کلام ہے جو لؤلؤی کی روایت میں موجود نہیں جبکہ ان کی روایت زیادہ مشہور ہے- سکوت کے ان اسباب کی وجہ سے صحیح فیصلہ یہ ہے کہ ابو داؤد کے مطلق سکوت پر اعتماد نہیں کیا جائیگا نہ ایسی حدیث سے احتجاج کیا جائیگا-

امیر یمانی نے اس کے بعد حافظ ابن حجر کے حوالہ سے نووی کا یہ قول نقل کیا ہے کہ سنن ابو داؤد میں کچھ ایسی حدیثیں ہیں جن کا ضعف ظاہر ہے لیکن مصنف نے ان کو بیان نہیں کیا ہے، اس لئے ان کے سابقہ قول کی تاویل ضروری ہے- اس سلسلہ میں حق بات یہ ہے کہ سنن کی جن روایات پر ابو داؤد کی تنبیہ نہیں، اور کسی معتمد عالم نے ان کی صحت یا حسن کی تصریح نہیں کی ہے انھیں حسن مانا جائے گا، اور اگر کسی قابل اعتماد عالم نے کسی روایت کے ضعف کی صراحت کی ہے، یا صاحب معرفت کو اس کی سند میں ضعف نظر آرہا ہے اور اس کے دور کرنے کی کوئی صورت نہیں تو ایسی روایت پر ضعف کا حکم لگا دیا جائے گا اور ابوداؤد کے سکوت کا لحاظ نہیں کیا جائیگا-

امیر یمانی کہتے ہیں کہ نووی کا یہ فیصلہ بر حق ہے، لیکن خود انھوں نے شرح المہذب اور اپنی دوسری تصانیف میں اپنے مذکورہ فیصلہ کی خلاف ورزی کرتے ہوئے ابوداؤد کی مسکوت عنہ بہت سی احادیث سے استدلال کیا ہے، لہذا ان کے کلام سے دھوکہ نہ کھانا چاہئے۔

شارح علام نے امیر یمانی کی تحریر کے ذریعہ سکوت ابوداؤد کے حکم کی توضیح کے بعد اس مبحث کے اختتام پر فرمایا کہ: حافظ منذری نے اپنے اختصار میں احادیث ابوداؤد کی تنقید پر توجہ دی ہے، اور بہت سی مسکوت عنہ احادیث کا ضعف بیان کیا ہے، لہذا ایسی احادیث عمل کے جواز کے حکم سے خارج ہوں گی، اور جن احادیث کے سلسلہ میں دونوں (ابوداؤد ومنذری) نے سکوت اختیار کیا ہے وہ یقیناً قابل احتجاج ہیں، صرف چند مقامات کا استثناء ہے جن میں سے بعض کی نشاندہی میں نے اس شرح (مرعاۃ المفاتیح) میں کردی ہے، ایک تو یہی انس کی حدیث ہے، اسکے سلسلہ میں ابوداؤد اور منذری دو نوں

ساکت ہیں، لیکن اس کی سند میں ایک راوی یزید بن ابی نشبہ مجہول ہے -
(مرعاۃ المفاتیح ۱ / ۳۴ او مابعد)

لغوی تحقیق: قرآن کریم اور حدیث نبوی دونوں عربی زبان میں ہیں اس لئے ایک مسلمان کی نظر میں اس زبان کی ادبی حیثیت سے بڑھ کر دینی حیثیت ہے، اسلامی مدارس میں اسی وجہ سے عربی زبان وادب کی تدریس پر توجہ دی جاتی ہے، اور حقیقت یہ ہے کہ اسلام اور اسلامی شریعت کا مطالعہ کرنے والے جب تک اس زبان کے قواعد، بلاغی نکات ولطائف اور بیان وتعبیر کی نزاکتوں سے واقف نہ ہوں گے انھیں اپنے مقصد میں کامیابی نہ ہوگی، اسی وجہ سے ہم دیکھتے ہیں کہ پوری اسلامی تاریخ میں علماء اسلام لغت وادب کے میدان میں بھی مہارت کے حامل ہوتے تھے، ان میں سے بہت سے علماء تو ایسے ہیں جنھوں نے شرعی علوم کے ساتھ ساتھ ادبی ولغوی موضوعات پر بھی اپنی تصنیفات چھوڑی ہیں، خود سید نواب صدیق حسن بخاری قنوجی کے علمی آثار پر نظر ڈالئے تو اندازہ ہوگا کہ موصوف نے علوم شرعیہ کے ساتھ ہی علوم ادبیہ ولغویہ کی بھی زبردست خدمت انجام دی ہے، اس طرح ہم دیکھ سکتے ہیں کہ اسلامی شریعت کے ماہرین عربی زبان وادب میں بھی پورا درک اور مہارت رکھتے تھے - اس پہلو سے جب ہم مرعاۃ المفاتیح پر نظر ڈالتے ہیں تو ہمیں وہاں بھی مؤلف رحمہ اللہ کی لغوی وادبی مہارت کی جلوہ گری نظر آتی ہے، مرعاۃ کو مؤلف نے متوسط درجہ کی شرح کے لحاظ سے تصنیف کیا ہے، اس لئے مباحث میں بہت زیادہ بسط وتفصیل کے بجائے ضروری توضیح وتشریح تک خود کو محدود رکھا ہے، بالخصوص احکام شرعیہ کے علاوہ دوسرے مباحث میں، لیکن عام طور پر علماء وطلباء کی ضرورت اور ان کے ذہنی معیار کو ہر جگہ سامنے رکھا ہے -

مرعاۃ کی موجودہ نو جلدوں میں اس طرح کے لغوی وادبی نکات ومباحث بہت ہیں، ان پر کسی دوسرے مضمون میں گفتگو ہوگی، فی الحال مرعاۃ جلد اول سے صرف دو تین مثالوں پر اکتفاء کر رہا ہوں -

۱- کتاب الایمان کا دوسرا باب وسوسہ کے موضوع پر ہے، شارح علام نے پہلے وسوسہ کے مفہوم کی مختصر توضیح کرتے ہوئے لکھا ہے کہ وسوسہ ہلکی آواز کو کہتے ہیں، چنانچہ زیور کی آواز کو وسواس

کہا جاتا ہے، اور دوسرا قول یہ ہے کہ دل میں ظاہر ہونے والے خیالات اگر رذائل ومعاصی کی دعوت دیں تو انھیں وسوسہ کہا جاتا ہے، اور اگر عمدہ خصائل اور فرمانبرداری کے کاموں کی دعوت دیں تو انھیں الھام کہا جاتا ہے مزید یہ کہ وسوسہ تردد وتزلزل کے ساتھ ہوتا ہے جبکہ اطمینان واستقرار نہ ہو۔

شارح نے دلوں کے وسوسوں کی معافی سے متعلق حدیث کی شرح کے ضمن میں طیبی اور ملا علی قاری کے اقوال سے وسوسہ کی مزید تفصیل اور اس کے بعض احکام ذکر کئے ہیں، پھر فتح الباری کے حوالہ سے حافظ ابن حجر کا قدرے طویل کلام نقل کیا ہے جس میں دل کے اندر آنے والے خیالات کو مختلف درجات میں تقسیم کر کے ہر ایک کو اس کا مستقل نام دیا گیا ہے، اور شریعت میں اس کے لئے جو حکم ثابت ہے اس کی توضیح کی گئی ہے - اسکے بعد سبکی الکبیر کے کلام کی تلخیص میں حفنی کا درج ذیل قول نقل کیا ہے: دل میں آنے والی بات کے پانچ درجات ہیں یعنی ہاجس، خاطر، حدیث نفس، ھم اور عزم- جب دل میں کوئی بات ابتداء آئے تو اسے ہاجس کہتے ہیں، اگر انسان اس چیز کو شروع ہی میں دور کرنے میں کامیاب ہوجائے توبعد کے درجات کا سوال نہیں پیدا ہوگا، اور جب دل میں آنے والی بات نفس میں گھومتی رہے لیکن انسان کے اندر اسے عملی شکل دینے یا نہ دینے کا ارادہ نہ پیدا ہو تو اسے خاطر کہیں گے- اور اگر عملی شکل دینے یا نہ دینے کا ارادہ بغیر کسی پہلو کی ترجیح کے پیدا ہو تو اسے حدیث نفس کا نام دیا جائے گا- ان تینوں درجات کا تعلق شر سے ہو تو کوئی عقاب نہ ہوگا، اور اگر خیر سے ہو تو ثواب نہ ہوگا- اگر اس صورت میں فعل کا صدور ہو تو انسان کو فعل پر عقاب یا ثواب ہوگا، ھاجس، خاطر یا حدیث نفس پر نہیں- اور جب نفس میں فعل اور عدم فعل دونوں کا ارادہ ہو لیکن فعل کا پہلو راجح ہو اور ترجیح قوی نہ ہو بلکہ وہم کی طرح مرجوح ہو تو اسے ھم کہیں گے، اس کا تعلق خیر سے ہو تو انسان ثواب کا مستحق ہوگا، اور اگر شر سے تعلق ہو تو عقاب نہ ہوگا- اور اگر فعل کا پہلو قوی ہو کر جزم کی صورت اختیار کرلے اور اس کے ترک پر قدرت نہ رہے تو اسے عزم کہیں گے، اس کا تعلق خیر سے ہو تو اس پر ثواب اور شر سے ہو تو اس پر عقاب ہوگا۔ (مرعاۃ ۱ / ۱۴۲ ومابعد)

۲- کتاب الایمان میں حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ایک حدیث میں " سبع مائة ضعف " کے الفاظ وارد ہوئے ہیں، یعنی نیک عمل کا اجر دس گنے سے سات سو گنے تک ہوتا ہے- اس حدیث میں شارح

لفظ " ضعف" کی لغوی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ : ازہری کا قول ہے کہ کلام عرب میں ضعف سے مثل مع زیادتی مراد ہے ، یہ مثلین تک محدود نہیں بلکہ اس سے دو چند اور سہ چند بھی مراد لے سکتے ہیں کیونکہ ضعف سے اصل میں غیر محدود زیادتی مراد ہے ، اسی لئے ضعف کا کم سے کم مثل اور زیادہ سے زیادہ سے زیادہ غیر محدود ہے- (مرعاۃ ۱ / ۱۱۶)

۳- کتاب الایمان کے تیسرے باب کا عنوان " ایمان بالقدر " ہے ، شارح علیہ الرحمتہ نے " قدر" کی تشریح میں تفصیل سے کام لیا ہے ، لکھتے ہیں کہ اس لفظ میں قاف اور دال دونوں مفتوح ہیں ، لیکن کبھی دال کے سکون کے ساتھ بھی بولتے ہیں- امام راغب کا قول ہے کہ وضع کے لحاظ سے قدر کا لفظ قدرت اور مقدور دونوں پر دلالت کرتا ہے ، اور اس کا حاصل یہ ہے کہ کوئی چیز علم ، ارادہ اور قول کے مطابق کسی حالت اور کسی وقت میں موجود ہوجائے - " قدر الله الشئی" دال کی تشدید و تخفیف کے ساتھ بولتے ہیں تو اس کا مفہوم قضاء اور فیصلہ ہوتا ہے - جزری کا قول ہے کہ جس چیز کا اللہ تعالی فیصلہ اور حکم کرے اسے قدر کہتے ہیں-

صاحب قاموس کا قول ہے کہ " قدر " بحرکت قضا اور حکم کو کہتے ہیں- اس قول سے معلوم ہوتا ہے کہ قدر وقضا دونوں کے معنی ایک ہیں، لیکن دونوں میں کبھی یوں فرق بیان کیا جاتا ہے کہ ازل میں اجمالی طور پر کلیات کے حکم کو قضا کہتے ہیں ، اور ان کلیات کی جو جزئیات تا ابد واقع ہوں گی ان کے حکم کو قدر کہتے ہیں - تفریق کے سلسلہ کا ایک قول یہ ہے کہ قضا اس ازلی ارادہ کو کہتے ہیں جو ایک مخصوص ترتیب پر موجودات کے نظام کا مقتضی ہو ، اور اشیاء کے ساتھ ان کے اوقات میں اس ارادہ کے تعلق کو قدر کہتے ہیں ، اس بنا پر قضا کو قدر پر سبقت حاصل ہے ، اللہ تعالی کا ارشاد ہے (یمحوا الله ما یشاء ویثبت وعنده ام الکتاب) اس آیت میں محو واثبات سے قدر مراد ہے ، اور " وعنده ام الکتاب " سے قضا کی طرف اشارہ ہے ، شارح نے آیت کی توضیح کے لئے جلالین پر شیخ سلیمان الجمل کے حاشیہ کی جانب رجوع کا مشورہ دیا ہے ، اور ان کی مفصل گفتگو کو عمدہ قرار دیا ہے - بعض لوگوں کے نزدیک قدر سے تقدیر اور قضا سے خلق بمطابق تقدیر مراد ہے ، اس صورت میں قدر کو قضا پر سبقت حاصل ہے - شارح نے

غزالی کی کتاب المقصد الأسنی فی شرح الاسماء الحسنی سے ان کا یہ قول نقل کیا ہے کہ اس موقع کے لئے تین الفاظ وارد ہیں - یعنی حکم، قضا اور قدر - پھر غزالی نے ان کے باہمی فرق کو تفصیل سے ذکر کیا ہے اس تفصیل کے بعد شارح نے ایمان بالقدر کا مفہوم بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ انسان یہ عقیدہ رکھے کہ دنیا میں جو خیر وشر اور نفع ونقصان ہے اور بندوں کے جو اعمال ہیں وہ سب اللہ کی قضا، قدر، ارادہ، مشیت، خلق اور تاثیر سے ہیں، لیکن اس کی رضا اور ثواب ایمان وطاعت پر ہے، اور ناراضگی وعقاب کفر ومعصیت پر - (مرعاۃ ۱ / ۱۵۸)

اصولی بحث

۱ - باب الوسوسہ کی ایک حدیث کے بعد ترمذی کا قول "حدیث غریب" مذکور ہے، شارح نے اس مقام پر ترمذی کے تعلق سے اصول حدیث کی معروف بحث ذکر کی ہے، سب سے پہلے انھوں نے نسخوں کے فرق کی طرف اشارہ کیا ہے، اور غرابت کی تعریف کے لئے اصول حدیث کی کتابوں کا حوالہ دیا ہے - اس کے بعد مذکورہ مسئلہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ایک حدیث میں غرابت وحسن دونوں کے اجتماع میں بعض لوگوں نے اشکال محسوس کیا ہے، یعنی امام ترمذی کے نزدیک حسن میں تعدد طرق معتبر ہے، اس کی وضاحت انھوں نے اپنی کتاب العلل میں کی ہے، پھر حسن حدیث غریب کیسے ہوسکتی ہے - اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ حسن میں مطلقا تعدد طرق کا اعتبار نہیں بلکہ اس کی صرف ایک قسم میں ہے، اور جہاں حسن وغرابت دونوں کے اجتماع کا حکم ہے وہاں حسن کی دوسری قسم مراد ہے - بعض لوگوں نے جواب میں یہ کہا ہے کہ حسن غریب کہہ کر امام ترمذی اختلاف طرق کی جانب اشارہ کرنا چاہتے ہیں، یعنی اس حدیث کے بعض طرق حسن ہیں، اور بعض غریب - ایک جواب یہ دیا گیا ہے کہ اس عبارت میں حسن کے بعد "او" کا لفظ محذوف ہے، یعنی شک اور تردد ہے کہ حدیث حسن ہے یا غریب - بعض لوگوں نے حسن کے لغوی واصطلاحی مفہوم کی بات کہہ کر جواب دینے کی کوشش کی ہے، لیکن یہ قابل توجہ نہیں - شارح نے اس کے بعد شرح نخبتہ کے حوالہ سے حافظ ابن حجر کا جواب نقل کیا ہے -

اس کے بعد شیخ الاسلام تقی الدین ابن تیمیہ کا قول ان کے فتوی سے نقل کیا ہے جس میں انھوں نے کہا ہے کہ ترمذی پر اعتراض کرنے والے انکی مراد سمجھ نہیں سکے ہیں، اہل حدیث جب یہ کہتے ہیں کہ "هذا الحديث غريب" تو ان کی مراد یہ ہوتی ہے کہ من هذ الوجه ، چنانچہ وہ کبھی اس کی وضاحت کردیتے ہیں کہ غریب من هذا الوجه ، ایسی صورت میں حدیث کسی اور طریق سے ان کے یہاں صحیح اور معروف ہوتی ہے ، اور اسی صحیح ومعروف متن کو کسی اور طریق سے روایت کرتے ہیں جو غریب ہوتا ہے لہذا جب ترمذی حسن غریب کہتے ہیں تو کبھی اس سے یہ مراد لیتے ہیں کہ غربت اس طریق میں ہے لیکن متن حدیث کے شواہد ہیں جن سے حدیث حسن کے درجہ کو پہنچ جاتی ہے - (مرعاۃ ۱ / ۱۵۳)

۲- ایمان بالقدر کے باب کی حدیث ۳۸ کے اختتام پر امام ترمذی کا قول ہے کہ "هذا حديث حسن صحيح ، غريب" یعنی ایک ہی حدیث کے لئے صحت ، حسن اور غرابت کے تین اوصاف جمع کردیئے ہیں ، شارح علام نے اس کی توجیہ مرعاۃ کے دو صفحات میں کی ہے ، لکھتے ہیں کہ غرابت وصحت میں کوئی تضاد نہیں ، ایک ہی حدیث میں یہ دونوں وصف جمع ہوسکتے ہیں ، اسی طرح ہم پہلے بتا چکے ہیں کہ غرابت وحسن میں بھی تضاد نہیں ، دونوں وصف ایک حدیث میں جمع ہوسکتے ہیں ، البتہ حسن وصحت کے ایک جگہ اجتماع پر اشکال ہے کیونکہ حسن کا درجہ صحیح سے کم تر ہے -

شارح نے اس کے متعدد جوابات ذکر کئے ہیں ، اور جس جواب میں کوئی سقم ہے اسے بھی واضح کیا ہے - ایک جواب یہ ہے کہ کسی حدیث کی دو سندیں ہوسکتی ہیں ، ایک صحیح دوسری حسن ، لہذا دونوں طرح کے حکم اس پر لگائے جاسکتے ہیں - اس پر یہ اعتراض ہے کہ حسن صحیح کا حکم بعض ایسی حدیثوں پر بھی لگایا گیا ہے جس کے بارے میں ترمذی کا قول ہے کہ لا نعرفه الا من هذا الوجه ، ایسی صورت میں دو اسنادوں کا سوال نہیں پیدا ہوتا - ایک جواب یہ ہے کہ روایت کی قبولیت کے لئے رواۃ کے جو اوصاف ہیں ان کے درجات متفاوت ہیں جیسے تیقظ ، حفظ اور اتقان ، اور جب کسی راوی میں کوئی ادنی درجہ کا وصف مثلا صدق اور عدم اتہام بالکذب موجود ہو تو اس کے ساتھ اس سے اعلی درجہ کی صفت مثلا حفظ واتقان کے موجود ہونے میں کوئی تضاد نہیں ، لہذا کسی روایت میں اگر حفظ مع صدق پایا جائے تو صدق کا لحاظ کرکے اسے حسن اور حفظ واتقان کا لحاظ کرکے اسے صحیح کہہ سکتے ہیں - اس تفصیل کی بنیاد پر لازم

آئیگا کہ ہر صحیح حدیث حسن ہو، اس کی تائید احادیث صحیحہ کے سلسلہ میں محدثین کے قول " ھذا حدیث حسن " سے ہوتی ہے، یہ چیز متقدمین کے کلام میں موجود ہے - ایک جواب یہ ہے کہ ترمذی کے قول حسن صحیح سے یہ مراد ہے کہ حدیث صحت وحسن کے مشابہ ہے، یعنی اس کا درجہ صحیح سے کم ہے، گویا مقبول حدیث کے تین مراتب ہیں، صحیح سب سے اعلی، حسن ادنی اور تیسرا درجہ وہ ہے جس میں دونوں کی مشابہت ہے، اس توجیہ پر بھی اعتراض ہے - ایک جواب یہ ہے کہ ترمذی حسن صحیح سے ترادف مراد لے رہے ہیں، یعنی پہلے لفظ کے بعد دوسرا لفظ تاکید کے لئے لایا گیا ہے، جیسے " حدیث صحیح ثابت " یا " حدیث صحیح جید قوی " وغیرہ کہتے ہیں - شارح نے اس جواب پر بھی اعتراض ذکر کیا ہے - ایک جواب یہ ہے کہ ترمذی ایک ہی حدیث پر دو طرح کا حکم دو حالتوں او دو وقتوں کے لحاظ سے لگا رہے ہیں، یعنی کسی حدیث کو انھوں نے کسی شیخ سے اس کے مستور یا مشہور بالصدق والامانتہ ہونے کے وقت روایت کیا، پھر شیخ کی حالت میں ترقی ہوئی اور وہ درجۂ عدالت تک پہنچ گیا، اور انھوں نے اسی حدیث کو ترقی کے بعد بھی سنا، اور مذکورہ ترکیب استعمال کر کے دونوں اوصاف کی طرف اشارہ کر دیا - ایک جواب یہ ہے کہ ترمذی کے اجتہاد کی رو سے حدیث حسن ہو، اور دوسرے کے اجتہاد کی رو سے صحیح، یا اس کے برعکس صورت ہو - ایک جواب یہ ہے کہ حسن لذاتہ اور صحیح لغیرہ ہو، یعنی حسن کا اعلی اور صحت کا ادنی درجہ اس کے اندر موجود ہو - ایک جواب یہ ہے کہ ترمذی کا مدعا یہ ہو کہ حدیث اسناد کے لحاظ سے حسن اور حکم کے لحاظ سے صحیح ہے، لیکن اس پر اعتراض یہ ہے کہ ترمذی نے اکثر صحیح الاسناد احادیث پر یہ حکم لگایا ہے، شارح نے بحث کے اختتام پر لکھا ہے کہ ترمذی کے حاشیہ قوت المغتذی کا یہ خلاصہ ہے - (مرعاۃ ۱ / ۲۰۵)

فطرت کا مفہوم

ایمان بالقدر کے باب میں ابو ہریرہ کی حدیث میں رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ : ہر بچہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے، شارح نے فطرت کی تشریح کرتے ہوئے لکھا ہے کہ : فطرت کا مفہوم حالت وہیئت ہے، حدیث میں فطرت سے کیا مراد ہے اس سلسلہ میں علماء سلف کے اقوال مختلف ہیں، مشہور قول یہ ہے کہ اس سے اسلام مراد ہے، امام بخاری نے اس مفہوم کو جزم سے متعین کیا ہے، سلف میں سے بہتوں نے

اسے راجح قرار دیا ہے، بعض روایتوں میں فطرت کی جگہ ملت کا لفظ ہے، اس سے بھی سابقہ مفہوم کی تائید ہوتی ہے، ابو ہریرہ نے فطرۃ اللہ التي فطر الناس علیها والی آیت سے استدلال کیا ہے، اس سے بھی مذکورہ مفہوم کی تائید ہوتی ہے کیونکہ مفسرین کا اتفاق ہے کہ آیت میں فطرت سے اسلام مراد ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ حدیث اور آیت میں فطرت سے وہ حالت وہیئت مراد ہے جس پر اللہ نے مخلوق کو پیدا کیا ہے، اس میں خالق کو پہچاننے کی صلاحیت، دین کو قبول کرنے کی آمادگی، ہدایت کو اختیار کرنے کی قدرت اور حق کو قبول کرنے نیز اچھے برے کام میں تمیز کرنے کی اہلیت ہوتی ہے، اگر بچہ کو اس کی اسی پیدائشی حالت پر چھوڑ دیا جائے اور والدین اور دوسرے لوگوں کی طرف سے کوئی آفت نہ لاحق ہو تو وہ اپنی اسی حالت پر باقی رہے گا، اور اس دین کے علاوہ کوئی دوسرا دین اختیار نہ کرے گا جس کا حسن عقلمندوں کے نزدیک ظاہر اور طبیعتوں میں جاگزیں ہے۔ فطرت کے اس مفہوم میں کسی کے لئے کسی تبدیلی کی گنجائش نہیں، اگر کوئی شخص اس کے تقاضوں کے خلاف چلے گا تو اس کے خلاف حجت قائم ہوگی، اور اسے فطرت کی تبدیلی نہیں مانا جائے گا، شارح نے اس مفہوم کو زیادہ راجح واولی قرار دیا ہے، پھر لکھا ہے کہ قرطبی کا میلان بھی اسی کی طرف ہے، چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالی نے بنی آدم کے دلوں کو حق کی قبولیت کے لئے پیدا کیا ہے، جس طرح آنکھوں کو دیکھنے اور کانوں کو سننے کے لئے بنایا ہے، لہذا جب تک وہ اس قبولیت واہلیت پر باقی رہیں گے حق کو اور دین اسلام کو قبول کریں گے، اسی مفہوم کو توربشتی، طیبی اور شاہ ولی اللہ نے مختار وراجح قرار دیا ہے، اور شاہ صاحب نے موطا کی شرح میں کہا ہے کہ حدیث کی تشریح میں جو اقوال ہیں ان میں یہ زیادہ صحیح ہے۔ (مرعاۃ ۱/ ۱۷۵)

اثبات عذاب قبر

کتاب الایمان کا چوتھا باب عذاب قبر کے اثبات کا ہے، موضوع کی اہمیت کے پیش نظر شارح نے عذاب قبر کے ثبوت کو دلائل سے واضح کیا ہے، اور اس سلسلہ میں جو شبہات پیدا ہوتے ہیں ان کو دفع کیا ہے، پہلے اللمعات کے حوالہ سے قبر کا مفہوم متعین کیا ہے، کیونکہ اس کے اصل مفہوم کو نہ سمجھنے سے بھی بعض شبہات پیدا ہوتے ہیں، چنانچہ کہتے ہیں کہ قبر سے عالم برزخ مراد ہے، اور دلیل یہ آیت ہے (ومن

ورائھم برزخ الی یوم یبعثون۔ ۲۳ : ۱۰۰) یہ عالم دنیا اور آخرت کے درمیان ہے ، اور دونوں سے اس کا تعلق ہے ، قبر سے وہ گڈھا مراد نہیں جس میں مردہ دفن کیا جاتا ہے ، کیونکہ بعض مردے دفن ہی نہیں کئے جاتے ، مثلا ڈوب کر یا جل کر مرنے والا اور جسے کوئی جانور کھا گیا ہو ، پھر بھی ان سب کو عذاب یا راحت ملتی ہے ، اور ان سے سوال ہوتا ہے ۔ ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب قبر میں عذاب وراحت دونوں واقع ہوتے ہیں تو صرف عذاب کو کیوں خاص کیا ؟ جواب یہ ہے کہ کفار اور نافرمانوں کی کثرت کے سبب عذاب ہی زیادہ ہوتا ہے ، اس لئے اسی کا ذکر کیا ہے ، لیکن مقصود یہ ہے کہ عذاب وثواب دونوں کو ثابت کیا جائے ، شارح علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ برزخ سے کیا مراد ہے ، اس کی توضیح میں جو بیان مذکور ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ برزخ نام ہے اس عالم مشہود کی زندگی کے خاتمہ اور دوسری زندگی کے آغاز کا ، چونکہ دنیوی زندگی کے خاتمہ کے بعد ہی سے تکلیف یا آرام کا کچھ نہ کچھ سلسلہ شروع ہو جاتا ہے ، اس لئے برزخ کو دار الجزاء کا پہلا مرحلہ مانا جاتا ہے ، پھر قیامت کے دن ہر شخص کو جنت یا جہنم میں داخل کر کے پورا بدلہ دیا جائے گا ۔ برزخ کے عذاب اور نعمت کو قبر کی طرف منسوب کرنے کی وجہ یہ ہے کہ ان کا اکثر قبر ہی میں واقع ہوتا ہے ، اور مردوں کو عام طور پر دفن ہی کیا جاتا ہے ، ورنہ کفار اور نافرمان لوگوں کو دفن کے بغیر بھی عذاب ہوتا ہے ۔ بعض لوگوں نے کہا کہ دفن کے سلسلہ میں کسی تاویل کی ضرورت نہیں ، کیونکہ قبر زمین کی اس جگہ کا نام ہے جہاں مردہ رہے ، اور بلا شبہ دنیوی زندگی کے خاتمہ کے بعد انسان کا محل ومسکن زمین ہی ہے جو موت سے پہلے بھی اس کا مسکن تھی ، اللہ تعالی فرماتا ہے ﴿ الم نجعل الأرض كفاتا 'احياء وأمواتا ﴾ (۷۷ : ۲۵'۲۶) یعنی کیا ہم نے زمین کو زندوں اور مردوں کو سمیٹنے والی نہیں بنایا ؟ لہذا مردہ خواہ ڈوب کر مرے یا جل کر یا اسے درندہ کھا جائے یا پرندے یا مچھلیاں کھا جائیں ہر صورت میں اس کا مستقر زمین ہی ہے ۔

اس کے بعد شارح فرماتے ہیں کہ : معلوم ہونا چاہئے کہ عذاب قبر کے ثبوت پر کتاب وسنت کے بہت سے دلائل ہیں ، اور اس پر اہل سنت کا اجماع ہے ، عقلی اعتبار سے بھی اس میں کوئی رکاوٹ نہیں کہ اللہ تعالی جسم کے بعض یا تمام حصوں میں زندگی ڈال کر اسے ثواب یا عذاب دے ، میت کے اجزاء منتشر ہونے سے کوئی فرق نہیں ، کیونکہ جو ذات حشر کے دن مردہ کو اٹھائے گی وہ موت کے بعد بھی اس بات پر

قادر ہے کہ روح کو جسم کے متفرق اجزاء سے جوڑ دے۔ مصابیح الجامع میں مرقوم ہے کہ عذاب قبر کے سلسلہ میں احادیث بہت ہیں، اسی لئے متعدد لوگوں نے کہا ہے کہ یہ متواتر ہیں، ان میں کذب کا شائبہ نہیں، اگر یہ صحیح نہ ہوں تو پھر دین کی کوئی بات صحیح نہ ہوگی۔ ابو عثمان الحداد کہتے ہیں کہ آیت کریمہ ﴿ لا یذوقون فیها الموت الا الموتة الأولى ـ ٤٤ / ٥٦ ﴾ سے عذاب قبر کی مخالفت ثابت نہیں، کیونکہ اللہ تعالی نے قیامت سے پہلے شہداء کی زندگی کی خبر دی ہے، اور یہ مذکورہ آیت سے مراد نہیں، اسی طرح حشر سے قبل مقبور کی زندگی بھی مراد نہ ہوگی۔

ابن المنیر کہتے ہیں کہ اس مسئلہ کا مشکل ترین پہلو یہ ہے کہ اگر مردوں کے لئے قبر میں زندگی ثابت کی جائے تو پھر اس زندگی کے بعد موت کا اثبات بھی ضروری ہوگا تاکہ ﴿ لمن الملك اليوم ـ ٤٠ / ١٦ ﴾ کہنے کے موقع پر تمام مخلوق موت میں شریک رہے، ایسی صورت میں موت کا تعدد لازم آئے گا، حالانکہ سابقہ آیت میں اس کی نفی ہے، یعنی دنیا کی موت کے بعد دوسری موت نہ ہوگی۔

اس اشکال کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ لا یذوقون فیها الموت سے موت نہیں بلکہ موت کی تکلیف مراد ہے، اور جو موت پہلی موت کے بعد اخروی زندگی میں طاری ہوگی اس کی تکلیف کا احساس نہ ہوگا، چنانچہ عرب کے لوگ موت کا لفظ تکلیف دہ چیز کے لئے استعمال کرتے ہیں، اس کا یہ معنی نہیں ہوتا کہ وہ حیات کی ضد ہے، اس مفہوم کی بنا پر توجیہ یہ ہوگی کہ اللہ تعالی دوسری زندگی کے لئے ایک ضد پیدا کر دے گا جس سے وہ معدوم ہو جائے گی، لیکن اسے موت کا نام نہیں دیں گے، ایسا کرنے کی وجہ یہ ہے کہ تمام عقلی و نقلی اور لغوی دلائل کے مابین تطبیق ممکن ہو سکے، انتہی۔ شارح اس اقتباس کے بعد فرماتے ہیں کہ: ملاحدہ، زنادقہ، خوارج میں سے کچھ لوگوں کا اور بعض معتزلہ کا دعوی ہے کہ قرآن کریم میں عذاب قبر کا ذکر نہیں ہے، ان کا خیال ہے کہ اس کا ذکر صرف اخبار آحاد میں آیا ہے، لیکن ان حضرات کا یہ خیال غلط ہے، حافظ ابن القیم نے کتاب الروح میں مذکورہ شبہ اور اس کی تردید بتفصیل ذکر کی ہے، اس کا مطالعہ کرنا چاہیئے، یہ بڑی عظیم الشان اور بے نظیر کتاب ہے، اس میں مردوں اور زندوں کی روحوں پر بھی کلام ہے۔ (مرعاۃ ۱ / ۲۱۷)

اس کے بعد حضرت انس ؓ کی متفق علیہ روایت میں قبر میں مردہ سے سوال وجواب کا ذکر ہے،

اس حدیث میں تفصیل ہے کہ یہ سوال وجواب منافق وکافر سے بھی ہوگا ۔ اس مقام پر شارح ؒ نے لکھا ہے کہ قبر کے سوال کے سلسلہ میں علماء کا اختلاف ہے کہ اس حکم میں مسلمان ، منافقین اور کفار سب شامل ہیں یا یہ صرف مسلم ومنافق کے ساتھ مخصوص ہے ۔ علامہ ابن عبد البر ؒ اور سیوطی ؒ کا میلان یہ ہے کہ سوال صرف ایمان کا دعوی کرنے والوں سے ہوگا خواہ وہ بر حق ہوں یا باطل پرست ۔ شارح فرماتے ہیں کہ اس خیال کی کتاب وسنت میں کوئی دلیل نہیں ، حق بات یہ ہے کہ منافق کے علاوہ کافر سے بھی قبر میں سوال ہوگا ، کیونکہ اس سلسلہ میں بہت سی مرفوع صحیح حدیثیں وارد ہیں ، انہیں حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں ذکر کیا ہے ، ترمذی الحکیم اور قرطبی نے بھی اس کو قطعی طور پر مانا ہے ۔ سوال کی عمومیت کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ انس ؓ کی زیر نظر روایت میں منافق وکافر کا ذکر واو عطف کے ساتھ وارد ، جس کا تقاضہ ہے کہ دونوں الگ الگ شخص ہوں ، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ منافق اور وہ کافر جسے اسلام کی دعوت پہنچی ہے ، دونوں سے قبر میں سوال ہوگا ۔ شارح نے اس مقام پر اس روایت کا بھی ذکر کیا ہے جس میں " أما الكافر أو المنافق " کے الفاظ ہیں ، پھر فرمایا ہے کہ یہ روایت "واو" والی روایت کے خلاف نہیں ، پھر متعدد احتمالات ذکر کر کے ہر ایک کی تردید کی ہے ، اور یہ نتیجہ نکالا ہے کہ اگر حدیث میں صرف منافق کا ذکر بھی وارد ہو تو بھی سوال سے کفار کے خارج ہونے کی بات صحیح نہیں ، اس کے بعد کتاب الروح سے امام ابن القیم کا قول نقل کیا ہے کہ قرآن وسنت سے معلوم ہوتا ہے کہ سوال کافر ومسلم ہر ایک سے ہوگا ، آیت کریمہ (ويثبت الله الذين آمنوا بالقول الثابت في الحياة الدنيا وفي الآخرة ' ويضل الله الظالمين ' ويفعل الله ما يشاء ـ ١٤/٢٧) صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ یہ آیت عذاب قبر کے بارے میں نازل ہوئی ہے ، پھر انہوں نے انس ؓ کی مذکورہ حدیث کے علاوہ وہ حدیثیں ذکر کی ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ قبر میں مسلم ، منافق اور کافر ہر ایک سے سوال ہوگا ۔ حافظ ابن حجر کہتے ہیں کہ کافر سے سوال والی حدیثیں مرفوع ہیں ، اور ان کے صحیح طرق کثیر ہیں ، اس لئے ان کو قبول کرنا اولی ہے ۔

(مرعاۃ ۱/۲۲۱)

افتراق امت کی بحث

کتاب الایمان کا پانچواں باب اعتصام بالکتاب والسنہ کا ہے، اس باب کی حدیث نمبر ۳۲ کے راوی عبد اللہ بن عمرو ہیں، اس میں ذکر ہے کہ بنی اسرائیل بہتر فرقوں میں بٹے، اور میری امت ۷۳ فرقوں میں بٹے گی، سوائے ایک فرقہ کے سب جہنمی ہوں گے۔ شارح علام اس مفہوم کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ: تہتر فرقوں میں سے ہر ایک کا دین دوسرے سے مختلف ہوگا، حدیث میں افتراق کا جو ذکر ہے اس سے مطلق افتراق مراد نہیں کہ خلفاء راشدین، صحابہ، تابعین اور ائمہ مجتہدین کے فروعی مسائل میں اختلاف کو اس میں داخل کیا جائے، بلکہ یہاں مقید افتراق مراد ہے، یعنی ایسا افتراق جس کے نتیجہ میں امت کے افراد مختلف جماعتوں، گروہوں اور فرقوں میں بٹ گئے ہیں، اور ان کے مابین کسی طرح کی الفت، تعاون اور باہمی مدد کے بجائے دوری، بے تعلقی، عداوت، دشمنی، تضلیل، تکفیر اور تفسیق پیدا ہو گئی ہے۔ ان کے اس افتراق سے دلوں کی دوری اور بغض وعداوت کا پتہ چلتا ہے، اور اس کا سبب شریعت میں بدعت کی ایجاد اور سنت کی مخالفت ہے، کوئی دنیوی امر یا ایسی معصیت نہیں جس میں بدعت کا دخل نہ ہو۔ ایک قول یہ ہے کہ ابتداع سے اصول وعقائد میں ابتداع مراد ہے، فروع واعمال میں نہیں۔ علقمی کہتے ہیں کہ ہمارے شیخ امام ابو منصور عبد القاہر بن طاہر تمیمی نے مذکورہ حدیث کی شرح میں ایک کتاب لکھی ہے جس میں ذکر ہے کہ علماء مذاہب جانتے ہیں کہ مذموم فرقوں سے وہ فرقے مراد نہیں جو فقہی فروع میں مختلف ہیں، بلکہ ان لوگوں کی مذمت کی گئی ہے جو اصول توحید، تقدیر خیر وشر، شروط نبوت ورسالت اور موالاۃ صحابہ وغیرہ بنیادی مسائل میں اہل حق کے مخالف ہیں۔ امام شاطبی الاعتصام میں کہتے ہیں کہ مذکورہ فرقے اس لئے وجود میں آئے ہیں کہ انھوں نے دین کے کلی مفہوم اور شریعت کے قواعد میں سے کسی قاعدے کے اندر فرقۂ ناجیہ کی مخالفت کی ہے، کسی جزئی مسئلہ میں مخالفت کی وجہ سے مذکورہ حکم نہیں لگا ہے، کیونکہ جزئیات میں مخالفت سے تفرق وگروہ بندی نہیں پیدا ہوتی، بلکہ کلی امور میں مخالفت کے نتیجہ میں تفرق پیدا ہوتا ہے، اس کے بعد انھوں نے مذکورہ فرقوں کے افتراق کے اسباب اور فرقۂ ناجیہ کے ساتھ ان کی مخالفت نیز انکی بدعتوں کا ذکر کیا ہے۔

شارح نے اس کے بعد فرقوں کی تعداد کے مفہوم میں علماء کے اختلاف کا تذکرہ کیا ہے، اس سلسلہ میں ایک قول یہ ہے کہ حدیث میں مذکور عدد سے کثرت مراد ہے نہ کہ تحدید، یعنی مذموم فرقوں کی تعداد سیکڑوں سے بھی بڑھ سکتی ہے، ایک قول یہ ہے کہ حدیث میں مذکور تعداد سے غیر ناجی فرقوں کی تعداد کم نہیں ہوسکتی، البتہ زائد کی نفی مقصود نہیں، ایک قول تحدید کا ہے یعنی بدعتی فرقے اپنی شاخوں سمیت مذکورہ تعداد سے زیادہ نہیں ہوسکتے - اس کے بعد شارح نے ان فرقوں کی تعیین کے سلسلہ میں علماء کے مختلف اقوال و توجیہات کا ذکر کیا ہے، پھر امام شاطبی کا یہ قول نقل کیا ہے مذکورہ فرقوں کی نام بنام تعیین نہیں کی جاسکتی، البتہ انھیں علامتوں سے پہچانا جاسکتا ہے، اور یہ علامتیں بھی دو طرح کی ہیں، ایک اجمالی، دوسری تفصیلی - اجمالی علامتیں تین ہیں: ایک فرقت، دوم اتباع متشابہ القرآن، سوم اتباع الھوی- ان علامتوں کے بعد انھوں نے ان کی معرفت کا ذریعہ اور اس سلسلہ میں جس کی طرف رجوع کرنا ہے اس کا ذکر کیا ہے - اور تفصیلی علامتوں کے سلسلہ میں وضاحت کی ہے کہ قرآن وسنت میں ان پر تنبیہ واشارہ موجود ہے-

اس کے بعد شارح نے "الا ملة واحدة" کے استثناء پر گفتگو کی ہے، اوراس کا یہ مفہوم بتایا ہے کہ ایک ملت کے لوگ عقائد کے اختلاف کی وجہ سے جہنم میں نہیں داخل ہوں گے، پھر "قیل" کہہ کر ایک دوسرا مفہوم یہ بتایا کہ گمراہ ملتوں والے اپنی بدعتوں کے سبب جہنم میں داخل ہوں گے، پھر اللہ کی رحمت سے جہنم سے نکال کر جنت میں داخل کئے جائیں گے، لیکن ایک ملت کے لوگوں کا حال اس سے مختلف ہوگا، یعنی وہ جہنم میں بالکل داخل ہی نہ ہوں گے بلکہ اولا جنت ہی میں داخل ہوں گے، اور یہ وہ لوگ ہوں گے جو کتاب وسنت کی پابندی کرتے ہیں، صحابہ کی جماعت کے موافق ہیں، اعتقادی، عملی اور قولی بدعتوں سے کلی طور پر اجتناب کرتے ہیں، ایسے لوگوں سے بدعت کے علاوہ کسی گناہ کا صدور بھی ہوا ہوگا تو اللہ تعالی اپنی رحمت سے اسے معاف کردے گا، یا پھر موت کی سختی، قبر کی شدت یا محشر کی ہولناکی اس کا کفارہ بن جائے گی، اور وہ لوگ ابتداء جنت میں داخل ہوجائیں گے -

اس کے بعد شارح نے شاطبی کے حوالہ سے "ملة واحدة" کے ضمن میں لکھا ہے کہ: یہ استثناء اس بات پر نص ہے کہ حق ایک ہے، اس میں اختلاف نہیں، اس لئے کہ اگر حق کے بھی

فرقے ہوتے تو "الا واحدۃ" نہ کہا جاتا، اور اس لئے بھی کہ شریعت سے اختلاف کی نفی مطلق طور پر کی گئی ہے، کیونکہ شریعت ہی اختلاف کرنے والوں کے مابین فیصلہ کرتی ہے، آیت کریمہ ﴿ فان تنازعتم في شيئ فردوه الى الله والرسول - ٤/٥٩) میں اسی بات کی طرف اشارہ ہے، پس اگر شریعت خودا ختلاف کی مقتضی ہوگی تو مختلف فیہ معاملات کو شریعت کی جانب لوٹانے کا کوئی فائدہ نہ ہوگا- آیت میں فی شئی کا لفظ نکرہ ہے جو شرط کے سیاق میں وارد ہے، لہذا یہ عموم کا ایک صیغہ ہے جس کے ضمن میں تمام تنازعات داخل ہیں، چنانچہ ان کے اندر رد صرف ایک امر کے لئے ہوگا اس لئے یہاں یہ گنجائش نہیں کہ اہل حق مختلف فرقے بن سکیں-

حدیث میں ملت ناجیہ کی علامت نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بیان فرمائی ہے کہ ماانا علیه واصحابي، شارح نے اس پر طویل بحث کی ہے، اور اختتام پر شیخ جیلانی کی الغنیہ کے حوالہ سے لکھا ہے کہ فرقۂ ناجیہ اہل سنت وجماعت ہیں، اور اہل سنت کا صرف ایک نام یعنی اصحاب الحدیث ہے- شاہ ولی اللہ دہلوی لکھتے ہیں کہ فرقۂ ناجیہ وہی ہے جس کے افراد عقیدہ وعمل ہر ایک میں ظاہر کتاب وسنت کی پابندی کریں، اور جمہور صحابہ وتابعین کے طریقۂ پر چلیں- (مرعاۃ ١/ ٢٧٠ وما بعد)

عمرو بن شعیب عن ابیه عن جده: ایمان بالقدر کے باب کی حدیث نمبر ۲۱ میں عمرو بن شعیب سے مروی حدیث کی طرف اشارہ ہے، سند کی اس شخصیت پر بعض پہلوؤں سے روشنی ڈالنے کی ضرورت تھی، شارح نے اس ضرورت کی تکمیل کی ہے، سب سے پہلے آپ نے عمرو کا نسب یوں بیان کیا ہے: عمرو بن شعیب بن محمد بن عبد اللہ بن عمرو بن العاص، ان کی کنیت ابو ابراہیم اور سال وفات ۱۱۸ھ ہے پھر "عن ابیه" کی تعیین شعیب بن محمد سے اور "عن جده" کی عبد اللہ بن عمرو سے کی ہے، یعنی جدہ میں ضمیر کا مرجع عمرو نہیں بلکہ ان کے والد شعیب ہیں، یہاں پر شارح نے وضاحت کی ہے کہ محققین یعنی علی بن المدینی، احمد بن حنبل، اسحاق بن راہویہ، ابو عبید اور بخاری وغیرہ کے نزدیک یہی بات صحیح ہے کہ اس کے بعد شعیب کے اپنے دادا عبد اللہ سے سماع کا مسئلہ آتا ہے شارح فرماتے ہیں کہ ان کا سماع ثابت ہے، اور ان کے مربی ان کے دادا ہی ہیں، کیونکہ ان کے والد محمد اپنے باپ کی زندگی

ہی میں فوت ہوگئے تھے- شعیب کے اپنے دادا سے سماع کی دلیل دارقطنی، حاکم اور بیہقی کی وہ حدیث ہے جس کے راوی عمرو بن شعیب ہیں، اور جس میں ایک شخص نے حالت احرام میں جماع واقع ہوجانے سے متعلق فتوی پوچھا تھا، اس روایت میں صراحت ہے کہ شعیب نے اپنے دادا سے سنا ہے، اور اس ثبوت کے بعد عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ کی روایت مرسل یا منقطع نہ ہوگی جیسا کہ ابن حبان وغیرہ کا وہم ہے ، بلکہ یہ متصل ہوگی، اور اس کا درجہ حسن سے کم نہ ہوگا بشرطیکہ عمرو تک کی اسناد صحیح ہو- امام ذہبی کا قول ہے کہ ان کی حدیث حسن کے قبیل کی ہے- امام نووی کہتے ہیں کہ محققین اہل حدیث کے نزدیک جو اس فن کے اہل ہیں اور جنکی بات مانی جاتی ہے، صحیح اور مختار مذہب یہ ہے کہ عمرو بن شعیب کی حدیث سے احتجاج کیا جائے گا-(مرعاۃ ۱/ ۱۸۹)

حدیث پر حکم اور اس کی تخریج : کتاب الایمان کی دوسری فصل کی پہلی راویت نمبر ۲۸ کے راوی معاذ بن جبل ہیں، صاحب مشکوۃ نے اس کے مخرجین میں احمد، ترمذی اور ابن ماجہ کا نام لیا ہے، شارح نے تینوں ائمہ کی متعلقہ کتابوں میں حدیث کے مقامات کی نشاندہی کی ہے، پھر مخرجین میں امام نسائی کے نام کا اضافہ کیا ہے، اور لکھا ہے کہ ان لوگوں نے مذکورہ حدیث کو بطریق معمر عن عاصم بن ابی النجود عن ابی وائل عن معاذ بن جبل روایت کیا ہے، اور امام ترمذی نے اسے حسن صحیح کہا ہے - اس کے بعد شارح نے شرح الاربعین کے حوالہ سے ابن رجب کا یہ قول نقل کیا ہے کہ : ترمذی کے مذکورہ قول میں دو وجہ سے نظر ہے، اول یہ کہ ابووائل کا سماع معاذ سے ثابت نہیں، دونوں کا زمانہ ایک ہے لیکن معاذ شام میں تھے ، اور ابو وائل کوفہ میں، اور ائمۂ حدیث میں امام احمد وغیرہ اس طرح کی مثال سے سماع کے انتفاء پر استدلال کرتے ہیں، ابو وائل کے ابوالدرداء سے سماع کے سلسلہ میں ابو حاتم رازی نے کہا ہے کہ : ابو وائل نے ابو الدرداء کا زمانہ پایا ہے، لیکن اول الذکر کوفہ میں تھے ، اور آخر الذکر شام میں، اس لئے ابووائل کا سماع صحیح نہیں- ابو زرعہ دمشقی نے ابو وائل کے عمر سے سماع کے سلسلہ میں کچھ لوگوں کا توقف یا اس کی نفی نقل کی ہے، لہذا معاذ سے ان کا سماع زیادہ بعید ہے- دوسری وجہ یہ ہے کہ اس حدیث کو حماد بن سلمہ نے عاصم بن ابی النجود سے ، انھوں نے شہر بن حوشب سے اور انھوں نے معاذ

سے روایت کیا ہے ، امام احمد نے مختصرا اس کی تخریج کی ہے، دار قطنی کہتے ہیں کہ یہ صواب سے زیادہ مشابہ ہے کیونکہ حدیث بروایت شہر باوجود اس میں اختلاف کے معروف ہے- شارح فرماتے ہیں کہ : معاذ سے شہر کی روایت یقیناً مرسل ہے، اور شہر کی توثیق وتضعیف میں اختلاف ہے- اسے امام احمد نے ایک مقام پر بروایت شہر عن عبد الرحمان بن غنم عن معاذ ذکر کیا ہے (المسند ۵ / ۲۴۵) اور دوسرے مقام پر بروایت عروۃ بن النزال بن عروۃ ومیمون بن ابی شبیب عن معاذ ذکر کیا ہے (المسند ۵ / ۲۳۷) لیکن عروۃ اور میمون دونوں نے معاذ سے سنا نہیں ، اور معاذ سے اس کے دوسرے طرق بھی ہیں لیکن کل ضعیف ہیں -(مرعاۃ ۱ / ۱۰۱)

کتاب العلم کی حدیث نمبر ۴۹ کے بعد مصنف مشکاۃ نے کہا ہے کہ رواہ الترمذی ، شارح نے اس کے بعد وضاحت کی ہے کہ من طریق عوف عن شہر بن حوشب عن ابی ہریرۃ ، پھر فتح الباری کے حوالہ سے حافظ ابن حجر کا قول نقل کیا ہے کہ اس کے رواۃ ثقہ ہیں ، البتہ عوف کے سلسلہ میں بہت اختلاف ہے ، ترمذی نے اسے مضطرب کہا ہے۔ شارح علام اپنا فیصلہ دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ : ابن مسعود کی حدیث سے اس کی تخریج احمد، ترمذی، نسائی اور حاکم نے کی ہے ، اور حاکم نے اسے صحیح کہا ہے ، اور مصنف نے اسے تیسری فصل کے اخیر میں ذکر کیا ہے (اس کا نمبر ۸۴ ہے) اس حدیث کے الفاظ ابن ماجہ، دارقطنی اور حاکم کے یہاں بروایت ابو ہریرۃ یوں ہیں : **تعلموا الفرائض فانها نصف العلم ، وانه اول ما ینزع من امتی**، اس کی سند میں حفص بن عمر بن ابی العطاف ہے جس کے بارے میں امام بخاری نے منکر الحدیث کہا ہے ، اور اسے ابن معین ، نسائی ابو حاتم اور ابن حبان نے بھی ضعیف کہا ہے- (مرعاۃ ۱ / ۲۳۸)

اسی کتاب العلم کی حدیث نمبر ۵۲ کو ابوداؤد نے ذکر کیا ہے ، شارح لکھتے ہیں کہ ابوداؤد نے اسے کتاب الملاحم میں دو طریق سے نقل کیا ہے ایک متصل اور ایک معضل ، اور منذری نے اس کے سلسلہ میں خاموشی اختیار کی ہے ، اس کی تخریج حاکم نے بھی کی ہے ، اور بیہقی نے اسے المعرفۃ میں ذکر کیا ہے ، اور ابن عدی نے الکامل کے مقدمہ میں ، اور حفاظ اس کی تصحیح پر متفق ہیں ، متاخرین میں اس کی تصحیح کی تصریح حافظ ابو الفضل عراقی اور حافظ ابن حجر نے کی ہے ، اور متقدمین میں حاکم نے مستدرک میں اور

بیہقی نے المدخل میں۔ (مرعاۃ ۱/ ۳۴۱)

اہل علم جانتے ہیں کہ مشکاۃ کے مصنف کو بعض حدیثوں کے مخرجین کا علم نہ ہوسکا تو انہوں نے "رواہ" کہہ کر آگے بیاض چھوڑ دیا ہے، کتاب العلم کی حدیث نمبر ۵۳ کے بعد یہی صورت ہوئی ہے، بعد میں کسی نے "البیہقی فی المدخل" کی عبارت کا اضافہ کردیا ہے - اس مقام پر شارح علیہ الرحمتہ نے بیہقی کی تخریج کی توثیق کے بعد اضافہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ: اسے حاکم نے مستدرک میں، ابن عدی نے کامل میں، ابونصر سجزی نے ابانتہ میں، ابو نعیم نے حلیتہ میں اور ابن عساکر نے تاریخ میں ذکر کیا ہے، ان سب نے اسے ابراہیم بن عبد الرحمن ازدی سے مرسلا روایت کیا ہے، ابو نعیم کہتے ہیں کہ اسے اسامہ بن زید اور ابو ہریرۃ سے روایت کیا گیا ہے، اس کے تمام طرق مضطرب اور غیر مستقیم ہیں، حدیث کے مخرجین میں شارح نے ابن عدی، بیہقی، ابن عساکر، دیلمی اور عقیلی وغیرہ کے نام ذکر کرنے کے بعد خطیب کا یہ قول نقل کیا ہے کہ امام احمد بن حنبل سے اس حدیث کے متعلق سوال کیا گیا اور کہا گیا کہ یہ موضوع کلام ہے تو انہوں نے فرمایا کہ نہیں یہ صحیح حدیث ہے، میں نے اسے متعدد لوگوں سے سنا ہے (کنز العمال ۵ / ۲۱۰) حافظ ابن حجر نے اصابتہ (۱ / ۱۱۷، ۱۱۸) میں کہا ہے کہ اس حدیث کو ابو نعیم نے ذکر کیا ہے، مزید کہا کہ اسے اسی طرح ولید نے معان سے مرسلا روایت کیا ہے، اور اسے محمد بن سلیمان بن ابی کریمہ نے بطریق معان عن ابی عثمان عن اسامہ روایت کیا ہے، اور یہ ثابت نہیں - شارح کہتے ہیں کہ خطیب نے شرف اصحاب الحدیث میں اسے موصولا ذکر کیا ہے، اور ابن عدی نے اس حدیث کو کثیر طرق سے ذکر کیا ہے جو سب کے سب ضعیف ہیں اور بعض مقامات پر کہا ہے کہ اسے ثقات نے بطریق ولید عن معان عن ابراہیم روایت کیا ہے - ہیثمی نے مجمع الزوائد (۱ / ۱۴۰) میں ابن عمر اور ابو ہریرۃ کی حدیث بروایت بزار ذکر کرکے کہا ہے کہ اس میں ایک راوی عمرو بن خالد قرشی ہے جس کی یحیی بن معین اور احمد بن حنبل نے تکذیب کی ہے اور اس کی طرف وضع حدیث کی نسبت کی ہے، پھر شارح نے مزید تفصیل کے لئے عراقی کی التقیید والایضاح (ص۱۱۶) سیوطی کی التدریب (ص۱۱۰) اور سخاوی کی شرح الالفیتہ (ص ۱۲۵) کا حوالہ دیا ہے۔ (مرعاۃ ۱ / ۳۴۲)

☆☆☆

بے مثل شارح ، بے نظیر شرح

مولانا اصغر علی بن امام مہدی السلفی

نمونۂ سلف برصغیر کے محدث یگانہ ، صدق وصفا کا پیکر عظیم اور مجسم تواضع وانکساری ، اخلاق کریمہ ، مناقب کثیرہ اور خصائل حمیدہ اور علوم وفنون کے ماہر ، رمز شناس حدیث مصطفوی اور علوم معانی اور بلاغت وزبان اور اردو وعربی کے باکمال مصنف شیخ الحدیث مولانا عبید اللہ بن عبد السلام الرحمانی جو عصر حاضر کے عدیم النظیر شخصیت تھی ، اب ہمارے درمیان نہیں رہے ، مگر ان کا عظیم علمی کارنامہ اور حدیث نبوی کے ساتھ ان کی طویل زندگی کی نیک صحبتیں اور اس کی برکتیں ہمارے درمیان کل کے مقابلے میں آج زیادہ آن بان اور شان اور اہمیت کے ساتھ موجود ہیں ، اور اللہ تعالی کی ذات بابرکات سے قوی امید ہے کہ اس کے بہتر ثمرات اور کثیر برکات شیخ الحدیث رحمہ اللہ کے ساتھ ان کی قبر اور آخرت میں شامل حال ہوں گے ۔ اللهم اغفر له وارحمه واعفه ووسع مدخله واشكر سعيه في خدمة سنة سيد المرسلين ﷺ واجعله له ذخرا واجرا وفرطا في ثراه واخراه .

شیخ الحدیث رحمہ اللہ وقت کے عظیم ترین محدث تھے ، ان کی سب سے بڑی خصوصیت یہ تھی کہ وہ اسلاف وقدیم محدثین کرام کے اوصاف حمیدہ سے متصف تھے بجا طور پر بقیۃ السلف کا خطاب جو ان کی زندگی میں ان کے لئے مروج تھا کے مستحق تھے ، اور اب آپ کی وفات کے بعد نمونۂ سلف کی یادگار ہستی دنیا کی نظروں سے اوجھل ہو گئی ہے جس پر بے ساختہ کہنا پڑتا ہے ؎

ایسا کہاں سے لائیں کہ تجھ سا کہیں جسے

یقیناً آپ کے یہاں بیعت وسلاسل کا بدعی رواج نہ تھا ، جو دیگر بعض علماء کے یہاں عوام وخواص پر رعب وداب کو برقرار رکھنے کے لئے رائج ہے مگر آپ کی شخصیت ہر خاص وعام میں مقبول تھی

اور آپ کی سادہ زندگی کی باوجود ایک جم غفیر کے دلوں میں عظمت کی دھاک بیٹھی ہوئی تھی ، متبعین کتاب وسنت تو آپ کے شیدائی تھے ہی آپ کے علم وتقوی اور زہد وورع کے قائل دیگر مقلدین ومتصوفین بھی تھے اگر آپ بیعت وپیری ومریدی کے سخت مخالف نہ ہوتے اور اپنی شخصیت کے سلسلہ میں ادنی سی توقیر وتعظیم کو روا رکھتے تو لوگ بہت کثرت سے مرید ہوتے ، جس کی ایک جھلک آپ کے جنازے کے ساتھ امڈتے ہوئے لوگوں کے سیلاب کی شکل میں نظر آئی ۔

الغرض آپ ہر طرح کے خصائل حمیدہ اور اخلاق حسنہ سے متصف تھے ہر وہ شخص خواہ عالم ہو یا عوام آپ کی ایک ہی ملاقات اور صحبت سے اتنا متاثر ہوتا کہ ہمیشہ آپ کے اخلاق کریمانہ کا معترف اور آپ کا گرویدہ ہو جاتا ، اس مختصر مقالہ میں اپنے ذاتی تاثرات کی گنجائش نہیں تاہم خوردوں پر بھی آپ کی نوازش ودلدہی وتشجیع وحوصلہ افزائی برابر رہی چنانچہ راقم کی علمی کم مائیگی کے باوجود آپ نے متعدد ملاقات وگفتگو واستفادہ کے بعد ادنی خواہش پر سند روایت حدیث اور مد نبوی کا نمونہ مع سند وشہادہ عطا فرما دیا جو آپ کی ذرہ نوازی پر دال ہے ۔

اسی طرح شیخ الحدیث رحمتہ اللہ علیہ کی علمی ودینی خدمات اور فقہ وفتاوی اور رسائل وجرائد میں مطبوع ان کے تحقیقی اور دینی نگارشات کا تعارف ایک مکمل کتاب کا متقاضی ہے ، جبکہ آپ کی زندگی کے حالات وواقعات اور دعوت وتدریس ، اور خطابت اور علمی خطوط نیز ملک وبیرون ملک کے علمی ودینی اسفار مشائخ وتلامذہ اور عام مستفیدین ان میں سے ہر ایک موضوع مستقل مضمون اور علیحدہ دراسہ وتحقیق اور تالیف کا سزاوار ہے ۔ اس وقت میں آپ کی مشہور زمانہ کتاب مرعاۃ المفاتیح شرح مشکوۃ المصابیح جو اپنی نوعیت کی منفرد ومبسوط شرح ہے کا سرسری تعارف اور بعض خصوصیات پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہوں ، لیکن قبل اس کے کہ شرح سے متعلق کچھ عرض کروں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مشکوۃ المصابیح کا مختصر تعارف کراتا چلوں ۔

مشکوۃ المصابیح :

کتاب مشکوۃ المصابیح کی احادیث کئی ماہر علماء ومحدثین کے جمع واختیار وترتیب وتصنیف کا بہترین ثمرہ ہے ، مشکوۃ المصابیح محدث جلیل ولی الدین ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ الخطیب التبریزی کی تالیف ہے آپ آٹھویں صدی ہجری کے علماء محدثین میں سے ایک صاحب علم وفضل اور متقی وصالح بزرگ ہیں جیساکہ آپ کے بعض مشائخ نے اس کی گواہی دی ہے اور خود آپ کی یہ شاہکار کتاب آپ کے علمی وسعت اور فضل وکمال کا منہ بولتی تصویر ہے ، اسی طرح آپ کی دوسری کتاب " الاکمال في اسماء الرجال " بھی آپ کی علمی صلاحیت پر دال ہے ، مشکوۃ المصابیح احادیث نبویہ کا ایک جامع وعظیم ذخیرہ ہے جس کو مصنف رحمتہ اللہ علیہ نے بہت سلیقے اور ڈھنگ سے فقہی ترتیب پر جمع کر رکھا ہے علامہ ملا علی قاری فرماتے ہیں کہ مصنف نے تمام اہم احادیث کو فقہی ابواب پر اس طرح جمع کر دیا ہے کہ ائمہ فن بھی آخرت کی سرخ روئی حاصل کرنے کے لئے اس سے مستغنی نہیں ہو سکتے اس میں احادیث کی جمع وترتیب کچھ اس خوبی سے عمل میں آئی ہے کہ بعض احادیث بعض کی شرح وتفسیر بن گئی ہے ، مصابیح کے سلسلہ میں بعض علماء نے فرمایا کہ " اجمع کتاب في بابه " یعنی یہ مجموعۂ حدیث اس باب میں سب سے جامع کتاب کتاب ہے جس کا ذکر خود مصنف نے بھی کیا ہے اور ہر اس عالم کو اس کا ادراک ہے جنھوں نے اس کتاب کا مطالعہ کیا ہے اور کون ہے جو اس سے مستغنی ہے ، مصنف رحمتہ اللہ علیہ نے ہر باب کو تین فصلوں میں تقسیم کر کے پہلی فصل میں موضوع سے متعلق صحیحین کی احادیث ذکر کیا ہے ، دوسری فصل میں دیگر ائمہ حدیث کی کتابوں سے احادیث نقل کی ہے جبکہ تیسری فصل میں باب سے متعلق صحیحین ودیگر مصادر حدیث نبوی سے حدیث نقل فرمایا ہے اور اس کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ مصنف نے بہت حد تک احادیث پر حکم بھی لگایا ہے ، اس کتاب کی اہمیت کے پیش نظر ہی اس کے روز تالیف سے ہی علماء ومصنفین وشارحین اور طالبان علوم حدیث نے غیر معمولی اشتغال واہتمام کیا ہے اس کے مشہور شارحین میں سرفہرست علامہ حسن بن محمد الطیبی متوفی ۷۴۳ھ ہیں ، آپ کی شرح " الکاشف عن

حقائق السنن " کے نام سے مشہور ہے واضح ہو کہ آپ محدث تبریزی رحمہ اللہ کے شیخ اور استاذ بھی ہیں اسی طرح اس کی شرح علامہ عبد العزیز بن محمد بن عبد العزیز ابہری متوفی ۸۹۵ھ نے منہاج المشکاۃ کے نام سے کر رکھی ہے اور مشکاۃ المصابیح کے مشہور شارحین میں علامہ ملا علی بن سلطان محمد القاری متوفی ۱۰۱۴ھ بھی ہیں جنہوں نے مرقاۃ المفاتیح کے نام سے اس کی شرح کی ہے ، اس کتاب کی جامعیت اور افادیت ہی ہے کہ ہر دور کے علماء اس سے استفادہ کرتے رہے ہیں خاص طور پر برصغیر کے تقریبا تمام مدارس اسلامیہ میں یہ کتاب داخل نصاب ہے اور دنیاء اسلام کے سب سے عظیم محدث علامہ ناصر الدین البانی نے اپنی تحقیق و تعلیق کے ساتھ اس کتاب کو شائع فرمایا ہے جو عوام و خواص میں مقبولیت وافادیت پر دال ہے۔

اس کتاب کی افادیت و جامعیت کے باوجود اس کی کوئی جامع شرح نہ تھی جو اس کتاب کے شایان شان ہو لہذا شیخ الحدیث علیہ الرحمہ اور ان کے رفقاء وہم عصر علماء نے اس عظیم ذمہ داری کو محسوس کیا اور آپ نے اس کی شرح کی عظیم ذمہ داری اپنے سر لی اور مرعاۃ المفاتیح کے نام سے ایک موسوعہ تیار کر دیا ، یہ شرح اپنی گوناگوں خصوصیات وامتیازات وتحقیقات عالیہ سے مزین ہونے کی وجہ سے مقبول عام ہے اس مقالہ میں اس عظیم شرح کی چند خصوصیات ثبت قرطاس کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہوں ، جو درج ذیل ہیں :

(۱) اس شرح کی سب سے اہم خصوصیت یہ ہے کہ اس کے شارح سلفی العقیدہ اور مذہبا اہل حدیث ہیں ، حدیث رسول کے معانی ومفاہیم بیان کرنے میں منہج سلف کے مطابق ان کی فہم کی روشنی میں شرح فرماتے ہیں اور محبت رسول میں پورے طور پر غرق ہو کر اس جوامع کلم پاک کے بحر ذخار میں غواصی کر کے لعل وگہر نکالتے ہیں ، چونکہ آپ کسی شخص خاص کے مقلد محض نہیں ہیں اس لئے احادیث کے معنی بیان کرنے میں اس کی پاسداری کا دم نہیں بھرتے ، جیسا کہ مقلدین شراح حدیث کا وطیرہ رہا ہے خاص طور پر ہندوستانی شراح مقلدین کا کہ وہ اپنے ذہن میں پہلے سے چند معانی ومفاہیم کو جاگزیں کئے ہوتے

ہیں ، اور پھر اسی کی روشنی میں قول رسول کو ڈھالنے کی کوشش کرتے ہیں ، اور اپنے وصول و قواعد اور مذہب کو ثابت کرنے کے لئے شرح حدیث کے نام پر اس کی دور از کار تاویلات کرنے کی جد وجہد کرتے ہیں بلکہ شرح حدیث کے نام پر در اصل اپنے مذہب کی تائید اور تقلیدی مذہب کی خدمت ہی مقصود ہوتی ہے ، جبکہ اہل حدیث شارحین حدیث رسول کے فرمودات کی شرح شریعت کے اغراض ومقاصد کی روشنی میں کلام رسول کے اندر کھو کر اور محبت رسول میں ڈوب کر سلف صالح کے فہم وادراک کے مطابق فقہی جمود سے خالی الذہن ہو کر کرتے ہیں اور یہی واضح فرق ہے اہل حدیث شروح حدیث اور تقلید کی پاسداری میں لکھی گئی شروحات کے درمیان ، کیونکہ ہو نہیں سکتا کہ کوئی شخص کسی خاص قول ورائے کا پابند ہوتے ہوئے احادیث رسول کا معنی ومفہوم اور شرح بیان کرنے میں اپنے مذہب ورائے کی پاسداری نہ کرے إلا من رحمه الله وقليل ماهم ۔

(۲) مصنف ؒ فصل اول میں بخاری ومسلم کی طرف عزو حدیث کرنے پر اکتفا کرتے ہیں شیخ صاحب ان کے علاوہ جن محدثین نے حدیث کی رویت کی ہے ان مراجع کا بھی ذکر کرتے ہیں اور اصل الفاظ حدیث کس مصدر کے ہیں کی تعیین کرتے ہیں ، نیز مصنف کے الفاظ کا مقابلہ کر کے اصل کے الفاظ کی تعیین فرماتے ہیں مثلا : أخرجه البخاري في التوحيد باللفظ الذي ذكره المصنف إلا ان فيه " سمعه " بصيغة الماضي مكان قوله " يسمعه " واخرجه ايضا في الادب ' واخرجه مسلم في باب الكفار من كتاب صفة القيامة واخرجه النسائي في النعوت .(۱)

(۳) اسماء ومشکل الفاظ کو ضبط کرتے ہیں مثلا وعن معاذ كنت ردف النبي ﷺ کی شرح فرماے ہیں معاذ بضم الميم ، پھر ان کا جامع تعارف پیش کرتے ہیں پھر (ردف) کی تشریح کرتے ہیں ، الردف بكسر الراء وسكون الدال ' والرديف الراكب خلف الراكب باذنه الخ .(۲)

---

(۱) مرعاة المفاتيح ۱ / ۸۸

(۲) " " ۱ / ۸۸

(۴) فصل ثانی کی احادیث کی تخریج مصنف نے کی ہے کتاب میں اصل جگہ کی تعیین فرماتے ہیں ، مثلا حدیث هل يكب الناس في النار على وجوههم أو على مناخرهم رواه أحمد ۔ شیخ الحدیث صاحب جلد اور صفحہ بیان فرماتے ہوئے کہتے ہیں : (ج ۵/ ۷۳)(والترمذي) في الايمان (وابن ماجه) في الفتن .(۱)

(۵) شیخ صاحب محدثین کے مطلق تضعیف حدیث کرنے کے اسباب وعلل بھی بیان فرماتے ہیں ، چنانچہ صاحب مشکوۃ نے صرف رواہ الترمذی کہا ہے جس پر شیخ صاحب نے جگہ کی تعیین کے بعد کہا ہے کہ وقال الترمذي هذا حديث منكر . شیخ صاحب اس کی توجیہ یوں فرماتے ہیں ، ويمكن أن يقال ان الترمذي اراد بقوله منكر أنه غريب من حديث معاذ بن أنس فقد تفرد بروايته عنه ابنه سهل فهو غريب من جهة هذا الطريق .(۲)

پھر مصنف رحمہ اللہ نے ثابت کیا ہے کہ منکر کی تعریف کی روشنی میں اس حدیث میں نکارت کیوں کر ہے۔

(۶) شیخ صاحب بظاہر مشکوۃ کی شرح لکھ رہے ہیں مگر آپ کے مطالعہ کی وسعت اور فن پر عبور کا عالم یہ ہے کہ متعلقہ کتب حدیث ورجال کے متعدد ومختلف نسخوں پر آپ کی گہری نظر ہے اور آپ ان کے مختلف روایات ونسخوں کے درمیان تطبیق وتوجیہ اور تصحیح کی قدرت کاملہ رکھتے ہیں چنانچہ فرماتے ہیں رواہ الترمذي وقال هذا حديث منكر ، پھر اس کی توجیہ کے بعد فرماتے ہیں ، ووقع في بعض نسخ الترمذي حديث حسن بدل قوله "منكر" الخ (۳)

(۷) جن روایات کو ذکر فرماتے ہیں ان کی علت وقدح اور صحت وسقم کو بھی بیان فرماتے ہیں ، حدیث " من مات ولم يشرك بالله شيئا دخل الجنة " رواہ مسلم کے بعد فرماتے ہیں کہ وأخرجه احمد ج ۳/ ۳۴۵ ،

---

(۱) مرعاۃ المفاتیح ۱/ ۱۰۱
(۲) " " ۱/ ۱۰۷
(۳) " " ۱/ ۱۰۲

۳۷۴ ' ۷۳۹ واخرجه الطبراني في الكبير نحوه عن عمارة بن رويبة وفيه محمد بن ابان وهو ضعيف .(۱)

(۸) (سہو) مصنف کے سہو پر تنبیہ : شیخ الحدیث رحمہ اللہ امام بخاری کے تعلیقات کے سلسلہ میں گراں قدر اصول بیان فرمانے کے بعد فرماتے ہیں ، جو ان کی دقت نظر اور الفاظ کے صحیح مدلولات پر عمیق نظر پر غماز ہے " وقول المصنف رواه البخاري ' "سهو منه " فانه لم يروه البخاري في صحيحه لا في ترجمة باب ولا في غيرها بل ذكره معلقا ولا يقال في مثل هذا رواه بل يقال ذكره (۲) مصنف نے فرمایا " روه احمد " شیخ صاحب فرماتے ہیں " كلا بل رواه ابنه عبد الله في زوائد مسنده "(۳)

(۹) تعلیقات : امام بخاری رحمہ اللہ نے جن احادیث کو معلقا ذکر کیا ہے اور مصنف رحمہ اللہ نے اس کو یونہی بیان کر دیا ہے آپ اس کی وضاحت فرماتے ہیں ، اور کہتے ہیں کہ وصله فلان وفلان وفلان .

یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ امام بخاری کے قدیم وجدید مخالفین نے جہاں بہت سی باتوں کو بنیاد بنا کر ان پر اعتراض کیا ہے اور اطفاء بخاری کی کوشش کی ہے اس میں سے ان کا ایک اہم حربہ ان کوتاہ بینوں نے ان کے تعلقات کو بھی بنایا ہے اسی لئے حافظ دوراں امام ابن حجر نے تغلیق التعلیق کے نام سے ایک ضخیم کتاب جو چھ جلدوں میں طبع ہو چکی ہے تصنیف کی ہے اوراکثر معلقات کو موصول و متصل سندوں سے ثابت کیا ہے ، چنانچہ شیخ رحمہ اللہ فرماتے ہیں واثر وهب هذا ذكره البخاري في اول كتاب الجنائز تعليقا ووصله في التاريخ الكبير وابو نعيم في الحلية (۴)

اس سے ہر منصف مزاج کو تشفی ہو جاتی ہے اور مخالف جو امام بخاری کو بے سند بات کہنے والا کہہ کر ان کی صحیح کی عظمت کو بٹہ لگانا چاہتے ہیں کو منہ کی کھانی پڑتی ہے ، ہمارے شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ نے بھی مشکوۃ پڑھنے والوں کے لئے ان مسائل کو آسان فرما دیا ہے اور عصر حاضر کے مخالفین بخاری جو

(۱) مرعاة المفاتیح ۱ / ۱۰۷
(۲) " " ۱ / ۱۱۵
(۳) " " ۱ / ۲۱۵
(۴) " " ۱ / ۱۱۵

اس میں طرح طرح کے نقص نکالتے تھکتے نہیں کو یہ بتانا چاہتے ہیں کہ :
افواہ سے ممکن نہیں اطفاء بخاری

(۱۰) حکم علی الحدیث : حدیث پر صحت وضعف کا حکم لگاتے ہیں مثلا اذا حاك في نفسك شئ فدعه رواه احمد شیخ مسند احمد میں اس کے مخارج کو ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ وفي مسنده يحيى بن ابي بكر وهو مدلس (۱)

(۱۱) شیخ صاحب کا ایک کمال یہ ہے کہ وہ اطناب وایجاز پر قدرت کاملہ رکھتے ہیں کہ کئی کئی صفحات میں جن رواۃ پر جرحا وتعدیلا بحث کی گئی ہے اس کا ماحصل ایک چھوٹے فقرے میں اس طرح بیان فرما دیتے ہیں کہ جس سے فن کے ماہرین کو کما حقہ علم ہو جائے اور ان تمام بظاہر متضارب اقوال میں قول راجح بھی معلوم ہو جائے جو ہر شارح کے بس کی بات نہیں ہے ، چنانچہ شہر بن حوشب کے سلسلہ میں ناقدین حدیث اور ائمہ جرح وتعدیل نے جتنے جرحا وتعدیلا کلام کئے ہیں اور امام ذہبی نے میزان الاعتدال میں جس طرح ان اقوال کی چھان بین کی ہے ان سب کا خلاصہ شیخ صاحب ایک لفظ میں بیان فرماتے ہیں ، ملاحظہ ہو :

وأخرجه ايضا الطبراني في الكبير وفي اسنادهما شهر بن حوشب 'وقد وثق على ضعف فيه (۲)

فن جرح وتعدیل کا علم رکھنے والوں پر اس کلام کی دقت وگہرائی اور جامعیت مخفی نہیں ، گویا شیخ الحدیث رحمتہ اللہ علیہ نے دریا کو کوزے میں بند کر دیا ہے ، اور ایک مشکل ومختلف فیہ مسئلہ کو ذکر کرنے کے ساتھ قول راجح کی طرف اشارہ بھی فرما دیا ہے۔

(۱۲) شیخ صاحب نے علم جرح وتعدیل اور مناہج المحدثین جیسی کوئی تصنیف نہیں چھوڑی مگر آپ کی یہ کتاب اس کا عظیم شاہکار ہے اور اس فن میں آپ کے کمال کا منہ بولتی تصویر۔ آپ کہیں پر اس سے متعلق بحث شروع کرتے ہیں تو اس کے تمام پہلوؤں اور اس سلسلہ کے عام اشکالات کو اس طرح واضح فرما

---

(۱) مرعاۃ المفاتیح ۱ / ۱۱۷
(۲) " " ۱ / ۱۱۹

دیتے ہیں کہ معلوم ہوتا ہے کہ اسی فن پر آپ نے داو تحقیق دینے کے لئے یہ تصنیف کی ہے۔

چنانچہ امام ابو داود کے مسکوت علیہ احادیث پر بہت کچھ لکھا گیا ہے اور بہتوں نے ان کے قول "وما سکت عنه او مالم اقل فيه بشئ فهو صالح" سے دھوکہ کھایا ہے مگر شیخ علیہ الرحمہ اس مسئلہ کو اتنا آشکارا کر دیتے ہیں کہ پھر فریب خوردگی اور شک وشبہ کی گنجائش نہیں رہ جاتی چنانچہ تفصیل کے لئے مرعاۃ ج ۱ / ۱۳۴، ۱۳۵، ۱۳۶، ۱۳۷ کا مطالعہ مفید ہوگا۔

(۱۳) اس شرح کی عظیم خوبی یہ ہے کہ یہ قدیم وجدید علماء ومحدثین سے استفادہ کرنے میں ممتاز ہے چنانچہ آپ اپنے معاصرین سے بھی استفادہ کرنے میں ہچکچاہٹ محسوس نہیں کرتے علامہ زماں محدث عصر امام البانی جن کی حدیث شریف میں خدمات کا لوہا دنیا مانتی ہے (قطع نظر اس کے کہ مقلدین احناف وجماعت کوثری کو اپنے جمود کے بالمقابل ان کی تحقیق سے عداوت ہے) ان سے استفادہ کرتے ہوئے ایک جگہ فرماتے ہیں، قال الالباني ' سنده ضعيف ' محمود بن عبد الرحمن بن عمرو بن الجموح ترجمه ابن حجر في التعجيل بما يتلخص منه انه لا يعرف (۱)

(۱۴) شیخ صاحب حدیث کی شرح کے ساتھ اس سے مستنبط مسائل بھی بتاتے ہیں اور ساتھ ہی ان بدعات وخیالات کی تردید بھی کرتے ہیں جو بعض مسلمانوں کے یہاں مروج ہو گئے ہیں یا کسی حدیث کو سمجھنے میں ان کو غلط فہمی ہو گئی ہے، حدیث " فانه الآن يسئل" ذکر کر کے فرماتے ہیں " وفي الحديث دليل على مشروعية الاستغفار للميت عند الفراغ من دفنه وسوال التثبت له وان دعاء الاحياء ينفع الأموات ' وليس فيه دلالة على التلقين عند الدفن كما هو المعتاد عند الشافعية ' وليس فيه حديث مرفوع صحيح. (۲)

(۱۵) شیخ الحدیث علیہ الرحمہ تتبع الفاظ حدیث میں استقراء تام سے کام لیتے ہیں اور حقیقت یہ ہے کہ شارح حدیث کے لئے ضروری ہے کہ حدیث کی تخریج اور اس کے الفاظ کے تتبع وجستجو میں ہر ممکن کوشش

---

(۱) مرعاۃ المفاتیح ۱ / ۱۱۹

(۲) " " ۱ / ۲۳۰

صرف کرے تاکہ تمام الفاظ کو اکٹھا کر کے مسائل کا صحیح مقام متعین کر سکے اور اس کی روشنی میں واضح اور بابصیرت فیصلہ صادر کر سکے، شیخ الحدیث علیہ الرحمۃ اس معاملے میں بڑی کد وکاوش اور دقت نظر اور تتبع بلیغ سے کام لیتے ہیں مثلا حدیث " وانزوج النساء فمن رغب عن سنتي فليس مني " کی تخریج وتتبع الفاظ کے بعد فرماتے ہیں ، واما ما ذكره الرافعي واشتهر على الألسنة بلفظ " النكاح من سنتي فمن رغب عن سنتي فليس مني " لم احده مع الاستقراء التام والتتبع البالغ وا لله أعلم .(۱)

(۱۶) استدراك على المؤلف : مصنف رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں : سنذكره ...... حدثني معاوية وحابر : لا يزال من أمتي ' ولا يزال طائفة من امتي ' في باب ثواب هذه الأمة ان شاءا لله .

شارح علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ " لكنه لم يف بما وعده فلم يذكر هناك حديث حابر (۲)

(۱۷) اس شرح کی ایک خوبی یہ بھی ہے کہ شارح علیہ الرحمہ مختلف فیہ مسائل میں ائمہ وفقہاء کے اقوال وادلہ کا ذکر فرمانے کے بعد احادیث وآثار صحابہ وائمہ کی روشنی میں بڑے وثوق مگر مدلل طور پر فرماتے ہیں کہ والرجح عندی کذا ، آپ مقلد نہیں ہیں اور نہ کسی شخص خاص کی رائے کے پابند ہیں بلکہ منہج سلف کے موافق دلیل کی روشنی میں اپنی رائے ظاہر فرمادیتے ہیں ، چنانچہ مشت نمونہ از خروارے ملاحظہ کیجئے فرماتے ہیں " والراحج عندي ما ذهب اليه احمد لحديث المقدام وغيره مما يدل على وحوب الضيافة . وهو مخصص لحديث حرمة الأموال إلا بطيبة الانفس .(۳)

(۱۸) احادیث میں وارد مدن واماکن کی تعریف وتحدید بھی بیان فرماتے ہیں (الحجاز) هو اسم مكة فالمدينة وحواليها من البلاد وسميت حجازا لأنها حجزت اى منعت وفصلت بين بلادي نجد والغور .(۴)

(۱۹) بسا اوقات مؤلف رحمہ اللہ نے حدیث کی نسبت بعض متاخر کتابوں کی طرف کی ہے حالانکہ وہ

---

(۱) مرعاۃ المفاتیح ۱/ ۲۴۲
(۲) " " ۱/ ۲۵۶
(۳) " " ۱/ ۱۶۱
(۴) " " ۱/ ۵۰

حدیث بعض عالی السند ومتقدم کتب میں موجود ہے مثلا مصنف نے بعض احادیث کی تخریج شعب الایمان للبیہقی سے کی ہے شیخ الحدیث رحمہ اللہ نے بتایا ہے کہ یہ حدیث مسند احمد میں موجود ہے ۔

(۲۰) مصنف رحمہ اللہ نے کبھی یوں بھی کیا ہے کہ ایک ہی حدیث کی تخریج دو کتابوں سے کی ہے اور بتایا ہے کہ مذکورہ لفظ اس میں سے اول مخرج کی ہے حالانکہ واقع میں وہ الفاظ دوسری کتاب کے ہیں جیسا کہ شیخ الحدیث" نے تصریح کی ہے نیز کبھی کبھی مصنف کئی مخارج کی طرف عزو کرتے ہیں اور نہیں بتاتے کہ الفاظ کس کے ہیں شارح " اس کی تعیین فرماتے ہیں ۔ (۱)

(۲۱) مصنف نے کبھی ایسا بھی کیا ہے کہ تخریج حدیث متعدد کتب سے ذکر کرنے کے بعد بتایا ہے کہ الفاظ فلاں کے ہیں حالانکہ الفاظ دوسری کتاب کے ہوتے ہیں جس پر شیخ صاحب تنبیہ فرماتے ہیں ۔

(۲۲) صحابہؓ کرام کی سوانح مختصر مگر جامع فرماتے ہیں جس میں کتب رجال کی بہت سی اہم معلومات یکجا مل جاتی ہیں مثلا حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ کا ترجمہ (۲)

(۲۳) یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ احناف و دیگر مقلدین اپنے مذہب کو ثابت کرنے کے لئے کبھی نحو وصرف کا سہارا لیتے ہیں اور کبھی اپنے خود ساختہ اصول و قواعد کی آڑ میں حدیث رسول اور آیات قرآنی کی توجیہ و تاویل کرتے ہیں ، شیخ صاحب ان سب کی قرآن وحدیث سے تردید فرماتے ہیں اور ان کے تمام مزعومات کی پردہ دری کرتے ہوئے سلف کے مسلک کو جو کتاب وسنت پر مبنی ہے راجح قرار دیتے ہیں چنانچہ حدیث (الا ان تطوع) کی شرح میں مالکی وحنفی مقلدین کی حدیث کے خلاف نحوی موشگافیوں اور آیت (لا تبطلوا أعمالكم) کی مغالطہ انگیز تفسیر کو جو حنفی مقلدین وشراح وفقہاء کرتے آئے ہیں کی تردید اس شرح وبسط وجامعیت سے کرتے ہیں کہ سلف کا مسلک بالکل مجلی ومصفی ہو کر سامنے آجاتا ہے اور مقلدین کی تاویلات باطلہ ساقط ہو جاتی ہیں تفصیل کے لئے دیکھئے مرعاۃ ۔ (۳)

(۱) مرعاۃ المفاتیح ۱ / ۸۸
(۲) " " ۱ / ۶۳-۶۴
(۳) " " ۱ / ۶۵-۶۹

(۲۴) عقائد وایمانیات میں بھی جمہور احناف مقلدین کا مذہب سلف سے ہٹ کر مرجئہ واشاعرہ کے موافق ہے اسی لئے بڑے بڑے ائمہ دین ومحدثین نے احناف کے اس عقیدے کی تردید وتنکیر کی ہے ، خاص طور پر امام بخاری رحمہ اللہ امام عبد القادر جیلانی رحمہ اللہ اسی معتقد فاسد کی وجہ سے ان کو مرجئہ میں شمار کرتے ہیں ، اور احناف کو بھی معلوم ہے کہ مرجئہ گمراہ فرقہ ہے لہذا متاخرین احناف نے اس عقیدہ کو گلے سے لگائے رہنے کے باوجود مرجئہ کے زمرہ سے اپنے کو خارج اور اہل سنت والجماعہ کے مذہب کے ہمنوا ثابت کرنے کے لئے ارجاء کی عجیب وغریب تاویل وتوجیہ وتقسیم کرتے ہیں لیکن ۔

"بنے کیونکر کہ ہے ہر بات الٹی" لا يصلح العطار ما افسده الدهر ، شیخ علیہ الرحمہ اس مزعومہ وایہام وتلبیس کا پردہ چاک کرتے ہوئے فرماتے ہیں : وقد ظهر من هذا ان الاختلاف بين الحنفية واصحاب الحديث اختلاف معنوي حقيقي لا لفظي كما توهم بعض الحنفية ' والحق ما ذهب اليه الأئمة الثلاثة والمحدثون لظاهر النصوص القرآنية والحديثية (۱)

(۲۵) فقہ وعقائد کے مسائل ودیگر امور میں بھی بسا اوقات مطولات کی طرف اشارہ فرماتے ہیں (۲)

(۲۶) مقلدین علماء عام طور پر اور احناف مقلدین خصوصا اپنی دیرینہ عادت وحقد کی بنیاد پر مسلک محدثین واہل حدیث کو طعن وتشنیع وتشکیک کا نشانہ اپنی تالیفات وشروح وحواشی اور تعلیقات میں بناتے رہتے ہیں شارح علیہ الرحمہ نے بہت ہی حسن وخوبی سے ان کا جواب دیا ہے ۔

(۲۷) مشکل الفاظ کے حل کے لئے کتب غریب الحدیث اور قوامیس ولغات کی طرف رجوع فرماتے ہیں۔

(۲۸) کبھی مصنف حدیث بیان کرنے کے بعد خاموش ہو جاتے ہیں اور مخرج کی جگہ بیاض چھوڑ دیتے ہیں شیخ صاحب استدراکا اس کا مخرج بیان فرماتے ہیں ، مثلا مصنف نے حدیث من تمسك بسنتي عند فساد امتي کے بعد (رواہ) کہہ کر بیاض چھوڑ دیا ہے شیخ صاحب فرماتے ہیں الحدیث اخرجہ البیہقی (۳)

(۱) مرعاۃ المفاتیح ۱ / ۳۷
(۲) " " ۱/ ۳۷
(۳) " " ۱/ ۲۸۱

(۲۹) اسی طرح کبھی مصنف بعض ایسی کتابوں کا حوالہ دیتے ہیں جہاں ان حدیثوں کا پتہ نہیں ہوتا ، شیخ الحدیث صاحب اس کا صحیح مرجع بتاتے ہیں۔

(۳۰) مصنف کبھی موقوف حدیث کو مرفوع بیان کرتے ہیں اور کبھی اس کے برعکس شارح اس پر تنبیہ واستدراک فرماتے ہیں ۔

(۳۱) ایسا بھی ہوا ہے کہ بعض کتب سے حدیث مرسلا نقل کرتے ہیں حالانکہ ایسی حدیث دوسرے مصادر میں موصولا موجود ہوتی ہیں جیساکہ شارح علیہ الرحمہ نے بیان فرمایا ہے۔

(۳۲) بعض الفاظ کی زیادتی کی نسبت جن مصادر کی طرف مصنف کرتے ہیں وہ زیادتی اس کی نہیں بلکہ دوسرے مصادر میں موجود ہوتی ہے جیساکہ شیخ الحدیث ؒ نے ثابت کیا ہے

(۳۳) اصحاب سنن سے بعض حدیثیں معلقا نقل فرماتے ہیں حالانکہ وہی حدیث دوسرے اصحاب کتب کے یہاں موصولا وارد ہوتی ہے۔

(۳۴) بعض الفاظ حدیث کی نسبت مسلم شریف کی طرف کی ہے حالانکہ وہ الفاظ اس میں نہیں ہوتے دوسرے اصحاب سنن کے یہاں ملتے ہیں ۔

(۳۵) کبھی دو متعدد سندوں سے مروی حدیث کو ایک حدیث کے طور پر بیان فرمادیتے ہیں ، حالانکہ وہ دو ہوتی ہیں۔

(۳۶) کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ مصنف بعض احادیث کو ضعیف سند سے نقل کرتے ہیں اور شیخ اس کو دوسری صحیح سندوں سے ذکر فرماتے ہیں یا مصنف کے بیان کردہ ضعیف سند کے شواہد ومتابعات بیان فرما کر اس کی تقویت کا سامان بہم پہنچاتے ہیں۔

(۳۷) مصنف نے اگر حدیث ادھوری نقل کی ہے تو شیخ علیہ الرحمہ اس کی تکمیل کرتے ہیں کچھ احادیث ایسی بھی ہیں جس سے بعض جملے ساقط ہیں یا اس میں ہیر پھیر ہوگیا ہے تو اصل کی طرف رجوع کر کے اس کی تصحیح فرماتے ہیں۔

اس کے علاوہ شارح رحمہ اللہ نے اس کتاب کو احادیث کی ترقیم و نمبرنگ کرنے کے ساتھ ہی ہر باب کی احادیث کو بھی نمبروار بین القوسین بیان فرمایا ہے اسی طرح آپ نے مشکوۃ کے کتابوں، ابواب اور فصول کی فہرست کے ساتھ احادیث کی فہرست اس کے ابواب وفصول اور شرح کے اہم مباحث کے ساتھ بنائی ہے تیسرے صحابہ وتابعین وائمہ دین نیز شرح میں وارد شدہ اماکن کی فہرست بھی حروف معجم کی ترتیب پر بنا کر اس کتاب کی افادیت کو چار چاند لگا دیا ہے

الغرض یہ شرح بقول حضرت محدث عطاء اللہ بھوجیانی رحمۃ اللہ علیہ ایک بے نظر شرح ہے آپ رقمطراز ہیں :

" نحمد اللہ علی احسانه وکرمه أن مرعاة المفاتيح يعد شرحا عديم النظر غير مسبوق به بما يمتاز به من الأوصاف والخصائص ' يحتوي بما في الشروح السابقة ويذكرنا القرن العاشر في باب التحقيق مصداقا " كم ترك الأول للآخر ". (مقدمة مرعاة)

اور ایسا کیوں نہ ہو کہ آپ اس علامہ دہر کے سپوت ہیں جنہوں نے سیرۃ البخاری جیسی بے نظیر سوانح امام بخاری لکھ کر بہت بڑے خلا کو پر ہی نہیں کیا بلکہ بہت سے وساوس وخناس کو دور فرما دیا اس شرح کے شروع میں پیش لفظ بقلم محدث بھوجیانی رحمہ اللہ کے ساتھ شارح رحمہ اللہ کی مختصر سوانح بھی ہے اور مقدمہ کے طور پر مصطلح حدیث میں ایک مختصر مگر بیحد اہم رسالہ بھی ہے جو شارح رحمۃ اللہ علیہ کے لائق فرزند ارجمند علامہ عبد الرحمٰن الرحمانی حفظہ اللہ کے قلم سے ہے کیا بہتر ہوتا کہ حضرت علامہ اگر اس کے لئے متفرغ ہو کر اس کے افتتاح کی طرح اس کے اختتام کا سہرا اپنے سر باندھتے خاص طور پر شارح رحمہ اللہ کے ایک اور فرزند ڈاکٹر عبد العزیز اور شارح کے احفاد جو ماشاء اللہ سب کے سب علوم حدیث میں تخصص ومہارت رکھتے ہیں اس عظیم کام کی تکمیل کرتے، اور شارح" کے سب سے بڑے فرزند فضل الباری صاحب اور ان کے صاحبزادگان اپنے وسیع تر وسائل کو کام میں لاکر ان کے لئے اس کام میں ممد ومعاون بنتے۔

☆☆☆

شیخ الحدیث رحمہ اللہ سے متعلق

کچھ یادیں اور کچھ باتیں

جمع وترتیب : مولانا عبدالوہاب حجازی

اس مقالہ میں شیخ الحدیث رحمہ اللہ کے بعض ارشد تلامذہ اور ان سے قلبی ربط رکھنے والے اشخاص جماعت کے بیانات وروایات مذکور ہیں جنھیں حتی الوسع رواۃ کے الفاظ میں قلم بند کرنے کی کوشش کی گئی ہے، ان بیانات کو مختلف عناوین کے تحت مرتب کیا گیا ہے جن سے شیخ الحدیث رحمہ اللہ کی سیرت وکردار کے متعدد درخشاں پہلو نمایاں ہوتے ہیں۔

نصرت الٰہی پر یقین

حضرت مولانا عبدالرؤف صاحب رحمانی جھنڈانگری نے مجھ سے بیان فرمایا کہ جامعہ سراج العلوم جھنڈانگر کی جامع مسجد کی دوبارہ دو منزلہ تعمیر شیخ الحدیث کے حسب منشاء ہوئی، ایک مرتبہ کدر بڑا کی دعوت پر حضرت شیخ اور ان کے مئو کے ایک ساتھی کدر بڑا تشریف لائے، آنے پر پہلے سیدھے جھنڈانگر کی جامع مسجد میں گئے، اس وقت مسجد کی خستہ حالت دیکھی، اس کی دو تین لکڑی کی شہتیروں میں ٹیکے لگے ہوئے تھے، مولانا نے اس حالت کو دیکھا تو فرمایا کہ مسجد کو شہید کردو اور اسے دوبارہ بناؤ، میں دوبارہ بنانے کی صعوبت سے واقف تھا، مالی دشواریوں کے سبب کشائش کا انتظار کر رہا تھا، مولانا نے فرمایا کہ پیسہ کی قلت سے مت گھبراؤ، تم تعمیر جدید شروع کروگے تو میں تمہارے ساتھ مئو خود چلوں گا، دو چار آدمیوں سے ملادوں گا، اور بنارس کے لئے خطوط لکھ دوں گا، پھر مولانا ہمارے گھر کدر بڑا تشریف

لے گئے اور وہاں کی دعوت سے فارغ ہو کر پھر جھنڈا نگر واپس آئے تو مسجد کی توسیع و تعمیر جدید کے سلسلہ میں میں مولانا کے ساتھ مئو پہونچا تو مولانا نے میرے ہمراہ تشریف لے جاکر چند حضرات سے رسید یں کٹوادیں اور اس کے بعد بنارس مدن پورہ کے حضرات کے لئے اپنا خصوصی خط عنایت فرمایا، میرا دل تعمیر جدید کی پریشانیوں سے گھبراتا تھا لیکن مولانا کے کلمات مبارکہ کے تحت مجھ میں حوصلہ پیدا ہوا اور جو خیال کبھی کبھی آتا تھا کہ اس کے لئے سرمایہ کہاں سے فراہم ہو گا تو وہ دل سے محو ہو گیا، بقول شاعر :

آں دل کہ رم نمودے از خو برو جواناں
دیرینہ سال پیرے بردش بہ یک نگاہے

آپ نے فرمایا تھا کہ : اللہ پر توکل کرو مسجدوں کی تعمیر کے لئے سب اللہ والوں کے دل میں شوق ہوتا ہے آپ کی مسجد کو اللہ کے بندے بنوادیں گے اور سرمایہ فراہم ہو جائے گا، چنانچہ بنارس مئو سے واپسی کے بعد میں نے مسجد کو شہید کیا اور تعمیر جدید کے لئے آمادہ ہو گیا، پہلی منزل پینتالیس پچاس ہزار میں پختہ تیار ہو گئی، اور اس کا نقشہ حکیم مقبول احمد صاحب کے لڑکے انجینئر عبد القوی صاحب نے بنایا تھا اس کے بعد آبادی بڑھ جانے کے سبب چند سالوں کے بعد اسی مسجد کی دوسری منزل تعمیر کرنی پڑی اور اس کے بلند وبالا مینارے وغیرہ بنانے پر مزید دولاکھ روپئے لگ گئے، یہ مولانا کے فیوض و برکات کا زندہ نمونہ ہے جو بطور مولانا کی یادگار و باقیات الصالحات قائم ہے، اللہ تعالی ان کی قبر کو نور سے معمور فرمائے۔

زہد و تقوی

حضرت مولانا عبد الرؤف رحمانی صاحب نے مجھ سے بیان فرمایا کہ : والد صاحب نے شیخ صاحب کو مدرسہ دیکھنے اور بیعت کے لئے بلایا اور فرمایا کہ مولانا عبد الرحمان محدث مبارکپوری ؒ اور مولانا محمد منیر خان ؒ کے انتقال کے بعد آپ ہماری سرپرستی قبول فرمائیں اور جماعت اور مدرسہ دونوں

کو دیکھیں، چنانچہ شیخ پروگرام کے مطابق تنہا تشریف لائے، والد صاحب نے فورا قریبی مواضعات میں خبر کرکے سب کو بلالیا، اور سب لوگ آگئے۔ اور مولانا سے بعد نماز عصر بیعت توبہ کے لئے اصرار کیا، تو مولانا نے بیعت کی اور توبہ کی تلقین کی، پھر جب مولانا واپس جانے لگے تو والد صاحب کی ہمت نہ ہوئی کہ ان کے ہاتھ میں سفر خرچ کی رقم پیش کریں، تو مولانا کے تشریف لے جانے کے بعد دہلی دار الحدیث رحمانیہ میں اس سفر خرچ کی رقم کو منی آرڈر کردیا (اس وقت شیخ صاحب رحمانیہ میں مدرس تھے) تو انھوں نے اس منی آرڈر کو واپس کردیا، انھوں نے کوئی زاد راہ قبول نہ کیا تھا، والد صاحب کو خط لکھا کہ میں اس سفر خرچ کو کس طرح قبول کرتا ذرا سا اتر کر آگیا تو اس کا سفر خرچ کیوں قبول کرتا، یہ ان کے تقوی کی زندہ جاوید مثال ہے جو آج کے علماء میں ناپید ہے،

زہد و تقوی سے متعلق ایک واقعہ مجھ سے حضرت مولانا عبد الودود صاحب رحمانی نے بیان فرمایا کہ شہر بستی میں ۱۳/ مارچ ۱۹۷۲ء کو ضلع بستی کے ایک مشہور وکیل جناب قاضی عدیل صاحب عباسی رحمہ اللہ نے ایک دینی تعلیمی کانفرنس کا انعقاد کیا تھا، اس میں حضرت مولانا شیخ الحدیث صاحب رحمہ اللہ نے بھی شرکت فرمائی تھی، قاضی عدیل عباسی صاحب نے ایک روز عدالت کا کام ختم ہونے کے بعد چار بجے کے بعد اپنے کچھ مؤکلوں کے درمیان جن میں میں بھی موجود تھا ایک واقعہ کا تذکرہ فرمایا کہ: اس دینی تعلیمی کانفرنس میں دو علماء دین مولانا نذیر احمد صاحب رحمانی اور مولانا عبید اللہ صاحب رحمانی ایسے ملے کہ جنھوں نے اپنی آمد اور واپسی کا سفر خرچ دینے پر اصرار کے باوجود بھی نہیں لیا، اور مولانا عبید اللہ صاحب نے کہا کہ: آپ نے اتنی محنت اور خرچ کرکے دینی تعلیمی کانفرنس کا انعقاد کیا ہے اور ہم لوگ اس قابل بھی نہیں ہیں کہ اپنے خرچ پر حاضر ہوکر کے آپ کے ساتھ کچھ تعاون کریں۔

شنکر نگر ضلع گونڈہ یوپی معروف سلفی بستی ہے یہاں کے ساکن جناب حفیظ اللہ بن رحم اللہ صاحب نے مجھ سے بیان کیا کہ ۱۹۵۳ء کو اس بستی میں اجلاس عام ہوا، اس میں علماء کرام کے لئے طعام کا انتظام بڑے اعلی پیمانے پر کیا گیا تھا، یعنی مرغ مسلم میں نہایت قیمتی مسالے ڈالے گئے تھے، اس

اجلاس میں شیخ صاحب نے بھی شرکت فرمائی تھی، شیخ صاحب کے سامنے وہ کھانا جب آیا تو فرمانے لگے کہ اتنا معیاری کھانا جلسوں کے لئے ٹھیک نہیں ہے، پھر اجلاس سے واپسی پر باصرار کرایہ قبول فرمایا، اور جب مبارکپور پہونچ گئے تو وہاں سے ایک روپیہ چھ آنہ واپس منی آرڈر کردیا اور یہ لکھا کہ اتنی رقم کرایہ سے زائد تھی اس لئے اسے واپس کردیا گیا ہے۔

حفیظ اللہ صاحب نے بتایا کہ بستی کے لوگ مجھے شیخ صاحب سے ملاقات کے لئے مبارکپور بھیجا کرتے تھے اور ہر بار بطور تحفہ کچھ نہ کچھ لے جاتے تھے مثلا شہد، مچھلی، اور گھی وغیرہ، ایک بار میں گیا تو تحفتا گھی لے کر گیا تو شیخ صاحب نے مجھ سے دوران گفتگو مختلف اشیاء کا نرخ پوچھنا شروع کیا اور پھر سب سے آخر میں گھی کا نرخ پوچھا، جب میں وہاں سے رخصت ہونے لگا تو انھوں نے گھی کی قیمت دینی چاہی، میں نے اصرار کیا کہ آپ اسے رکھ لیں مگر انھوں نے زبردستی قیمت میرے جھولے میں ڈال دی۔

جناب حاجی ضیاء اللہ صاحب عرف کلو میاں موجودہ صدر مدرسہ نصرۃ الاسلام نے مجھ سے بیان کیا کہ شیخ صاحب نے ایک بار رحمانیہ دہلی میں ملازمت کے وقت کا ایک واقعہ بیان فرمایا کہ میرا مشاہرہ وہاں سو روپیہ متعین کیا گیا پھر دوسرے سال سوا سو کردیا گیا، چونکہ میرے اخراجات سو روپے میں پورے ہوجاتے تھے اس لئے پچیس روپیہ میں نے یہ کہ کر واپس کردئے کہ میرے اخراجات سو روپے میں پورے ہوجاتے ہیں۔

سیٹھ محمد حسن موتی پوری برادر اکبر مولانا جلال الدین صاحب نوگڈھ نے مجھ سے بمبئی میں ایک ملاقات کے دوران بیان کیا کہ میں شیخ الحدیث کے زمانہ میں مدرسہ رحمانیہ دہلی میں طالب علم تھا، مولانا نذیر احمد صاحب مہتمم تھے اور مولانا شیخ الحدیث تھے، مولانا نذیر احمد صاحب بھی مولانا کا احترام کرتے تھے، آپ بہت کم گو تھے، ایک دفعہ کا واقعہ ہے بمبئی تاج محل ہوٹل میں سعودی سفیر کے یہاں جماعت اہلحدیث کے اکابر کی دعوت تھی، جس میں میں بھی تھا اور شیخ الحدیث صاحب بھی تھے، میں اور شیخ ایک ہی ٹیبل پر تھے، میں نے کہا شیخ اس ہوٹل میں خنزیر کا گوشت بھی پکتا ہے، شیخ صاحب نے اس

کے بعد فرمایا کہ اچھا ہوا آپ نے بتا دیا، اس کے بعد سعودی سفیر نے بڑا اصرار کیا مگر شیخ نے فرمایا، طبیعت نہیں چاہتی، اور صرف پھل پر اکتفا کیا۔

سفر حج کے احوال

مولانا عبدالرحمان ندوی صاحب کدر بڑوا نیپال برادر خرد حضرت مولانا عبدالرؤف رحمانی جھنڈانگری صاحب نے کدر بڑوا میں ایک ملاقات کے دوران مجھ سے بیان فرمایا کہ مارچ ۶۳ء میں شیخ صاحب اور ان کی اہلیہ محترمہ کے ساتھ بحری جہاز کے سفر حج کا میں ساتھی تھا، ساتھ ہی مولانا محمد حسین میرٹھی بھی تھے، تین آدمیوں کا کھانا ساتھ میں پکتا تھا، شیخ صاحب کی اہلیہ پکاتی تھیں، میں اگر پلیٹ دھلنا چاہتا تھا تو وہ ایسا نہیں کرنے دیتی تھیں، کھانے میں شیخ صاحب کو میٹھی چیز بہت مرغوب تھی، جیسے حلوہ، سنوئیاں اور مالیدہ وغیرہ، بمبئی میں سفر کے لئے جب ہم نے چاول خریدا تو شیخ صاحب بھی نے اچھے سے اچھا چاول خریدا، میں گھر سے ستو بھی لے گیا تھا، اور شیخ صاحب بھی گھر کا ستو لائے تھے، مگر ان کی نفاست اور حفاظت کا معیار بہت اونچا تھا، اسے پلاسٹک کی تھیلی میں رکھ کر کپڑے کے جھولے میں رکھا تھا، جہاز میں شیخ بھی کبھی کبھی وعظ ونصیحت کرتے تھے، مگر زیادہ تر مولانا محمد حسین میرٹھی کو آگے بڑھاتے تھے اور ان کا بہت لحاظ کرتے تھے۔ جولائی میں واپسی ہوئی، چار ماہ سے زیادہ اس سفر میں شیخ کا ساتھ رہا، آپ فرض نماز با جماعت ہمیشہ حرم شریف میں پڑھتے تھے، خالی اوقات میں کبھی کبھی تلاوت اور طواف کرتے تھے، اس سفر میں مکہ میں علامہ شیخ ابن باز حفظہ اللہ صاحب سے ملاقات کی گئی تھی، مدینہ منورہ بھی ساتھ ہی گئے تھے، وہاں بھی نماز کی پابندی کا وہی معمول تھا، حرم نبوی میں برابر پہونچتے تھے۔ سفر حج کے دوران جملہ کام اور انتظام شیخ صاحب خود ہی آگے بڑھ کر انجام دیتے تھے اور مجھے کوئی کام نہیں کرنے دیتے تھے، شیخ صاحب مجھے بالکل اپنی اولاد کی طرح عزیز رکھتے تھے، اس سفر میں تجربہ ہوا کہ شیخ صاحب کی سادگی اور تواضع قابل رشک ہے۔

مسلکی غیرت

مولانا عبد الرحمان صاحب براور خرد مولانا جھنڈا نگری نے مجھ سے بیان فرمایا کہ دینی تعلیمی کونسل کی نصابی کتاب کی تیاری کے موقع پر اس میں اصلا حنفی مسلک کا ذکر کیا گیا تھا، اس موقع پر شیخ صاحب کو جو دینی تعلیمی کونسل کے نائب صدر تھے یہ بات بہت کھٹکی اور آپ نے ذکر بھی کیا جس کی تائید میں مولانا نذیر احمد صاحب املوی رحمانی نے فرمایا کہ کام ہم کریں اور ذیلی بن کر رہیں، یہ بات کہنے کی ضرورت اس وجہ سے بھی پیش آئی تھی کہ دیگر مسالک کے لوگوں نے یہ کہا تھا کہ مسلک اہلحدیث کو ذیل میں بیان کردیا جائے۔

تعظیم سنت

مولانا ابوالبرکات جھنڈا نگری نے مجھ سے بیان کیا کہ مدرسہ رحمانیہ کی زیارت کے لئے ازہر کے شیخ تشریف لائے، شیخ الحدیث اس وقت بخاری کا درس دے رہے تھے، شیخ عطاء الرحمان صاحب نے چاہا کہ اسی کمرہ میں شیخ ازہر کا استقبال کیا جائے لیکن شیخ الحدیث نے ایسا کرنے سے روک دیا کہ اگر چہ علمی حیثیت سے بہت اونچے ہیں لیکن چونکہ ترک سنت کرتے ہیں (وہ داڑھی نہیں رکھے ہوئے تھے اور پینٹ پہنے ہوئے تھے) اس لئے درس بخاری کے کمرہ میں ان کا استقبال نہیں کیا جا سکتا تو ان کا استقبال مدرسہ کے ہال کمرہ "دارالتذکیر" میں کیا گیا۔

جناب محمد بشیر صاحب شنکر نگری نے مجھ سے ایک ملاقات کے موقع پر بیان کیا کہ ۱۹۵۳ء کے اجلاس عام میں شیخ الحدیث صاحب نے مولانا ابوالخیر برق لکھنوی کو اسٹیج سے تقریر کی اجازت نہیں دی تھی حالانکہ مولانا برق اس اجلاس میں تشریف لائے تھے اس کی وجہ یہ تھی کہ ان کی ریش کٹی ہوئی تھی، نیز یہ بھی دیکھا گیا کہ اس بستی میں جو لوگ داڑھی مونڈتے تھے یا جن کی داڑھی کٹی ہوئی تھی ان سے مصافحہ تو کرلیتے تھے مگر مخاطب نہیں ہوتے تھے اور سر نیچا کرلیتے تھے۔

متعلقین پر شفقت اور ان کی دلجوئی و تربیت

جناب خورشید احمد خاں بن الحاج عبد القیوم خاں سرپنچ" بجوا ضلع گونڈہ نے ایک ملاقات میں مجھ سے بیان کیا کہ : میرے یہاں والد صاحب موحوم کے زمانہ میں شیخ صاحب بارہا تشریف لاتے اور ہمیشہ کم از کم ایک شب ضرور قیام فرماتے تھے، والد صاحب کے انتقال کے بعد شیخ صاحب کا جھنڈا نگر آنا ہوا تو انھوں نے خط بھجوایا کہ آکر یہاں ملاقات کرلو، لیکن اس وقت مجھے شدید بخار تھا، ایک سو چار، پانچ ڈگری حرارت تھی، میرے چچا حکیم محمد یونس خاں مرحوم ریٹائرڈ حکیم گورنمنٹ یونانی شفاخانہ قادر آباد سدھارتھ نگر نے سختی سے مجھے منع کیا کہ تم وہاں جانے کے قابل نہیں ہو، اس لئے ہم اطلاع کردیتے ہیں، مگر شیخ صاحب کو اطلاع پہونچ نہیں سکی، تو میں نے اپنے حالات سے شیخ صاحب کو مبارکپور بذریعہ خط مطلع کیا، اس کے جواب میں شیخ بابا مرحوم نے لکھا کہ اگر مجھے تمہاری بیماری کی اطلاع ہوتی تو میں بجوا ضرور آتا۔

میں کہا کرتا تھا کہ میرے تین ابا ہیں ایک میرے والد صاحب دوسرے حکیم الحاج عبد المنعم خاں شاہی طبیب ریاست بلرام پور اور تیسرے شیخ ابا، بھائی عبدالرحمان مبارکپوری کہا کرتے تھے کہ ابا آپ کے لئے بڑی دعائیں کرتے رہتے ہیں۔

میں عزیزم انور خورشید کی تعلیم کے دوران جامعہ سلفیہ برابر جاتا تھا اور سفر میں شیخ بابا سے ضرور ملاقات کرتا تھا، اپنی بیٹی نور چشمی مریم سلمہا کے سامان جہیز کی خریداری میں نے بنارس میں کی، واپس مبارکپور آئے تو مولانا عبد الرحمان صاحب نے ثنائی ترجمہ والا قرآن مجید تحفتاً بچی کے لئے خرید کردیا، اور شیخ بنفس نفیس جاکر دوکان سے تین کتابیں " دین کیسے سیکھیں" "بچوں کی تربیت کیسے کریں" اور گھریلو جھگڑے " لے کر آئے اور ان پر اپنے قلم سے لکھا " برائے عزیزہ نور چشمی مریم سلمہا، از عبیداللہ رحمانی مبارکپوری " برادرم خورشید احمد خاں صاحب اس بیان کے دوران بار بار روئے اور اس قدر گلوگیر ہوئے کہ کچھ کہنا مشکل ہوجاتا، اس سے میں بے حد متاثر ہوا اور اندازہ ہوا کہ آپ لوگوں کو شیخ

صاحب سے کس قدر گہرا اور جذباتی تعلق تھا۔

خواتین کو غض بصر کی تاکید

جناب حافظ عبد الحکیم صاحب مدرس جامعہ سلفیہ نے حافظ عبد اللطیف کے حوالہ سے بیان کیا کہ شیخ الحدیث صاحب کو جب کبھی شنکر نگر گاؤں کی گلیوں سے گذرنا ہوتا تو پہلے کسی آدمی کو خاص طور سے میاں عبد الوہاب صاحب کو بھیج دیتے جو بڑی ڈپٹ دار آواز کے مالک تھے، انھیں ہدایت کردیتے کہ جاکر عورتوں کو ہشیار کردو کہ وہ اندر ہو جائیں اور میری نگاہ کسی عورت پر نہ پڑے، اس طرح وہ پہونچ کر عورتوں کو گھروں کے اندر ہو جانے کی تاکید کردیتے تب شیخ صاحب نکلتے تھے۔

تنگ دستی کے باوجود زہد و توکل

مولانا ابو البرکات صاحب نے مجھ سے بیان کیا کہ مدرسہ رحمانیہ دہلی چھوڑنے کے بعد مولانا کی مالی حالت اچھی نہیں تھی، ایک بار جھنڈا نگر آئے، واپسی میں لوگوں نے کرایہ کا پیسہ دینا چاہا تو مولانا نے کہا: میں ٹکٹ لے چکا ہوں، مولانا عبد الرؤف صاحب نے چپکے سے تحفتا کچھ باریک چاول مولانا کی لاعلمی میں ٹرین میں رکھوادیا، جب ٹرین نے سیٹی دی اور شیخ نے سامان دیکھا تو پوچھا یہ کس کا سامان ہے بمشکل جب مولانا اقبال رحمانی بونڈیہار نے کہا یہ آپ کا تحفہ ہے اور تحفہ لینا سنت ہے، تو مولانا نے کہا کہ میں بھی جانتا ہوں لیکن جب میں اپنے یہاں جاؤں گا تو لوگ کیا کہیں گے کہ پیری مریدی کا یہ صلہ لے کر آئے ہیں، غالبا مولانا عبد الصبور اکرہرا نے کہا کہ پیسہ ہی دے دیجئے گا تو شیخ نے کہا " اتنا پیسہ کہاں " ؟

جود و سخا اور اکرام ضیف

مولانا ابو البرکات صاحب نے مجھ سے بیان کیا کہ ایک بار میرے والد محترم میاں محمد زکریا شیخ صاحب سے ملنے مبارکپور گئے، بے وقت پہونچے تھے، شیخ صاحب نے دودھ دینے والی گھر کی پلی ہوئی بکری ہی

ضیافت میں ذبح کر ڈالی۔

شیخ صاحب غسل خانے ، پاخانے وغیرہ کا پانی مہمانوں کے لئے اپنے ہاتھ سے رکھتے تھے ، چائے خود اپنے ہاتھوں سے بنا کر پلاتے تھے ، اور اصرار کے باوجود کسی کو کوئی کام نہیں کرنے دیتے تھے ، بستر خود بچھاتے تھے ، اگر کوئی بچھا دے تو اسے الٹ کر خود جھاڑ کر پھر سے بچھا دیتے تھے۔

شیخ صاحب رحمہ اللہ سے جس نے بھی ملاقات کی ہے وہ سب ہی اس اعلی مہمان نوازی پر شاہد و متفق ہیں ۔ مولانا ابو العاص صاحب وحیدی نے براویت مولانا محمد اقبال رحمانی مجھ سے بیان کیا کہ : جناب عبدالمعبود خاں صاحب سابق ناظم مدرسہ سراج العلوم بونڈیہار ایک بار مبارکپور گئے ، واپس آئے تو کہنے لگے اب میں دوبارہ مبارکپور شیخ الحدیث سے ملنے کبھی نہیں جاؤں گا ، لوگوں نے پوچھا کیا بات ہے ؟ انھوں نے بتایا کہ میں ناخواندہ آدمی ، جانے پر شیخ صاحب نے میرے لئے چارپائی بچھائی ، بستر لگایا پاخانہ گھر میں پانی رکھا پھر حاجت کی ضرورت کے متعلق استفسار کیا اور پھر نکلنے کے بعد دیکھا کہ صابون اور پانی ہاتھ دھلنے کے لئے رکھا ہوا ہے اور چائے بھی خود بنا کر لا رہے ہیں ، میں شرم سے پانی پانی ہو گیا۔

کفایت شعاری کی تلقین

جناب حفیظ اللہ صاحب شنکر نگر نے مجھ سے ایک موقع پر بیان کیا کہ : مدرسہ نسواں شنکر نگر کی جدید تعمیر کی تکمیل کے بعد مجھے اور حاجی ادریس صاحب کو مبارکپور بھیجا گیا کہ شیخ صاحب سے اس کا نام تجویز کرالیں ، شیخ صاحب نے پہلے تو خفگی کا اظہار فرمایا اور کہا کہ : اتنی چھوٹی چھوٹی باتوں کے لئے انجمن کا پیسہ آپ لوگ کیوں صرف کرتے ہیں ، خط کے ذریعہ یہی بات معلوم کر سکتے تھے ، پھر انھوں نے ہم لوگوں کو واپس یہ کہہ کر بھیجا کہ اس کا نام بونڈیہار سے تجویز کرالیں ، اخیر میں اس کا نام مولانا عبد الرحمان مبارکپوری ابن شیخ الحدیث نے "الکلیہ المحمدیہ للبنات" تجویز فرمایا اور یہ تجویز شیخ صاحب کے انتقال کے بعد ہوئی ہے ۔

رائے زنی سے اجتناب

جناب محمد مصطفےٰ صاحب شنکر نگر نے ایک موقع پر مجھ سے بیان کیا کہ حکیم محمد ادریس صاحب پندرہ بیس سال کے بعد شیخ صاحب کے پاس گئے ، یہ املو کے رہنے والے تلشی پور میں بود و باش رکھتے تھے ، شیخ صاحب ان کے سراپا کو بار بار دیکھتے رہے جس سے معلوم ہوتا تھا کہ وہ پہچانتے تو ہیں مگر نام سے واقف نہیں ، حکیم صاحب اتنے میں مسکرا دئے تو شیخ صاحب نے کہا کہ تم محمد ادریس تو نہیں ہو ، پھر شیخ سے ایک مدرسہ نسواں (تلشی پور) کی بنیاد رکھنے کی فرمائش کی تو شیخ صاحب نے جواب میں کہا کہ : کیا ادریس تمہارا بھی دوسروں کی طرح دماغ خراب ہوگیا ہے ؟ اتنے معمولی کام کے لئے ہم کو پریشان کروگے اور لوگ سنیں گے تو وہ بھی دوڑ کر ازدحام کریں گے ، اور مختلف جگہوں میں چلنے کے لئے کہیں گے ، اور میں بوڑھا آدمی اس مشکل کو کیسے جھیل سکوں گا ، کیا ہی اچھا ہوتا کہ تم ایک معصوم بچے کو لیتے اور اس کے ہاتھ میں اینٹ تھما کر اس سے بنیاد رکھوالیتے ، معصوم بچے کے مقابلہ میں ہماری کیا حیثیت ہے ، انھوں نے کہا کہ شیخ کی اس بات سے میرے دماغ کے دریچے کھل گئے ، میں نے پھر مولانا علی میاں کا نام لیا تو انھوں نے ان کی بھی تعریف کی اور کہا کہ ٹھیک ہے بنیاد رکھنے کے لئے وہ مناسب ہیں مگر ان کو موقع کہاں ، پھر میں نے جماعت اسلامی کے مولانا ابو اللیث کا نام لیا تو شیخ نے ان کے متعلق بھی ہی کلمات کہے جیسے علی میاں کے متعلق کہے تھے ، پھر میں نے مولانا خلیل رحمانی کا نام لیا تو ا سا نے ویسے ہی کلمات کہے مگر یہی کہا کہ : انہیں فرصت کہاں ، آخر میں مولانا خلیل رحمانی کے ذریعہ بنیاد رکھوائی ۔

فصل خصومات کا کمال

جناب فخر الحسن صاحب بونڈیہار گونڈہ نے ایک ملاقات میں مجھ سے بیان کیا کہ مہوا کے عبد المعبود خاں کا جب انتقال ہوا جو سراج العلوم کے ناظم تھے تو اس عرصہ میں مدرسہ کے ناظم کے انتخاب کا مسئلہ درپیش

ہوا اس کے لئے شیخ صاحب کو بحیثیت سرپرست بلایا گیا، بعض حضرات نظامت کے خود خواہش مند تھے، لیکن خاندان کے عام افراد کی پسند کے خلاف تھا، اس لئے شیخ صاحب فرداً فرداً لوگوں کو بلا کر ان کی رائے لینے لگے، اور مسجد قدیم مدرسہ بونڈیہار میں ایک تقریر کی، اور مولانا محمد اقبال رحمانی کا نام انہوں نے از خود منتخب فرمایا، مولانا اقبال صاحب رونے لگے، اور اس ذمہ داری کو بہت عظیم قرار دیا، شیخ صاحب نے دیگر مدارس کے نظماء کی مثالیں دے کر انھیں اس منصب کی قبولیت پر راضی کیا، اور خاندان کے سارے لوگ بھی اس پر مطمئن تھے، اس وقت صورت حال بے حد نازک تھی، اگر نظامت کے خواہشمند بعض حضرات کا انتخاب بحیثیت ناظم ہو جاتا تو اس پر خاندان دو حصوں میں بٹ سکتا تھا۔

فخر الحسن صاحب نے بیان کیا کہ بونڈیہار خاندان کی دو پٹیوں کے لوگوں میں مزدوروں کے سلسلہ میں تنازعہ ہو گیا، اور وہ بڑھتے بڑھتے شدید مار پیٹ اور لڑائی تک پہونچ گیا، اس پر شیخ صاحب کو مدعو کیا گیا، اور اس قضیہ کو ان کے سامنے رکھا گیا، انھوں نے اس مسئلہ کا فیصلہ دیا اور ایک فریق کے سرغنہ کو چھ ماہ کے لئے گاؤں بدر کر دیا اور دونوں فریق نے اس فیصلہ کو تسلیم کیا، گاؤں بدر کئے گئے شخص اور اس کے فریق کے موئدین میں مولانا محمد یسین صاحب اور ان کا گھرانہ بھی تھا اور بات گفتگو وغیرہ کے ذریعہ واضح ہوئی، شیخ صاحب نے فیصلہ کے وقت مولانا موصوف سے فرمایا کہ آپ معافی مانگ لیں تو ان کے گھرانے کے لوگوں نے کہا کہ وہ معافی نہیں مانگیں گے، اس پر شیخ صاحب نے مولانا کو مخاطب کر کے فرمایا کہ مظلوم بن کر کے جاؤ ظالم بن کر نہ جاؤ، یہ سن کر مولانا محمد یسین اٹھے اور انھوں نے معافی مانگ لی۔

جناب فخر الحسن صاحب نے بیان فرمایا کہ بونڈیہار اور راجہ اترولہ کے گاؤں محمد پور کی سرحد پر ساکھو کے درختوں کی ایک باڑھ تھی جو ایک بڑے جنگل کا ایک حصہ تھا، وہ اگرچہ میری آراضی پر تھا، مگر خاندان کے تینوں گاؤں کنڈؤ بونڈیہار اور مہوا کے لوگوں کا یہ فیصلہ تھا کہ یہ جب بھی ملے گا تینوں گاؤں کے لوگوں کا برابر حصہ ہوگا، محمد پور کے لوگ جب اپنا جنگل کا حصہ کاٹنے لگے تو خاندان کے کچھ لوگوں

نے بھی جاکر ان درختوں کو کاٹنا شروع کردیا، اس پر تناؤ ہوا، رپٹ کی گئی، پولیس آئی اور اس نے روک دیا، پھر اس قضیہ کے حل کے لئے شیخ صاحب کو مدعو کیا گیا، شیخ صاحب پیدل چل کر جائے وقوعہ پر گئے، معائنہ فرمایا اور واپس آکر فیصلہ دیا کہ یہ درختان تینوں گاؤں کے تینوں فریق کو برابر برابر تقسیم کردئے جائیں، اور سب لوگوں نے یہ فیصلہ تسلیم کرلیا، بعض لوگوں نے اپنا حصہ مدرسہ سراج العلوم کو بھی دے دیا۔

اس نوع کے واقعات کے علاوہ لوگوں کا متفقہ بیان ہے کہ شیخ صاحب یہاں کے اکثر نزاعات کا فیصلہ کرتے تھے اور لوگ اسے تسلیم کرتے تھے۔

کار خیر میں شرکت

قدیم مدرسہ سراج العلوم بونڈیہار میں حضرت مولانا عبد السلام صاحب مبارکپوری ؒ کی مدرسی کے زمانہ میں جب شیخ صاحب یہاں زیر تعلیم تھے ایک کنواں کھودا گیا، کھدائی کے دوران شیخ صاحب مٹی وغیرہ کی ڈھوائی کے عمل میں شریک رہا کرتے تھے (بروایت جناب فخر الحسن صاحب)

اوصاف حمیدہ

جناب مسعود احمد خاں صاحب بونڈیہار نے مجھ سے ایک ملاقات میں بیان فرمایا کہ: شیخ صاحب بہت صاف شفاف طبیعت کے تھے، اور بہت انصاف پسند تھے، ہمارے خاندان میں کوئی نزاع ہوتا تھا تو شیخ صاحب کو بلایا جاتا تھا اور وہی بٹھا کر فیصلہ کرتے، کسی کی دی ہوئی چیز بغیر پیسہ کے نہیں لیتے تھے، دعوتیں بھی دینی احوال کو مناسب دیکھ کر ہی قبول کرتے تھے، نماز کے لئے بہت کوشش کرتے تھے کہ: آپ لوگ مسلمان بنئے، آنے کے بعد ہر آدمی سے پوچھتے تھے کہ آپ لوگ نماز پڑھتے ہیں؟

مدح و ستائش سے تنفر

مولانا رفیق احمد ریاضی کولھوئی سدھارتھ نگر نے ایک ملاقات میں مجھ سے بیان کیا کہ شیخ

صاحب مدرسہ دار الہدی یوسف پور سدھار تھ نگر بسلسلۂ امتحان تشریف لے گئے تو شیخ صاحب کی منقبت میں حیرت بستوی اور امجد نیپالی صاحبان نے اشعار پڑھے، شیخ صاحب نے فرمایا ان دونوں حضرات نے فن شاعری کو خوب نبھایا مگر میری تعریف اتنی کردی جس کا میں اہل نہیں ہوں، آپ لوگ میری تعریف کر رہے تھے اور میرا دل رو رہا تھا، یہ کہہ کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگے پھر لوگوں نے دعا کے لئے کہا تو مولانا عبد العظیم اکرہرا سے فرمایا کہ آپ دعا کردیں۔

"اسلام میں حلال وحرام" پر اظہار خیال

مولانا ابو العاص وحیدی صاحب نے ایک ملاقات میں مجھ سے بیان کیا کہ: مذاکرہ علمی واجلاس عام بونڈیہار کے موقع پر یادگار مجلہ کی اشاعت کے سلسلہ میں حضرۃ الشیخ سے انٹرویو کے لئے میں مبارکپور گیا ہوا تھا، اس موقع پر شیخ یوسف القرضاوی کی کتاب الحلال والحرام کا اردو ترجمہ طبع ہو کر الدار السلفیہ بمبئی سے شیخ صاحب کے پاس آیا ہوا تھا، اور اس پر ادارہ کی طرف سے کچھ تاثر کی فرمائش تھی، شیخ نے اسے دیکھ کر فرمایا اس وقت ان کا مخاطب صرف میں تھا، انھوں نے فرمایا کہ کتاب طبع ہو جانے کے بعد اس پر کیا اظہار تاثر کیا جاسکتا ہے، بہتر ہوتا کہ کتاب کو طبع ہونے سے پہلے ارسال کیا جاتا، اس میں بیسیوں مسائل محل نظر ہیں جن پر استدراک کیا جاسکتا ہے اور جو منہج سلف سے منحرف ہیں۔

زکوۃ کی رقم کا مسجد کے لئے استعمال

مولانا ابو العاص صاحب نے بیان کیا کہ ایک اور موقع پر شیخ یوسف القرضاوی ہی کا ایک فتوی مسجد میں زکوۃ کی رقم لگانے کے جواز کے متعلق تھا شیخ نے مجھے مخاطب کرکے فرمایا کہ: دیکھئے یہ فتوی شائع ہوا ہے، اس پر میں کچھ لکھ رہا ہوں اور لکھی ہوئی ادھوری تحریر پر بھی میری نظر پڑی، شیخ فرمارہے تھے کہ دیکھئے یہ کب مکمل ہو ! یہ تحریر شیخ قرضاوی کے فتوی پر نقد تھی۔

طرز تدریس

مولانا عبد الشکور رحمانی صاحب مدرس کلیہ البنات بونڈیہار نے ایک ملاقات میں مجھ سے بیان

فرمایا کہ : شیخ الحدیث " ہم لوگوں کو جب شرح وقایہ جلد ا... ۲ پڑھاتے تھے تو موصوف بہت تیار ہو کر آتے تھے ، ہر سبق کے بارے میں آپ کو وسیع معلومات ہوتی تھیں، جس کی وجہ سے آپ بڑی دل چسپی اور عرق ریزی سے اسباق پڑھاتے تھے ، شرح وقایہ کتاب الکفوٗ کے سبق کو پڑھانے سے قبل فرمایا کرتے تھے کہ اگر شرح وقایہ سے یہ دو اوراق نکال دئے جائیں تو بہتر ہے، کیونکہ شریعت محمدیہ کے اصول کے یہ خلاف ہے ، کل مسلم اخوۃ کے یہ بالکل خلاف ہے ، کتابوں پر حاصل مطالعہ کے بطور حواشی لکھا کرتے تھے ، اور درس کے دوران مسکرایا کرتے تھے ، ہر طالب علم پر نظر رکھتے تھے ، اور سوال کر کے پوچھتے کہ آپ نے کیا سمجھا ، فقہ کے درس میں احادیث اور منہج سلف سے تعاون لیتے اور حدیث کے درس میں محدثین خصوصا ابن حجر وغیرہ کے بیان کردہ اقوال ودلائل کے شواہد پیش فرماتے تھے ۔

صبر و تحمل

جناب محمد مصطفے صاحب شنکر نگری نے ایک ملاقات میں مجھ سے بیان کیا کہ حافظ مولوی عبد الطیف شنکر نگری مدرس مدرسہ عالیہ مئو کی روایت ہے کہ : پڑوس کا ایک آدمی جو مخالف مذہب کا تھا اور شیخ صاحب سے تعصب رکھتا تھا ، اس نے کچھ لوگوں کے کہنے پر شیخ صاحب کے دروازہ پر گندگی ڈالنی شروع کردی ، شیخ صبح کو اٹھتے اور اسے صاف کردیتے ، نہ گھر میں کسی کو خبر دیتے اور نہ کسی پڑوسی سے کوئی شکایت کرتے، شیخ نے شنکر نگر میں یہ واقعہ خود بیان کیا ہے اور جناب ضیاء اللہ صاحب شنکر نگری نے شیخ کی زبانی اس واقعہ کو سنا ہے ، حافظ عبد اللطیف صاحب نے مزید بتایا کہ گندگی پھینکنے والے شخص نے خود مجھ سے بیان کیا کہ کچھ عرصہ بعد میرے دونوں ہاتھوں میں رعشہ ہوگیا، بہت علاج کرایا مگر کامیاب نہ ہوا، لوگوں نے کہا کہ شیخ صاحب سے رجوع کرو ، وہ شخص شیخ کے پاس آیا، موصوف نے کہا کہ بھئی میں نے تم کو کوئی بد دعا نہیں دی ہے ہاں تم کہتے ہو تو میں دعا کروں گا ، اگر اللہ کی مرضی ہوئی تو وہ شفا دے سکتا ہے ، حافظ صاحب کہتے ہیں کہ وہ ابھی زندہ ہے اور اس کے ہاتھوں میں رعشہ باقی ہے ۔

رعشہ کے اس واقعہ کی تفصیلات وحقائق معلوم کرنے کی غرض سے جناب حافظ عبد الحکیم فیضی

حافظ عبد الطیف سے ملنے اگست ۹۴ء کو مئو گئے، ملاقات پر حافظ صاحب نے اس واقعہ کی تصدیق کی اور مئو کے ایک واسطہ کا تذکرہ کیا اور وہ حکیم مصباح الرحمان شمع میڈیکل اسٹورس مرزاہادی پورہ مئو تھے، حافظ عبد الحکیم نے ان سے ملاقات کی خواہش ظاہر کی، دونوں حضرات گئے حکیم صاحب سے اس واقعہ کا استفسار کیا تو انھوں نے اس کی تصدیق کی اور کہا کہ : میں نے یہ واقعہ اس مریض کے کہنے کے مطابق کسی سے ذکر نہیں کیا تھا، صرف اپنے بچوں کو عبرت کے لئے بتایا تھا کہ اللہ کے نیک بندوں کو ستا نے سے آدمی آزمائش میں پڑ سکتا ہے، وہ آدمی اس مرض کے لاحق ہونے کے بعد ان کے یہاں علاج کے لئے آیا تھا اور علاج تقریبا ایک سال چلا تھا مگر کوئی بھی فائدہ نہ ہوا تو حکیم صاحب کے پاس ایک روز جب وہ اپنی دوکان کی نئی ترتیب میں مشغول تھے وہ آدمی آیا، اس نے کہا کہ اتنا دن ہوگیا اور کوئی فائدہ نہیں ہورہا ہے، تو حکیم صاحب نے کچھ بے رخی اور خفگی کے انداز میں کہا کہ : یہ خدا کی طرف سے تمہارے لئے کوئی آزمائش ہے تو کیسے اچھا ہوگا، مریض کو شبہ ہوا کہ حکیم صاحب کو واقعہ کی خبر ہے، تو اس نے حکیم صاحب سے پوری تفصیل بتادی اور کسی سے نہ بیان کرنے کو کہا۔

صلہ رحمی

حضرت مولانا عبد الرحمان مبارکپوری صاحب نے ایک ملاقات میں مجھ سے بیان فرمایا کہ : والد صاحب اقرباء کے ساتھ صلہ رحمی کا خاص خیال رکھتے تھے، اور ان کے بچوں اور ہم لوگوں میں عید وغیرہ کے موقع پر کپڑے وغیرہ کے سلسلہ میں کوئی فرق نہیں کرتے تھے، سب کو یکساں کپڑے سلواتے تھے۔

لباس

مولانا عبد الرحمان صاحب رحمانی نے مجھ سے بیان فرمایا کہ لباس کے متعلق ابا کا معیار یہ تھا کہ کپڑا صاف ستھرا ہونا چاہئے، قیمتی نہیں ہونا چاہئے، حالات ہمیشہ یکساں نہیں رہتے، حالات کے تغیر کے بعد جب آدمی تنگدست ہوکر اپنی وضع بدلے گا تو لوگ ہنسیں گے۔

فتوی نویسی کا اصول

حضرت مولانا عبد الرحمان مبارکپوری رحمانی نے مجھ سے بیان فرمایا کہ والد محترم نے فتوی نویسی کے متعلق یہ اصول بتائے کہ: بسا اوقات سوال بہت مفصل ہوتا ہے، دیکھنا یہ چاہئے کہ اس کی بنیادی باتیں کیا ہیں، اور پھر جواب اس طرح الفاظ کے انتخاب کے ساتھ دینا چاہئے کہ سائل اس کا مفہوم سمجھ جائے، اور تعبیر مناسب تر ہو، اس سلسلہ میں مولانا نے ایک مرتبہ کا ذکر فرمایا کہ: فتوی دیکھتے ہوئے ایک بار ابا نے ایک لفظ کی جگہ دوسرا لفظ بدل کر رکھ دیا تو مفہوم بالکل بدل گیا، اور نہایت واضح ہوگیا۔

تالیف مرعاۃ کے اصول

مولانا عبد الرحمان صاحب رحمانی نے مجھ سے بیان فرمایا کہ: حدیث کے مالہ وما علیہ کا پہلے مطالعہ کرتے، پھر اس کے بعد لکھوانا شروع کرتے تو مسلسل لکھواکر ختم کرتے خواہ دو چار دس صفحات تک بحث طویل ہوجائے، جملوں میں ربط وتسلسل پر اس قدر قدرت تھی کہ پلٹ کر کبھی نہ پوچھتے کہ ذرا بتاؤ کیا لکھا۔

تربیت اولاد

مولانا عبد الرحمان صاحب نے بیان فرمایا کہ والد صاحب نے بہنوں کو فجر کی نماز کے بعد روزانہ پانچ ترجموں والا قرآن مجید دلی سے منگواکر تا ختم پڑھایا تھا، اسی لئے ہمشیرہ کو دعائیں بہت زیادہ یاد تھیں۔

☆☆☆

آہ واستدراک

مولانا عبد الباری فتح اللہ مدنی ابوظبی، امارت

آہ! ۲۲ / رجب ۱۴۱۴ھ مطابق ۵ / جنوری ۹۴م بروز بدھ امت اسلامیہ کے لئے بڑے رنج والم اور غم واندوہ کا دن تھا، جس میں استاذ جلیل علامۂ زمانہ شیخ الحدیث ابو الحسن عبید اللہ بن عبد السلام رحمانی بوقت صبح تقریبا چھ بجے اس دار فانی سے رحلت فرما گئے، انا للہ وانا الیہ راجعون اللھم اغفر له وارحمه۔(۱)

اس دور میں امت مسلمہ علامہ البانی حفظہ اللہ اور شیخ الحدیث عبید اللہ رحمانی رحمہ اللہ تعالی کی شخصیتیں علم حدیث کی تاجدار تھیں، جن میں شیخ الحدیث رحمہ اللہ تعالی تو اس دنیا سے چلے گئے مگر بحمد اللہ ابھی دوسرے شخص علامہ البانی حفظہ اللہ تعالی بقید حیات ہیں، رب کریم انہیں بصحت وعافیت، اور ایمان واعمال صالحہ کے ساتھ تادیر باقی رکھے۔

شیخ الحدیث عبید اللہ رحمانی رحمہ اللہ تعالی سے ان کی زندگی کے آخری ایام میں میرے روابط اس لئے اور زیادہ گہرے ہو گئے تھے کہ انہوں نے ان دنوں مجھے اجازت حدیث عطا فرمائی تھی، اس طرح سے وہ میرے استاذ بالاجازہ تھے، اس شرف اجازت حدیث سے مجھے جو خوشی حاصل ہوئی تھی وہ میرے بیان سے باہر ہے۔ اس اجازت حدیث کے صلہ میں میں نے ان کے لئے بیش از بیش دعائیں کیں، اور جب کبھی ہندوستان جانے کا اتفاق ہوتا تو ان سے ملاقات کی کوشش کرتا، اس ملاقات کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہوتا کہ شیخ رحمہ اللہ تعالی تاوقت مجالست مجھ سے علم حدیث ہی سے متعلق باتیں کرتے اور میں ان کے بیان کیمیا اثر سے محظوظ ومستفید ہوتا، اور دوران گفتگو بصد ادب بعض چیزوں سے متعلق استفسارات بھی کرتا رہتا اور وہ بڑے اطمینان بخش جواب سے نوازتے رہتے۔

(۱) صحیح بخاری ج ۲ / ۹۹۱ حدیث ۱۳۲۷، صحیح مسلم ج ۲ / ۶۵۷، مسند احمد ج ۵ / ۲۹۹، ۳۰۰۔

ماضی قریب کی میری ملاقات پر انہوں نے ایک بات از خود کہی اور مجھے اس سے دوسروں تک پہونچانے کی اجازت بھی دی ، انہوں نے فرمایا کہ مجھ سے ایک عرب نوجوان نے علامہ محمد شاکر مصری رحمہ اللہ تعالی اور محدث عصر علامہ البانی حفظہ اللہ تعالی کی شخصیتوں سے متعلق سوال کیا ، تو میں نے اسے مختصر اجواب دیا کہ کہ " الشیخ احمد شاکر رحمہ اللہ عالم متساهل ' والشيخ محمد ناصر الدين الألباني عالم محقق " ۔

آپ کے جنازے میں حاضرین کا کافی ازدحام تھا ، مجلات وجرائد اور لوگوں کی زبانی جو خبریں ملیں ان کے پیش نظر حاضرین کی تعداد پندرہ سے بیس ہزار تک پہونچتی ہے ، میرے علم میں کسی خالص عالم دین کے جنازے میں ہندوستان میں اتنا بڑا مجمع نہیں ہوا ۔ صلحاء امت جنازے میں حاضرین کی کثرت کو میت کے لئے راہ حق پر گامزن اور عند اللہ مقبول بارگاہ ہونے کی دلیل بنایا کرتے تھے ، چنانچہ ابن الجوزی رحمہ اللہ تعالی (ت ۵۹۷) نے بسند متصل لکھا ہے کہ امام احمد بن حنبل کے فرزند ارجمند عبد اللہ بن احمد (ت ۲۹۰) رحمہما اللہ تعالی نے فرمایا کہ میں نے اپنے والد محترم احمد بن حنبل (ت ۲۴۱) کو کہتے سنا کہ " قولوا لأهل البدع بيننا وبينكم يوم الجنائز (۱) اہل بدعات سے کہو کہ ہمارے اور تمہارے درمیان جنازے کا دن فیصلہ کن ہوگا ، یعنی جو راہ حق پر ہوگا اس کے جنازے میں ازدحام زیادہ ہوگا چنانچہ اصح روایت کے پیش نظر امام احمد بن حنبل کی جنازے ں نماز آٹھ لاکھ مرد اور ساٹھ ہزار عورتوں نے پڑھی تھی (۲) ۔ مجھے امید ہے شیخ الحدیث رحمہ اللہ کے جنازے کا ازدحام بھی اسی معنی میں رہا ہوگا ، ان شاء اللہ تعالی ۔

انسانی نگاہ میں آپ کی زندگی اس دفتر ہستی کا زریں ورق اور خورشید کی مانند تابندہ تر تھی ، آپ نے تاحیات تقوی اور کم آمیزی کو اپنا شعار بنائے رکھا ، مگر پھر بھی احیاء سنت کے باب میں آپ آسمان کے درخشندہ ستارے تھے ، فتوی دہی میں بڑے احتیاط واستحکام سے کام لیا کرتے تھے ، قوت حافظہ کا یہ حال تھا کہ ان سے دینی مسائل پر گفتگو کرنا ان کی مشہور زمانہ کتاب " مرعاۃ المفاتیح شرح مشکاۃ المصابیح " پڑھنے کے مرادف تھا ، یہ سنی سنائی بات نہیں بلکہ یہ میرا اپنا ذاتی تجربہ ہے ۔

آپ کے انتقال سے امت اسلامیہ بالخصوص جماعت اہل حدیث ایک محدث تقی ونقی اور عالم

(۲،۱) ملاحظہ ہو مناقب الامام احمد لابن الجوزی ص ۵۰۵ ، تہذیب التہذیب ج ۱/ ۷۵

رشد وہدایت سے محروم ہو گئی ، فاللهم اجرها في مصيبتها وأخلفها خيرا منها . (۱)

ان سطور کو تحریر کرتے وقت میرا دل اندوہ گیں اور آنکھیں اشکبار ہیں اس لئے میں بسوز قلب شیخ الحدیث رحمہ اللہ تعالیٰ کے لئے وہی دعاء پڑھ رہا ہوں جسے رسول اللہ ﷺ نے ام المؤمنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے گھر ابو سلمہ رضی اللہ عنہ کی موت پر پڑھا تھا ۔

اللهم اغفر للشيخ عبيد الله الرحماني ' وارفع درجته في المهديين ' وأخلفه في عقبه في الغابرين ' واغفر لنا وله يا رب العالمين ' وافسح له في قبره ' ونور له فيه ۔ (۲)

استدراک : شیخ الحدیث رحمہ اللہ کے جنازے میں امت اسلامیہ کی مایۂ ناز ہستیاں اور جماعت اہل حدیث کے جگر پارے موجود تھے ، اس ازدحام میں وہ مفتیان بھی تھے جن کی فتوی نویسی پر اہل حدیث ہند کو بجا طور پر ناز واعتماد ہے ، وہاں پر میرے وہ اساتذہ بھی موجود تھے جن کی علمی وقعت وعظمت بچپن سے آج تک میرے دل پر ثبت ہے ، ان سارے حضرات کی موجودگی کے باوصف شیخ رحمہ اللہ کے جنازے کی نماز رات میں بعد نماز مغرب پڑھی گئی اور اس کے بعد اسی وقت آپ کو دفن بھی کیا گیا ، جبکہ نماز جنازہ اور دفن ایک ساتھ رات میں دونوں کو جمع کرنا حرام ہے ، ہاں اگر نماز جنازہ دن میں ادا کی جا چکی ہو تو رات میں میت کو دفن کیا جا سکتا ہے ، چنانچہ جابر بن عبد اللہ انصاری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے " زجر النبي ﷺ أن يقبر الرجل بالليل حتى يصلى عليه إلا أن يضطر إنسان الى ذلك " (۳) یعنی مجبوری زیادہ نہ ہو تو نبی ﷺ نے میت پر - دن میں - نماز جنازہ پڑھے بغیر رات میں دفن کرنے سے سختی سے منع فرمایا ، سیرت ابن ہشام میں مروی ہے کہ نبی ﷺ کی نماز منگل کے روز دن میں پڑھی گئی اور آپ کی تدفین بدھ کی رات عمل میں آئی ۔ (۴)

ابن حزم رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں جس کا دفن بھی رات کے وقت عمل میں آیا اس کی کوئی خاص وجہ ضرور تھی جس کے بسبب وہ ایسا کرنے پر مجبور

(۱) صحیح مسلم ج ۲ / ۶۳۲ ، مسند الامام احمد ج ۶ / ۳۰۹ ، سنن البیہقی ج ۴ / ۶۵

(۲) صحیح مسلم ج ۲ / ۶۳۴ ، مسند الامام احمد ج ۶ / ۲۹۷ ، سنن البیہقی ج ۳ / ۳۸۴

(۳) ملاحظہ ہو صحیح مسلم جلد ۲ / ۶۵۱ ، منتقی ابن الجارود (۵۴۶) ، سنن ابی داود ج ۳ / ۵۰۵ ھ مسند الامام احمد ج ۳ / ۲۹۵ ، ۳۲۹ ۔

(۴) سیرت ابن ہشام ج ۴ / ۳۱۴ ۔

تھے ، خواہ وہ بھیر بھاڑ کا خوف رہا ہو ، یا پھر مدینہ کی گرمی کی شدت کا خوف ، اور یا تو میت کے جسم کے بگڑنے اور خراب ہونے کا خوف رہا ہو ، ورنہ کسی شخص کے لئے یہ جائز نہیں کہ صحابہ کرام کے بارے میں اس کے علاوہ کا گمان کرے ، علامہ ابن حزم رحمہ اللہ نے یہی بات سعید بن المسیب رحمہ اللہ تعالی (ت ۹۴) سے بھی نقل کی ہے ، (۱) اور امام نووی نے حسن بصری رحمہ اللہ (ت ۱۱۰) کا مذہب بھی یہی بتایا ہے (۲) اور امام احمد کا مذہب بھی یہی ہے ، (۳) شیخ الحدیث رحمہ اللہ تعالی کے جنازے اور دفن میں مذکورہ بالا مجبوریوں میں سے کسی بھی مجبوری کا کوئی دخل نہ تھا ، کیونکہ آپ کی وفات ایسے مناسب وقت پر ہوئی تھی کہ اگر سنت کا پاس ولحاظ کیا گیا ہوتا تو سارے کام مسنون طریقے پر صحیح اوقات میں انجام پا گئے ہوتے ، بلکہ آپ کے دفن میں جو یہ تاخیر روبہ عمل لائی گئی اس پر بھی اگر غائر نظر ڈالی جائے تو یہ تاخیر بھی فرمان نبوی "أسرعوا بالجنازة الخ" (۴) یعنی میت کے ساتھ - ساری کاروائی میں - جلدی سے کام لو - کے خلاف کام ہوا ، کیونکہ مانا کہ میت کی نماز جنازہ میں حاضرین کی کثرت مطلوب اور موجب اجر وثواب ہے (۵) مگر بشرطیکہ اس کثرت افراد کا انتظار کسی اور دوسرے فرمان نبوی کا معارض اور مخالف نہ ہو ، جیساکہ یہاں پر کئی وجوہ سے ایسا ہوا۔

افسوس اب ترک سنت بلکہ مخالفت سنت میں اہل حدیث حضرات بھی دوسروں کے شانہ بشانہ چل رہے ہیں ، اور عمل بالسنہ سے ان کے اسلاف کو جو تشخص اور امتیاز حاصل تھا اس سے یہ لوگ اپنی سستی اور کاہلی سے آہستہ آہستہ دور ہوتے چلے جا رہے ہیں۔

اللہ تعالی ہم سب کو تاحیات راہ مستقیم پر قائم رکھے اور ایمان پر ہمارا خاتمہ کرے اور ہماری آخرت دنیا سے بہتر بنائے۔

ان ساری تفاصیل کا علم مجھے ابتداء رمضان ہی میں ہوا ، اور حق تو یہ تھا کہ مذکورہ بالا سطور اسی وقت تحریر میں لائی جاتیں ، مگر رمضان سے قبل ہی سے مہمانان ومراجعین ہند کی کثرت - جس کا سلسلہ اب تک باقی ہے - واجبات تک کی ادائیگی میں بسا اوقات مخل رہی چہ جائیکہ ان چیزوں کے اہتمام کا موقع ہاتھ آتا ، وصل اللهم وسلم على محمد وآله وصحبه أجمعين .

---

(۱) محلی ابن حزم ج ۵ / ۱۱۴ - ۱۱۵ ، احکام الجنائز وبدعھا للالبانی ص ۱۳۹ - ۱۴۱ ۔
(۲) شرح مسلم للنووی ج ۷ / ۱۱
(۳) الانصاف للمرداوی ج ۲ / ۵۴۷ . احکام الجنائز ص ۱۴۰ ۔
(۴) صحیح بخاری ج ۳ / ۱۸۲ حدیث ۱۳۱۵ ھ مسلم ج ۲ / ۶۵۱
(۵) صحیح مسلم ج ۲ / ۶۵۴ - ۶۵۵ ، صحیح سنن النسائی ج ۲ / ۴۲۹ وابی داود ج ۲ / ۶۱۱ والترمذی ج ۱ / ۳۰۰ وابن ماجہ ج ۱ / ۲۴۹ کلها للشیخ الالبانی

محدث عصر، فقیہ دہر، نمونۂ سلف

علامہ ابو الحسن عبید اللہ رحمانی مبارکپوری

مولانا محمد حنیف مدنی
استاد جامعہ سلفیہ بنارس

" کل نفس ذائقة الموت " کے ضابطے کے تحت ہر شخص کو موت کا جام نوش کرنا ہے لیکن کسی کی موت از حد باعث صدمہ ہوتی ہے کسی کی کم، کسی کی وفات سے زبردست خلاء محسوس ہوتا ہے اور کسی کی وفات سے ایسا نہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ آدمی کی ذات جس قدر خوبیوں کی حامل ہوتی ہے اسی قدر اس کے انتقال پر نتیجہ بھی مرتب ہوتا ہے۔ چونکہ حضرت شیخ الحدیث صاحب ؒ کی ذات گرامی نوع بہ نوع فضائل اور گوناگوں کمالات کی حامل تھی بایں وجہ ان کی وفات سے ناقابل تلافی خلاء محسوس ہو رہا ہے اور پوری جماعت اہل حدیث (ہند) یتیم نظر آرہی ہے۔ آہ! اب ہم شیخ الحدیث کسے کہیں گے؟ آہ! فقہی مسائل کی موشگافی کے لئے اب کس کے پاس جائیں گے؟ آہ! علم حدیث کے غوامض ومشکلات میں اب کون رہنمائی کرے گا؟ آہ! علم نبوت کا یہ روشن آفتاب ہمیشہ کے لئے اب غروب ہوگیا، تغمده الله بغفرانه وأسكنه بحبوحة جنانه۔

نام ونسب وغیرہ

آپ کا نام عبید اللہ، کنیت ابو الحسن، رحمانی، مبارکپوری نسبتیں اور شیخ صاحب، شیخ الحدیث صاحب القاب ہیں سلسلۂ نسب یہ ہے ابو الحسن عبید اللہ بن العلامہ محمد عبد السلام بن خان محمد بن امان اللہ بن حسام الدین۔

دار الحدیث رحمانیہ (دہلی) کے آپ فارغ التحصیل تھے اس لئے رحمانی کہے جاتے تھے مبارکپوری وطن مالوف کے تعلق سے کہا جاتا تھا اور خدمت حدیث کے سبب "شیخ صاحب" یا "شیخ الحدیث صاحب" آپ کا لقب پڑ گیا تھا لوگ آپ کو ان ہی القاب سے یاد کرتے تھے۔

ولادت، تعلیم وتربیت

آپ بماہ محرم الحرام ۱۳۲۷ھ بمقام مبارکپور (ضلع اعظم گڈھ، یوپی) پیدا ہوئے۔ آپ کی نشوونما اور تعلیم وتربیت اپنے والد ماجد کے زیر نگرانی ہوئی۔ آپ کے والد جلیل القدر عالم تھے ان کی زندگی درس وتدریس اور تالیف وتصنیف میں بسر ہوئی وہ جہاں کہیں رہے آپ کو اپنے ساتھ رکھا۔ آپ نے اردو اور فارسی کی مروج کتابیں مدرسہ عالیہ مئو میں پڑھیں اور کافیہ، شرح جامی، شرح وقایہ، مشکاۃ المصابیح، سراجی، شرح تہذیب، قطبی، دیوان المتنبی اور اقلیدس اپنے والد صاحب سے پڑھیں جبکہ وہ مدرسہ سراج العلوم بونڈھیار (ضلع گونڈہ، یوپی) میں مدرس تھے۔ بعدہ اپنے والد کے ساتھ عظیم درسگاہ دار الحدیث رحمانیہ دہلی منتقل ہوئے اور وہیں اپنی تعلیم مکمل کی اور اسی مدرسہ میں تحصیل علم ہی کے دوران ۱۳۴۲ھ میں آپ کے والد اپنے زمانہ تعلیم وتدریس میں انتقال کر گئے۔ آپ بڑے ذہین وفطین تھے دار الحدیث رحمانیہ میں ہمیشہ امتحان میں ممتاز درجہ کے ساتھ کامیاب ہوتے رہے اور ۱۳۴۵ھ میں اسی عظیم درسگاہ سے فارغ التحصیل ہوئے۔

اساتذہ وشیوخ

(۱) آپ کے والد علامہ عبد السلام صاحب "سیرۃ البخاری" (۲) علامہ احمد اللہ پرتاب گڑھی ثم دہلوی، انہوں نے آپ کو روایت کتب حدیث کی سند اجازۃ عطا کی تھی (۳) علامہ غلام یحیی کانپوری (۴) علامہ حافظ عبد الرحمٰن نگرنہسوی (۵) علامہ ابو طاہر بہاری (۶) علامہ عبد الغفور جیراجپوری (۷) علامہ محمد اسحاق آروی (۸) علامہ عبد الوہاب آروی (۹) علامہ حافظ محمد گونجراوالی پنجابی (۱۰) علامہ محدث عبد الرحمٰن مبارکپوری صاحب "تحفۃ الاحوذی" انہوں نے آپ کو کتب حدیث کی روایت کی زبانی اجازت دی تھی۔

تلامذہ

آپ کے بحر علوم سے بہت سے لوگوں نے فیض حاصل کئے ان میں سے چند کے نام یہ ہیں (۱) مولانا محمد ادریس آزاد رحمانی املوی ؒ (۲) مولانا عبد المعید بنارسی شیخ المعقولات ؒ (۳) مولانا عبد الجلیل رحمانی بستوی ؒ (۴) مولانا آفتاب احمد رحمانی راج شاہی یونیورسٹی (بنگلہ دیش) (۵) مولانا احمد اللہ ؒ رحمانی شیخ الحدیث (بنگلہ دیش) (٦) مولانا عبد الستار رحمانی مالدہی ؒ (۷) مولانا محمد مسلم رحمانی مالدہی (۸) خطیب الاسلام مولانا عبد الرؤف رحمانی جھنڈانگری (۹) مفسر القرآن مولانا عبد القیوم رحمانی بستوی ۔

تدریسی خدمت اور تحفتہ الاحوذی شرح جامع الترمذی کی تکمیل میں معاونت

آپ کی ذکاوت اور امتحانات میں ہمیشہ ممتاز درجہ کے ساتھ کامیاب ہونے کی بنیاد پر شیخ عطاء الرحمٰن مہتمم دار الحدیث رحمانیہ نے فراغت کے بعد ہی آپ کو اپنے اس مدرسہ میں درس وتدریس کی خدمت پر مامور کر دیا۔ علامہ محدث عبد الرحمٰن مبارکپوری کی بینائی تحفتہ الاحوذی کی تکمیل سے پہلے ہی جاتی رہی لہذا ان کو ایسے عالم کی ضرورت دامن گیر ہوئی جس کو فنون حدیث سے خصوصی مناسبت ہو اور وہ اس شرح کی تکمیل میں ان کی خاطر خواہ اعانت کر سکے علامہ مبارکپوری کی نظر انتخاب آپ پر پڑی چنانچہ شیخ عطاء الرحمٰن نے ان کی تجویز کے مطابق آپ کو ان کی خدمت میں بھیج دیا آپ دو سال تک ان کی خدمت میں رہے اور اس شرح کی آخری دو جلدوں کی تکمیل میں اچھے معاون ثابت ہوئے ۔ ساتھ ساتھ آپ کے دو ساتھی مولانا عبد الصمد مبارکپوری ؒ اور مولانا محمد لاہوری ؒ بھی تھے ۔ شرح مکمل ہو جانے کے بعد شیخ عطاء الرحمٰن نے آپ کو عہدہ تدریس پر واپس بلا لیا اور کتب حدیث خصوصا جامع ترمذی ، سنن ابی داود ، صحیحین اور موطا امام مالک کی تدریسی خدمت آپ کے سپرد کی اور ساتھ ہی ساتھ فتوی نویسی کی خدمت بھی ۔ آپ مسند درس وتدریس پر فائز رہے یہاں تک کہ اگست ۱۹۴۷ء مطابق ۱۳٦٦ھ میں ہندوستان دو حصوں میں تقسیم ہو گیا (۱) پاکستان (۲) ہندوستان ۔ اور اس مدرسہ کے تنہا مالک

وسرپرست مولانا عبد الوہاب پسر شیخ عطاء الرحمٰن ہجرت کر کے کراچی (پاکستان) چلے گئے بنابریں مدرسہ بند ہوگیا اور آپ اپنے وطن مبارکپور چلے آئے۔

آپ ایک نکتہ داں اور دقیقہ رس مدرس تھے۔ مولانا ابو یحیی نوشہروی تراجم علمائے حدیث ہند میں آپ کے متعلق رقم طراز ہیں " مولوی عبید اللہ صاحب (مدرس دار الحدیث رحمانیہ دہلی) ہیں جن کے تفقہ فی الحدیث کا اس نوعمری میں یہ عالم ہے کہ جب درس حدیث پر بیٹھتے ہیں تو سند ومتن کے عقدے کھول کر رکھ دیتے ہیں یعنی کھرا اور کھوٹا الگ کر دکھاتے ہیں اور فقاہت حدیث کے رازہائے سربستہ آشکارا کر جاتے ہیں "۔

علم و فضل

آپ بڑے متبحر عالم تھے، دینی علوم میں مکمل دستگاہ رکھتے تھے لیکن تخصص آپ کا فن حدیث میں تھا جس کے مباحث کی چھان بین میں آپ کی ساری زندگی بسر ہوئی فقہ واجتہاد میں بھی معلومات وسیع اور نظر گہری تھی عبارت فہمی کا بڑا ملکہ تھا۔ مسائل کے استنباط میں بڑی دقت نظر سے کام لیتے تھے جو شخص آپ کے فتاوی اور مرعاۃ المفاتیح شرح مشکاۃ المصابیح کا مطالعہ کرے گا اس پر ہماری ذکر کردہ باتیں عیاں ہو جائیں گی اور ثابت ہو جائیگا کہ آپ جلیل القدر محدث اور بلند پایہ فقیہ ومجتہد تھے۔

مرجعیت و مقبولیت

اللہ نے آپ کو مرجع خلائق اور مقبول خاص وعام بنایا تھا چنانچہ لوگ کثرت سے دینی مسائل میں آپ کی جانب رجوع کرتے تھے آپ کتاب وسنت کی روشنی میں ان مسائل کو حل فرماتے جو حق بات ہوتی اسے بیان کر دیتے اور اس بارے میں کسی کی پرواہ نہیں کرتے اسی طرح حدیث کی مشکلات وغوامض میں علماء وفضلاء آپ کی جانب رجوع کر کے رہنمائی کے طالب ہوتے آپ سب کے ہر دل عزیز تھے ہر فرقہ ومذہب کے لوگ آپ کی عزت کیا کرتے تھے چنانچہ آپ کے جنازے میں اتنا بڑا مجمع تھا جس کا لوگ تصور بھی نہیں کرتے تھے آپ کے بہت سے فتاوی " محدث " اور " مصباح " وغیرہ میں شائع ہو چکے ہیں۔

تقویٰ وتدین

زہد و ورع ، تقویٰ وتدین ، امانت ودیانت ، للّٰہیت واخلاص اور تزکیہ نفس وتصفیہ باطن میں ممتاز تھے ۔ بڑی پاکیزہ اور محتاط زندگی بسر کرتے تھے ۔ دنیا سے صرف بقدر ضرورت تعلق رکھتے تھے اپنی تمام تر توجہ آخرت بنانے اور سنوارنے پر مرکوز رکھتے تھے ۔ حلال وحرام اور جائز وناجائز کا بڑا لحاظ رکھتے تھے ۔ حقوق اللہ اور حقوق العباد کی ادائیگی کے از حد پابند تھے ۔ مالی معاملات میں انتہائی محتاط اور لین دین میں بالکل کھرے تھے ، اپنا حساب وکتاب بالکل پاک وصاف رکھتے تھے بڑے متبع سنت تھے سنت کا احیاء اور بدعت کا ابطال آپ کی زندگی کا مشن تھا اپنے آپ کو سنت کے قالب میں اس طرح ڈھال رکھا تھا کہ ہر ایک نقل وحرکت سے اتباع سنت جھلکتا رہتا تھا ۔ بلا شبہ آپ اس صدی میں اللہ کی نشانیوں میں سے ایک نشانی تھے ۔

اخلاق وعادات

آپ بڑے خوش خلق اور وسیع الظرف تھے لوگوں سے خندہ پیشانی اور دل سے ملتے جب کوئی آپ سے ملتا تو اسے اجنبیت کا ذرا بھی احساس نہ ہوتا ۔ ہر آدمی آپ سے بے تکلفی سے ملتا اور وسعت قلبی کے ساتھ بات چیت کرتا ۔ آپ سے ملنے کا کوئی وقت مقرر نہ تھا جو جس وقت چاہتا بلا تامل ملاقات کرتا ۔ مہمانوں کی تعظیم وتکریم اور خاطر ومدارات میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھتے تھے ۔ جب تک کوئی آپ کے پاس رہتا اور آپ کو بات چیت میں مشغول رکھتا آپ دلچسپی سے سنتے اور بالکل نہیں گھبراتے اپنے آرام اور نیند کو مہمانوں کی خدمت کرنے میں قربان کر ڈالتے دوسروں کی خدمت کرنے میں آپ کو بڑا لطف ملتا ۔ خردوں سے بھی ایسے انداز سے پیش آتے کہ اس سے انھیں بڑی شرمندگی ہوتی ۔

آپ بڑے صاف دل تھے ۔ دل حسد ، کینہ ، بغض وعداوت سے پاک وصاف رہتا تھا قول وفعل میں تضاد کا نام ونشان نہ تھا بڑے متواضع اور منکسر المزاج تھے عجز وانکساری طبیعت ثانیہ بن چکی تھی بڑے شریف اور متحمل مزاج تھے شریفانہ برتاؤ عام شیوہ تھا ناگوار خاطر حرکت سامنے آنے پر تحمل کر لینا فطرت ثانیہ بن گئی تھی ۔

اپنے مسلک میں پختگی کے باوجود دیگر مسلک کے لوگوں کو برا بھلا نہ کہتے بلکہ ان کے ذی علم اشخاص کے ادب واحترام کا پورا پورا لحاظ رکھتے تھے دینی حمیت کے باوجود ناراضگی اور جھنجھلاہٹ کا اظہار نہ کرتے بلکہ نہایت سنجیدگی اور نرمی سے صحیح اور حق بات کہہ دیتے اخیر وقت تک اس اعتدال وتوازن کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوٹا۔

بڑے نظافت پسند تھے لباس بڑا صاف ستھرا پہنتے مکان کو بھی بہت صاف ستھرا رکھتے اور دیگر استعمال کی چیزیں بھی نہایت صاف ستھری ہوتیں۔ بڑے نشیط تھے بڑھاپے میں بھی سستی وبکاسلی کا نام ونشان نہ تھا۔ شرم وحیا کا یہ حال تھا کہ سخت گرمی اور خلوت میں بھی لباس ساترِ زیب تن رہتا۔ نام ونمود اور خود نمائی وظاہر داری سے سخت نفرت تھی۔ اپنے کو نمایاں اور ممتاز کرنے کا شائبہ بھی نہ تھا مگر صرف ہندوستان ہی نہیں بلکہ اسلامی ملکوں کا ذی علم طبقہ آپ کے فضل وکمال کا معترف تھا۔

صبر واستقلال کے پہاڑ تھے آلام ومصائب کو خندہ پیشانی سے انگیز کرتے اور زبان سے اف تک نہ کرتے۔ بڑے قانع تھے حرص وطمع کا نام ونشان نہ تھا اللہ کا دیا ہوا جو کچھ میسر آجاتا اسی پر راضی رہتے اپنی عسرت اور پریشانی کسی کو محسوس نہیں ہونے دیتے۔ کفایت شعاری کا یہ حال تھا کہ بوقت شب روشنی کے لئے معمولی چراغ جلاتے اور جب کچھ لکھنا پڑھنا ہوتا تو بڑا لیمپ روشن کرتے۔ آپ کے صاحبزادے مولانا عبد الرحمٰن صاحب کا بیان ہے کہ جب والد صاحب نے مرعاۃ المفاتیح لکھنے کا کام شروع کیا تو ایک سو پچاس روپیہ ماہوار وظیفہ مقرر کیا گیا لیکن آپ نے فرمایا کہ ایک سو پچیس روپیہ میں میرا کام چل جائیگا اور اتنا ہی لینا پسند کیا حالانکہ اس وقت گھر پر تنگی چل رہی تھی۔

مزاج سادہ تھا کھانے پینے، رہنے سہنے اور لباس وپوشاک میں سادگی پسند کرتے تھے تکلف وآرائش سے سخت نفرت تھی۔ اپنی ذمہ داریوں کو بڑے حسن وخوبی سے انجام دیتے تھے خطوط کے جوابات ضرور بالضرور دیتے۔ محدثین کرام کی سیرت پاک کا صحیح نمونہ تھے آپ کو دیکھتے ہی محدثین کرام کا زمانہ یاد آجاتا۔ الغرض آپ کی ذات گرامی سیرت وکردار میں ایک مثالی شخصیت تھی۔

عقیدہ وعمل

آپ عقیدۃً وعملاً سلفی المسلک تھے بلکہ اس مسلک کے زبردست داعی تھے۔ پوری زندگی اسی

مسلک کی ترویج واشاعت میں صرف ہوئی آپ کی مایہ ناز اور شہرہ آفاق تصنیف " مرعاۃ المفاتیح " اس حقیقت کا آئینہ دار ہے۔

زیارت حرمین شریفین

آپ کو چار مرتبہ حرمین شریفین کی زیارت نصیب ہوئی (۱) - بماہ رمضان ۱۳۶۶ھ مطابق ۱۹۴۷ء شیخ خلیل بن محمد بن حسین بن محسن انصاری کے ساتھ وفد کی شکل میں گئے۔ یہ وفد مدینہ منورہ کے مدرسہ دار الحدیث کے سلسلے میں شاہ عبد العزیز کی خدمت میں گیا تھا وفد اپنے مقصد میں کامیاب ہو کر اسی سال اوائل ذیقعدہ میں واپس آیا۔ اس سفر میں آپ نے ایک عمرہ رمضان کے آخر میں کیا پھر دوسرا عمرہ مدینہ منورہ سے لوٹتے ہوئے بماہ شوال ادا کیا۔ (۲)- ۱۳۷۵ھ مطابق ۱۹۵۶ء میں آپ نے فریضہ حج ادا کیا۔ (۳) - ۱۳۸۲ھ مطابق ۱۹۶۳ء میں آپ نے حج بدل کیا۔ (۴)- ۱۳۹۱ھ مطابق ۱۹۷۱ء میں آپ نے حج بدل کیا۔

جامعہ سلفیہ بنارس

آپ جامعہ سلفیہ بنارس کے بانیوں میں سے تھے اور یوم تاسیس سے لیکر اپنے آخری وقت تک اس کے صدر رہے آپ نے اس ذمہ داری کو بڑے حسن وخوبی سے انجام دیا۔ آپ کی ذات سے متعلق جامعہ کو جیسی خدمت درکار ہوئی بڑے خلوص سے انجام دیا چنانچہ بوقت ضرورت اس کے تعاون کے سلسلے میں اندرون ملک سفر بھی کیے اور ہمیشہ نیک مشوروں سے نوازتے رہے اور آغاز قیام جامعہ میں ماہ بماہ حاضر ہو کر اس کی تعلیمی سرگرمیوں اور دیگر امور کا جائزہ لیتے رہے اور اساتذہ وطلبہ کو نصیحتوں سے نوازتے رہے آپ کو جامعہ سے بڑی محبت تھی۔ آپ برابر اس کے بہی خواہ رہے۔

جمعیت اہل حدیث ہند

آپ جمعیت اہل حدیث ہند کے سرپرست تھے۔ جمعیت کو آپ پر فخر وناز تھا۔ جمعیت کے بڑے درد مند تھے اور اس کے اتار چڑھاؤ سے کافی متاثر ہوتے تھے۔

تحریر وتصنیف

درس وتدریس کے علاوہ تحریر وتصنیف کا بھی اچھا ذوق رکھتے تھے ۔ اردو اور عربی دونوں زبانوں میں لکھتے تھے ۔ آپ کی تحریریں سنجیدگی ، متانت اور علمی وقار کا نمونہ ہوتی تھیں جو سلف صالحین کا ما بہ الامتیاز وصف رہا ہے ۔

تصنیفی کارنامے

۱ - رمضان المبارک کے فضائل واحکام (مطبوع ، اردو) اس رسالہ کا موضوع اس کے نام سے ظاہر ہے ۔

۲ - بیان الشرعة فی بیان محل أذان خطبة الجمعة (مطبوع ، اردو) اس رسالہ میں جمعہ کی اذان کی جگہ متعین کی گئی ہے ۔

۳ - لائف انشورنس (بیمہ) کی شرعی حیثیت (مطبوع ، اردو) اس رسالہ کا موضوع اس کے نام سے ظاہر ہے ۔

۴ - مرعاة المفاتیح شرح مشکاة المصابیح (مطبوع ، عربی)

یہ آپ کی شہرہ آفاق تصنیف ہے جو مشکاة المصابیح کی مبسوط ، محققانہ اور بے نظیر شرح ہے علامہ بھوجیانی اس کے متعلق رقمطراز ہیں " قدیم شروح کے مندرجات کو حاوی اور بفحوائے کم ترک الأول للآخر تحقیق میں دسویں گیارہویں صدی ہجری کا زمانہ یاد دلانے والی ہے " (مقدمہ ناشر طبع اول ص ز) اس کے ہوتے ہوئے مرقاة ولمعات وغیرہ کی ضرورت نہیں رہتی ۔

اس کی تالیف کی ابتدا ۱۹۴۸ء مطابق ۱۳٦۷ھ میں حافظ محمد زکریا لائل پوری اور ان کے والد شیخ محمد باقر صاحبان کے حسب فرمائش ہوئی ۔

افسوس کہ یہ شرح پایہ تکمیل کو نہیں پہنچ سکی ۔ اس کی نو جلدیں زیور طباعت سے آراستہ ہو کر ادارة البحوث الاسلامیہ والدعوة والافتاء ، جامعہ سلفیہ بنارس ، سے شائع ہو چکی ہیں اور دسویں جلد جو کتاب البیوع سے شروع ہوتی ہے اس کے ۱۸۰ صفحات چھپ چکے تھے اور آگے کا کام جاری تھا لیکن بعض

اسباب کی وجہ سے کام رک گیا جس کا شارح علام کو تاحیات قلق رہا۔ اللہ تعالی اس کی تکمیل کی کوئی شکل پیدا کرے آمین ۔

اس شرح کے بعض خصائص مندرجہ ذیل ہیں :

۱ - مشکاۃ شریف میں وارد اسمائے صحابہ وتابعین اور مصنفین وائمہ حدیث کے بقدر ضرورت تراجم پہلی جگہ میں ذکر کر دیئے گئے ہیں۔

۲ - حدیث کے ادبی اور بلاغی پہلوؤں کی نشاندہی کی گئی ہے۔

۳ - حدیثوں کی مکمل توضیح اور مفصل تشریح کی گئی ہے نیز جو حدیثیں فقہی اور کلامی مسائل پر مشتمل ہیں ان کے معانی میں سے جو معنی سلف صالحین کے نزدیک صحیح اور راجح ہے اسے ذکر کیا گیا ہے۔

۴ - اہل ہوی نے احادیث کو اپنے باطل مسلک کے مطابق ڈھالنے کے لئے جو واہی تاویلات کئے ہیں ان تاویلات کا تفصیل سے رد کیا گیا ہے۔

۵ - اہل تقلید نے فقہائے محدثین پر جو مطاعن وارد کئے ہیں ان کا بطریق احسن جواب دیا گیا ہے۔

۶ - اختلافی مسائل میں فقہاء کے اقوال ودلائل ذکر کر کے شارح ؒ کے نزدیک جو قول راجح ہے اس کا تعین کرتے ہوئے اس کی تائید احادیث و آثار سے کی گئی ہے اور مرجوح اقوال کے متعدد طریقوں سے جواب دیئے گئے ہیں۔

۷ - حل اشکالات اور دفع معارضات پر پوری پوری توجہ دی گئی ہے۔

۸ - مشکاۃ شریف کی فصل اول اور ثالث میں بخاری ومسلم کی وارد حدیثوں کی تخریج کا التزام کیا گیا ہے اسی طرح فصل ثانی اور ثالث میں غیر صحیحین کی وارد حدیثوں کی تخریج کا بھی التزام کیا گیا ہے۔ نیز جہاں مصنف نے حدیث ذکر کرنے کے بعد بیاض چھوڑ دیا ہے تو شارح علام نے اس کا استدراک کیا ہے۔

۹ - بخاری اور مسلم کے علاوہ کی حدیثوں کا تنقیدی جائزہ لیکر ان کا درجہ (صحت وضعف) بیان کیا گیا ہے۔

۱۰ - اگر مصنف سے الفاظ حدیث نقل کرنے میں تسامح ہوا ہے تو اس کی تصحیح کی گئی ہے۔ نیز اگر بخاری اور مسلم کی حدیثیں پہلی فصل کے بجائے دوسری فصل میں اور دیگر محدثین کی حدیثیں دوسری فصل کے بجائے پہلی فصل میں درج ہو گئی ہیں تو اس پر تنبیہ کی گئی ہے۔

۱۱- اگر کسی حدیث کو مصنف نے مختصر نقل کیا ہے تو اس کو شارح علام نے مکمل نقل کیا ہے۔
۱۲- مشکاۃ شریف کی حدیثوں کی دو ترقیم کی گئی ہے :
(۱) مسلسل حدیثوں کی ترقیم تاکہ حدیثوں کا شمار صحیح طور پر ہو سکے نیز حدیثوں کا سلسلہ نمبر کے ساتھ شمار کرنا اس زمانہ میں کتب حدیث کی نشر کا بہتر طریقہ ہے۔
(۲) ہر باب کی حدیثوں کی علیحدہ ترقیم قوسین کے درمیان ( )۔ اس عمل کا فائدہ قاری اور باحث پر واضح ہے۔
۱۳- چار طرح کی فہرست قائم کی گئی ہیں :
(۱) فہرس الابواب والفصول
(۲) فہرس مطالب الکتاب
(۳) فہرس الاعلام
(۴) فہرس الاماکن

شیخ الحدیث صاحب سے راقم الحروف کے تعلقات

میں صغر سنی میں ۱۹۶۲ء میں جامعہ فیض عام مئو میں ادنی جماعت میں داخل ہوا وہیں حضرت شیخ الحدیث صاحب ؒ کو دیکھنے اور ان سے ملنے کا شرف حاصل ہوا۔ آپ وقتاً فوقتاً جامعہ میں تشریف لاتے اور مولانا عبد المعید صاحب بنارسی کے پاس ٹھہرتے۔ اپنی کم عمری اور علمی بے مائیگی کے باوجود مجھے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ ایک موقر اور صالح عالم دین ہیں خصوصاً بایں معنی کہ اساتذہ اور طلبہ ان کا بیحد احترام کرتے تھے۔ میں ۱۹۶۲ء تا ۱۹۶۹ء جامعہ میں طالب علم کی حیثیت سے رہا اس اثناء میں میرا آپ سے صرف ایک عمومی تعلق رہا لیکن جب دسمبر ۱۹۷۰ء میں جامعہ میں تدریسی خدمت پر مامور ہوا تو اس وقت سے یہ عمومی تعلق آہستہ آہستہ خصوصی تعلق میں تبدیل ہونے لگا اور آخری مرحلہ میں استاذ وشاگرد کا جیسا ہو گیا جو اخیر وقت تک بر قرار رہا۔ اس سلسلے کی کچھ باتیں ذیل میں درج کی جاتی ہیں :
۱- میں ۱۹۶۶ء میں جناب قاری عبد السبحان صاحب مئوی کے پاس مشکوۃ شریف جلد دوم پڑھ رہا

تھا اس وقت مرعاۃ المفاتیح شرح مشکاۃ المصابیح خریدنے کا شوق پیدا ہوا لہذا دوسری اور تیسری جلد (طبع حجری) استاذ گرامی جناب قاری صاحب کے توسط سے میں نے خرید لی (واضح ہو کہ جناب قاری صاحب کے تعلقات حضرت شیخ صاحب سے بڑے اچھے تھے) لیکن پہلی جلد چونکہ پاکستان میں چھپی تھی اور اس وقت ہندوستان آسانی سے نہیں آسکتی تھی اس لئے جب ایک مرتبہ حضرت شیخ الحدیث صاحب ؒ مئو تشریف لائے تھے تو میں نے استاذ محترم جناب قاری صاحب سے کہا کہ پہلی جلد کے لئے میری جانب سے آپ حضرت شیخ صاحب ؒ سے گزارش کر دیں اور قیمت اسی وقت جمع کر دیں جب انہوں نے اس کی بابت بات چیت کی تو حضرت شیخ صاحب ؒ نے روپیہ نہیں لیا اور مجھ سے (واضح ہو کہ بات چیت کے وقت میں بھی ساتھ تھا) کہا کہ ابھی روپیہ رکھو جب کتاب آجائیگی تو مل جائیگی چنانچہ جب کتاب پاکستان سے آئی تو حضرت شیخ صاحب ؒ نے خود ہی بغیر یاد دہانی بھیج دی۔

۲ - ۱۹۷۵ء میں جب میں نے ابتداء مضمون لکھنا شروع کیا تو اس کا کچھ حصہ حضرت شیخ صاحب ؒ کو سنایا آپ نے بغور سنا اور مضمون نگاری کے کچھ اصول بتائے۔

۳ - جب مرعاۃ المفاتیح کی ابتدائی دو جلدیں اول مرتبہ جامعہ سلفیہ بنارس میں طبع ہوئیں تو پہلی جلد کی مطبعی غلطیاں نوٹ کر کے حضرت شیخ صاحب ؒ کو میں نے دیا آپ ؒ نے ان کا جائزہ لینے کے بعد بعض مقامات کے متعلق میری رہنمائی فرمائی۔

۴ - آپ سے باقاعدہ تعلیم حاصل کرنے کی سعادت حاصل نہیں ہو سکی لیکن عمومی استفادہ کا شرف ضرور حاصل ہوا مثلاً مسائل کی معلومات حاصل کرنا یا کوئی دقیق عبارت پیش کر کے اس کے مطلب کے متعلق اطمینان حاصل کرنا۔

۵ - ۱۹۷۸ء میں ایک مرتبہ آپ ؒ نے مجھے حضرت اسماء بنت ابو بکر ؓ کے حالات متعدد مصادر میں تلاش کرنے کو کہا جس کی میں نے تعمیل کی تو آپ ؒ نے میری حوصلہ افزائی فرمائی۔

۶ - میں نے ۱۹۷۷ء میں جب مدینہ یونیورسٹی میں داخلہ کے لئے کوشش شروع کی تو آپ ؒ سے توصیہ کا طالب ہوا لیکن کامیاب نہ ہو سکا کیونکہ اس وقت توصیہ نہیں لکھتے تھے بہر حال میں نے اپنی کوشش جاری رکھی بفضلہ تعالی داخلہ ہو گیا اور منظوری کا لیٹر بھی آگیا لیکن بد قسمتی سے ویزہ اور ٹکٹ نہیں آسکا جس کی وجہ سے اس وقت میں نہیں جا سکا پھر دوسرے سال کوشش جاری رکھی کامیابی نہیں ہوئی اسی طرح مسلسل تین سال گزر گئے پھر چوتھے سال وہاں جانا نصیب ہوا۔ تو جس زمانے میں میرا

معاملہ معلق تھا اسی زمانے میں میرے دوست شیخ احمد مجتبی سلفی جو اس وقت مدینہ یونیورسٹی میں تعلیم حاصل کر رہے تھے اور میرے داخلے کے لئے کوشاں تھے انہوں نے مجھے لکھا کہ جناب شیخ صاحب مبارکپوری اور جناب ڈاکٹر مقتدی حسن صاحب ازہری وکیل الجامعہ السلفیہ بنارس سے توصیہ لیکر بھیجو اس مرتبہ جب میں نے خط دیکھایا اور صورت حال بیان کیا تو آپ نے آسانی سے مجھے توصیہ دے دیا۔

۷ - جامعہ فیض عام میں تدریسی خدمت کے دوران حضرت شیخ صاحب کے ساتھ مجھے مراسلت کی نوبت شاذ ونادر ہی آئی کیونکہ وقتاً فوقتاً میں مبارکپور چلا جایا کرتا تھا اور وقتاً فوقتاً آپ بھی مئو آیا جایا کرتے تھے اس لئے ملاقات کا شرف حاصل ہو جایا کرتا تھا اور جامعہ سلفیہ کی زندگی میں بھی مراسلت کی نوبت شاذ ونادر ہی پڑی کیونکہ وقتاً فوقتاً میں حضرت شیخ صاحب کی خدمت میں حاضر ہو کر لقاء کی سعادت حاصل کر لیا کرتا تھا۔ البتہ جب مدینہ تعلیم حاصل کرنے کے لئے میں گیا اور چار سال وہاں گزار کر پھر مکہ آیا اور دو سال یہاں تعلیم حاصل کرنے میں گزارا تو اس مکی اور مدنی زندگی میں برابر طرفین سے مراسلت کا سلسلہ جاری رہا۔

۸ - شیخ صاحب نے مجھے روایت کتب حدیث کی سند اجازہ بتاریخ ۱۵ / ۱۲ / ۱۴۰۸ھ مطابق ۳۰ / ۷ / ۱۹۸۸ء عطا فرمائی، اسی طرح آپ نے مجھے مد کی سند بتاریخ ۱۴ / ۱۱ / ۱۴۱۳ھ مطابق ۷ / ۷ / ۱۹۹۸ء عطا فرمائی۔

حلیہ

رنگ سفید، قد میانہ، بدن دبلا پتلا، چہرہ نورانی وبارونق، پیشانی کشادہ، ناک وآنکھ موزوں، داڑھی متوسط اور بال سفید تھے۔

وفات

بتاریخ ۲۲ / رجب ۱۴۱۴ھ مطابق ۵ / جنوری ۱۹۹۴ء بروز چہار شنبہ بوقت صبح ۵ بج کر ۵۵ منٹ پر بعمر ۸۷ سال آپ نے داعی اجل کو لبیک کہا اور آپ کی روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اس طرح نہ صرف جماعت اہل حدیث بلکہ سنت نبوی سے اشتغال رکھنے والا مبارک گروہ ایک مثالی جامع کمالات شخصیت سے محروم ہو گیا۔ اللہ تعالی حضرت شیخ صاحب "کا نعم البدل پیدا فرمائے اور مرحوم کی لغزشوں سے درگزر فرما کر ان کو جنت الفردوس میں جگہ عطا کرے آمین۔

اہل وعیال

زوجہ : شیخ صاحب کی ایک ہی شادی ہوئی تھی ، اہلیہ کا نام حکیمہ خاتون ہے جو بقید حیات ہیں۔

لڑکے : تین لڑکے بچپن ہی میں فوت ہو گئے تھے جن کے نام بالترتیب یہ تھے (۱) محی الدین (۲) فضل حق (۳) عبد اللہ ، اور تین بقید حیات ہیں جن کے نام بالترتیب مندرجہ ذیل ہیں :

(۱) فضل الباری : ان کی تعلیم مختصر ہوئی ہے کسی درس گاہ سے فارغ نہیں ہیں۔

(۲) عبد الرحمٰن : جامعہ رحمانیہ بنارس کے فارغ اور جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ (کلیتہ الشریعہ) کے خریج ہیں اور فی الحال مدرسہ عربیہ دار التعلیم مبارکپور میں مدرس ہیں اور مدرسہ مذکورہ کی نظامت کے ساتھ ساتھ جامعتہ المعارف الاسلامیہ مبارکپور کے بھی ناظم ہیں۔

(۳) (حافظ) عبد العزیز : جامعہ سلفیہ بنارس کے فارغ اور جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ (کلیتہ الشریعہ) کے متخرج ہیں اور ماجستیر (ایم ، اے) اور دکتوراہ (پی ایچ ڈی) جامعہ ام القری مکہ مکرمہ سے کئے ہیں ، فی الحال کلیتہ فاطمتہ الزہراء مئو ناتھ بھنجن میں تدریسی خدمت انجام دیتے ہیں ۔

لڑکیاں : ایک لڑکی بقید حیات ہیں جن کا نام ریحانہ خاتون ہے اور تین لڑکیاں شیخ صاحب ؒ کی زندگی ہی میں فوت ہو گئیں جن کے نام بالترتیب یہ ہیں ۔

(۱) حسینہ خاتون : بچپن ہی میں وفات پا گئیں۔

(۲) صفیہ خاتون : تقریباً ۳۰ یا ۳۵ سال کی عمر میں انتقال کر گئیں ان کے بطن سے تین لڑکے اور ایک لڑکی ہے۔

(۳) عائشہ خاتون : بچپن ہی میں وفات پا گئیں۔

فضل الباری کی اولاد :

لڑکی : نام رضیہ خاتون ہے یہی ایک لڑکی ہیں

لڑکے : (۱) نعیم الرحمٰن — (۲) مطیع الرحمٰن

(۳) (ڈاکٹر) منصور الرحمٰن — (۴) (حافظ) سہیل احمد

(۵) صبیح اختر — (۶) (ڈاکٹر) تقی الدین

ان لڑکوں میں سے کوئی بھی دینی علوم میں فارغ التحصیل نہیں ہے ۔

عبد الرحمن کی اولاد :

لڑکے : (۱) زبیر : جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ (کلیتہ الحدیث) کے متخرج ہیں اور المعهد العالي لإعداد الأئمة والدعاة مكة مكرمة سے ماجستیر (ایم اے) کئے ہیں ، فی الحال مدرسہ خديجة الكبرى جھنڈا نگر (نیپال) میں تدریسی خدمت انجام دے رہے ہیں۔

(۲) ازہر : جامعہ سلفیہ بنارس کے فارغ اور جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ (کلیتہ الحدیث) کے خریج ہیں۔

(۳) اجمل : جامعہ سلفیہ بنارس کے خریج ہیں اور جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ (کلیتہ الحدیث) سے بھی فراغت حاصل کر چکے ہیں۔

لڑکیاں : (۱) رزینہ خاتون

(۲) امیمہ خاتون

(۳) ثمامہ خاتون

(۴) عطیہ خاتون : یہ کلیہ فاطمتہ الزہراء مئو سے فارغ التحصیل ہیں ۔

حافظ عبدالعزیز کی اولاد :

ایک ہی لڑکا ہے جس کا نام فواز ہے یہ حافظ قرآن ہے اور عربی کی تیسری جماعت میں مدرسہ دار التعلیم مبارکپور میں تعلیم حاصل کر رہا ہے ، لڑکی بھی ایک ہی ہے جس کا نام صفیہ خاتون ہے یہ کلیہ فاطمتہ الزہراء مئو میں تعلیم حاصل کر رہی ہے ۔

اللہ تبارک وتعالی سے دعا ہے کہ وہ اس خاندان کو سرسبز و شاداب رکھے اور علمی ودینی خدمات کا سلسلہ اس میں برقرار رکھے آمین وآخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمين والصلاة والسلام على خير خلقه محمد وآله وصحبه أجمعين ۔ ☆☆☆

مراجع

۱ - مقدمہ "مرعاة المفاتيح" ص ۹ - ۱۲

۲ - شخصی استفسارات

۳ - ذاتی معلومات

محدث عصر علامہ عبید اللہ رحمانی رحمتہ اللہ علیہ کی کچھ نصیحتیں اور مشورے

مولانا عبد الحکیم فیضی مئوی

دوست آں باشد کہ گیرد دست دوست در پریشاں حالی و در ماندگی

شیخ الحدیث علامہ عبید اللہ رحمانیؔ مبارکپوری رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ میرے روحانی مربی اور محسن تھے ، طالب علمی کے زمانے سے لیکر وفات تک جب کبھی کوئی کام خلاف شرع دیکھا اس پر فورا قدغن لگائی ، نصیحت کیا اور اس سے دور رہنے کی تاکید کی ، اصلاح وتربیت کا یہ انداز کبھی بہت لطیف پیرایہ میں ہوتا ، کبھی تمثیل وتشبیہ کے ساتھ رہتا ، اور کبھی واضح الفاظ میں فرماتے ، اس وقت میں آپ کے نصائح ومشوروں میں سے صرف تین کا تذکرہ کر رہا ہوں جن کا تعلق عقیدہ کی اصلاح ، ریا ونمود سے دوری اور بلند اخلاق اپنانے سے ہے ، ممکن ہے قارئین کو اس سے کچھ فائدہ پہونچے ، اور موجودہ دور کے مربیان حضرات اپنے انداز تربیت میں تبدیلی پیدا کر سکیں ، وما ذلك على الله بعزيز۔

(۱) ۱۹۷۰ء کا زمانہ تھا ، مجھے خیال آیا کہ میں گھر بار چھوڑ کر کسی جنگل یا پہاڑ پر چلا جاوٴں ، اور دنیا وما فیہا سے الگ ہو کر معبود حقیقی کی پرستش میں لگ جاوٴں ، کچھ ایام اسی پس وپیش میں گذرے۔

اخیر میں یہ فیصلہ ہوا کہ پہلے اپنے روحانی مربی" سے مشورہ کر لوں ، ممکن ہے کوئی مفید مشورہ اور نصیحت مل جائے ، یہ خیال دل میں لئے ہوئے خدمت میں حاضر ہوا ، آپ نے بڑے پرتپاک طریقہ سے ملاقات کی ، اور سب سے پہلے مکارم اخلاق کا عملی نمونہ بن کر ضیافت فرمائی ، پھر قریب آ کے حال دل سنا ، اور فرمایا " لا رهبانية في الاسلام " اسلام میں رہبانیت نہیں ہے اسلام کے اس اصول میں بہت سی حکمتیں پوشیدہ ہیں ، مثلا تم گھر بار چھوڑ کر کسی جنگل میں چلے گئے ، تو تمہاری ذات پر جو حقوق ہیں ، جیسے

بیوی ، بچے ، خاندان ، رشتہ دار اور پڑوسی وغیرہ کے وہ کیسے ادا ہوں گے ؟ ظاہر بات ہے ان کی عدم ادائیگی گناہ کا سبب ، ہے ، جس پر مواخذہ ہوگا ، اسی طرح صلوۃ جمعہ ، جماعت سے نماز کی ادائیگی ، اور صلوۃ جنازہ وغیرہ میں شرکت نہیں کر سکتے ، ان کے ثواب سے محروم رہو گے اور ایک فرض جان بوجھ کر اور طاقت کے باوجود چھوڑتے جاؤ گے ، جس پر بڑا گناہ ہے ، نیز تم عالم دین ہو ، دین کی تبلیغ واشاعت تم پر فرض ہے ، جو جنگل میں رہکر کبھی ادا نہیں کر سکتے ، اس طرح رہبانیت میں ہر چہار جانب سے خسارہ ہے ، اور گناہ کا سبب ہے ، آپ کے ان پر تاثیر کلمات سے دل کی کیفیت بدل گئی ۔ اور پھر مجھے حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص ؓ کا واقعہ یاد آیا ، جو بہت ہی نماز پڑھنے والے اور روزہ رکھنے والے اور رات کو عبادت میں گذارنے والے تھے ، مگر بیوی بچوں کے حال سے بے خبر رہتے تھے ، جب رسول اکرم ﷺ کو اس کی اطلاع ملی تو آپ ؐ نے فرمایا مجھے یہ خبر ملی ہے کہ تم برابر روزہ رکھتے ہو اور ہر رات قرآن ختم کرتے ہو ، انہوں نے اقرار کیا اور کہا ہاں یا رسول اللہ ﷺ مجھے بجز نیکی کمانے کے اور کوئی مقصد نہیں آپ ﷺ نے فرمایا " فإن لزوجك عليك حقا ولزورك عليك حقا ولجسدك عليك حقا " (مسلم شریف جلد اول ص ۳۶۶) یعنی تمہاری بیوی کا اور تمہارے مہمان کا اور تمہارے جسم کا تمہارے اوپر حق ہے ، یہ تمام حقوق تم کو ادا کرنے ہیں ، کسی کی حق تلفی جائز نہیں ، اس حدیث مقدس سے مزید میرے ایمان میں نکھار پیدا ہوا اور رہبانیت کا خیال ایکدم ذہن سے نکال پھینکا ۔ رہبانیت کی ایک ہلکی سی تصویر چلہ کشی تبلیغی جماعت والے پیش کرتے ہیں ، جو زبردستی لوگوں کو چالیس دن یا ہفتہ عشرہ کے چلہ میں کھینچ کر لے جاتے ہیں جن کے اوپر گھر کے ہر چھوٹے بڑے کی ذمہ داری ہوتی ہے ، اور ان کے چلے جانے پر تمام اہل وعیال پریشان ہو جاتے ہیں ، اور فاقہ کو نوبت آجاتی ہے ۔

اسی تعلق سے میں اپنے پڑوس کا ایک دلسوز واقعہ بیان کرتا ہوں جو نصیحت آموز ہے ، میرے پڑوس میں ایک میاںجی احمد اللہ صاحب " جانکنی کے عالم میں تھے انہیں کلمہ شہادت کی تلقین کی جارہی تھی عین اسی حالت میں تبلیغی جماعت کا ایک وفد ان کے گھر پہونچا ، اور حاجی صاحب مرحوم کے بڑے لڑکے کو یہ سمجھا کر کہ اللہ تعالی نگہبان ہے تم فکر مت کرو اللہ دیکھتا ہے وہی آرام پہونچائے گا ، ہمارے ساتھ چلو اور ایک چلہ لے لو ، اور پھر انہیں چالیس روز کے چلہ پر لیکر چلے جاتے ہیں ۔ صاحب زادے

صاحب چلہ میں جاتے ہیں ، اور ادھر میانجی صاحب اللہ تعالی کو پیارے ہو جاتے ہیں ، انا للہ وانا الیہ راجعون ، اس طرح بڑے میاں صاحب باپ کی تجہیز و تکفین میں شریک نہ ہو سکے اور آخری دیدار سے محروم رہ گئے ، تف ہے اس چلہ پر۔ صحیح مسلم جلد ثانی ص ۳۱۴ میں ہے حضرت عبد اللہ بن عمر ؓ فرماتے ہیں کہ ایک شخص نبی کریم ﷺ کے پاس آئے جہاد میں جانے کی اجازت لینے کے لئے تو آپ ؐ نے فرمایا " أحي والداك قال نعم قال ففيهما فجاهد " کیا تمہارے ماں باپ زندہ ہیں ، کہاں ہاں تو آپ نے فرمایا انہیں ماں باپ کی خدمت میں جہاد کرو۔

یہ کتنا عبرت خیز واقعہ ہے کہ اس صحابی ؓ کو اپنے ماں باپ کی خدمت کرنے کا حکم فرمایا اور اس کو جہاد قرار دیا ، اور جہاد میں نہیں جانے دیا ، لیکن یہ تبلیغی جماعت والے سنت رسول ؐ کو ٹھکرا کر اپنی من مانی کرتے پھرتے ہیں ، انہیں اللہ کا خوف نہیں۔ اللہ تعالی انہیں ہدایت دے ، ہمارے مربی (اللہ ان پر رحم فرمائے) نے کتنی صحیح رہنمائی اور صحیح مشورہ دیکر مجھے دینی ودنیوی خسارہ سے بچایا اور ، فجزاه الله خير الجزاء۔

(۲) خاکسار کو ۱۹۷۳ء میں حج کے مبارک سفر پر جانا تھا ، چونکہ سفر بحری جہاز سے تھا ، اس لئے رمضان سے قبل ہی جانا تھا ، ابھی میں سوچ ہی رہا تھا کہ شیخ صاحب سے ملاقات کر لوں ، کچھ آداب حج سیکھوں ، دعائیں لوں اور مفید مشورے اور نصیحتیں حاصل کروں کہ حضرت شیخ ؒ کو خبر پہونچ گئی کہ عبد الحکیم فیضی فریضۂ حج ادا کرنے جارہا ہے ، تو آپ خود میرے غریب خانہ پر ملاقات کی غرض سے تشریف لائے ، میں اس وقت بہت ہی شرمندہ ہوا ، اور آپ کی بلندی اخلاق سے بہت متاثر ہوا ، اور اپنی سستی پر ازحد نادم ہوا ، بہر کیف اس مناسبت سے آپ نے بہت کچھ نصیحتیں فرمائیں ، ان نصائح میں سے ایک خاص نصیحت یہ تھی کہ دوران سفر کسی سے تکرار نہ کرنا قرآن کہتا ہے " فمن فرض فيهن الحج فلا رفث ولا فسوق ولا جدال في الحج " یعنی حج کے دوران کسی قسم کی بیہودہ بات اور تکرار نہیں کرنا ہے ، میں بالخصوص اس نصیحت کو یاد رکھے ہوئے تھا اور ہمہ وقت ارکان حج کی ادائیگی پر متوجہ رہتا تھا ، مدینہ منورہ میں ہم لوگوں کا قیام باب جبرئیل کی جانب ایک مکان میں تھا ، جو مسجد نبوی سے بہت قریب تھا ، جس سے ہم لوگوں کو بہت سہولت ملی اور حرم میں آنے جانے کے لئے کوئی زحمت نہیں ہوتی تھی ، انیس روز تک اس مکان میں رہنے کا موقع ملا ، اور مسجد نبوی میں نماز ادا کرنے کی سعادت حاصل ہوئی ، اسی اثناء میں ایک شخص کو بارہا دیکھا کہ وہ بعد

نماز عصر باب جبرئیل کے بائیں کواڑ پر جس پر محمد کا نقش تھا اس کو برابر چومتا تھا اور پیشانی رگڑتا تھا، کئی دفعہ یہ خیال آیا کہ اس کو منع کروں، لیکن تکرار کی ڈر سے رک جاتا تھا، باآخر اس کو ایک دن ہمت کر کے سمجھانے کی کوشش کی تو اس نے بہت سخت آواز میں جھڑک کر کہا کہ میں تو اسی لئے آیا ہوں، اس کے اس جملہ پر میں ہکا بکا رہ گیا اور پھر دوبارہ کچھ کہنے کی ہمت نہیں ہوئی، اور فورا حضرت رحمتہ اللہ علیہ کی وہ نصیحت یاد آگئی، جسے آپ نے تاکیدا فرمایا تھا، حقیقت ہے اگر میں دوبارہ اس سے کچھ کہتا تو وہ لڑنے پر آمادہ ہو جاتا، اللہ تعالی ایسے جاہلوں سے محفوظ رکھے، آمین ۔ یہ نصیحت ہے ہر اس شخص کے لئے جو بیت اللہ شریف کی زیارت کے لئے جائے کہ ایسے مواقع پر حکمت کے ساتھ نصیحت کرتے ہوئے اپنا فریضہ ادا کرنے کی کوشش کرے، اللہ تعالی ہر مسلم بھائی کو اس مقدس سرزمین کی زیارت کا شرف بخشے اور پھر اسے قبول فرمائے، آمین۔

(۳) الحمد للہ ۱۹۸۵ء میں خاکسار کو دوبارہ حج کا شرف حاصل ہوا، بخیرت سفر حج سے واپسی کے دو تین روز بعد حضرت شیخ علیہ الرحمتہ سے ملاقات کے لئے گیا، آپ کے در دولت پر پہونچا تو آپ بڑے خلوص و پیار و محبت سے ملے حسب معمول اپنے ہاتھوں سامان ضیافت مہیا کیا، پھر قریب بیٹھے، روداد سفر سنی، دعائیں دیں، اور دیر تک اسی موضوع پر گفتگو ہوتی رہی، اخیر میں بہت لطیف انداز میں فرماتے ہیں کہ حاجی لوگ جب حج کر کے آتے ہیں تو وہاں کا رومال اور ٹوپی پہن کر لوگوں سے ملتے ہیں، تاکہ لوگ یہ جانیں کہ حج کر کے آئے ہیں، ان الفاظ نے میرے اوپر تازیانہ کا کام دیا، اور میں سمجھ گیا کہ آں موصوف مجھے نصیحت فرما رہے ہیں، کیونکہ اس وقت میرے جسم پر سفید کرتا، پائجامہ، رومال، اور وہ جالی دار ٹوپی تھی، جو اکثر حاجی لوگ استعمال کرتے ہیں، مجھے بہت ندامت ہوئی، اگرچہ میری نیت وہ نہیں تھی، اور نہ یہ خیال کر کے میں پہن کر گیا تھا، یہ ایک عبرت آمیز سبق تھا، جو بہت سی برائیوں سے بچنے کا ذریعہ ہو گیا فجزاہ اللہ خیر الجزاء۔ مشتے از خروارے شیخ صاحب رحمتہ اللہ علیہ کے نصائح میں سے صرف تین کا تذکرہ کیا ہے جو بہت سی خصوصیات کی حامل ہیں اللہ تعالی ہم سبھوں کو اس پر عمل کرنے کی توفیق بخشے ۔ حضرت شیخ علیہ الرحمہ کی ذات صرف ہندوستان ہی نہیں بلکہ دنیائے اسلام کی ایک معروف و مشہور شخصیت تھی، جن کی تحقیقات اور فتووں کو لوگ کتاب و سنت کا خلاصہ سمجھ کر حرف آخر سمجھتے تھے، آپ

کی علمی شخصیت کو وہ لوگ اچھی طرح جانتے ہیں جو مرعاۃ المفاتیح شرح مشکوۃ المصابیح کا مطالعہ کرتے ہیں ، یا جنھوں نے کسی مسئلہ پر تبادلۂ خیال کیا ہے ، فن حدیث میں پختگی ، حدیث پر نقد وکلام ، صحت وضعف کی تعیین ، اہل بدعت کی تردید ، اہل تقلید کی بے جا تاویلات کا شافی وکافی جواب وغیرہ ایسے نمایاں او منفرد اوصاف ہیں جو آپ کی بے مثل شخصیت کو اجاگر کرنے کے لئے کافی ہیں اور یہ سچ ہے کہ آپ جماعت کی آبرو تھے ، نور اللہ مرقدہ۔

ہم نے امام مسلم رحمتہ اللہ علیہ کی سوانح حیات میں ایک نمایاں خوبی پڑھی ہے کہ آپ نے اپنی عمر میں کسی کی غیبت نہیں کی ، نہ کسی کو مارا ، اور نہ کسی کو برا کہا حضرت شاہ عبد العزیز محدث رحمتہ اللہ علیہ بستان المحدثین میں یوں لکھتے ہیں کہ " عجائب مسلم آنست کہ گاہے عمر خود کسی را غیبت نہ کرد نہ کسی را زد ونہ کسے را شتم کرد " حضرت شیخ علیہ الرحمہ ان ستودہ صفات سے مکمل طور سے متصف تھے ، ہم کو ان کی ملاقات کا اکثر اتفاق ہوتا تھا ، مگر کبھی بھی کسی عالم یا جاہل کی غیبت وشکوہ کرتے نہیں سنا ، اگر کسی کے اندر کسی خرابی کو سنتے تو افسوس کر کے رہ جاتے ، اور ان کے لئے اصلاح وتربیت کی دعا کرتے ہوئے فرماتے اللہ انہیں ہدایت دے ، مجھے اکابرین علماء کی مجلسوں میں بارہا حاضری کا موقع ملا ہے ، ان کی محفلوں سے ہٹ کر حضرت شیخ علیہ الرحمہ کی مجلس کا اور ہی حال ہوتا ، آپ کی ہر مجلس میں بجز علمی گفتگو اور مختلف فیہ مسائل پر بحث ومباحثہ اور کچھ نہ دیکھتے نہ سنتے ۔ اللہ تعالی سے دعا ہے کہ ہم حاملین کتاب وسنت کو ان اوصاف کو اپنانے کی توفیق بخشے آمین ۔

حضرت شیخ علیہ الرحمہ اپنی پیرانہ سالی میں ہمیں اپنی ماضی کی باتیں خوب سناتے کبھی جامعہ عالیہ عربیہ مئو میں اپنے تعلیمی دور کا واقعہ سناتے اور دریائے ٹونس میں کھیلنے اور نہانے کے دلچسپ مناظر پیش کرتے ، اور کبھی دہلی کے تعلیمی وتدریسی حالات کو یاد دلاتے ، آپ اکثر فرمایا کرتے کہ رات کو مطالعہ میں اس طرح ڈوب جاتے کہ فجر کی اذان ہو جاتی تھی ، اور پھر نماز فجر کے بعد فورا درس صحیح بخاری شریف دینا رہتا ، اس لئے سونے کے لئے کبھی موقع نہیں ملتا تھا ، رات میں دوران مطالعہ بہت سے اشارے اپنی ہتھیلیوں پر لکھ لیتا تھا ، اور فورا نماز کے بعد درس دینا شروع کر دیتا تھا ، اب سوچتا ہوں تو خود تعجب ہوتا ہے کہ اتنے کام کیسے انجام دیتا تھا اسی طرح تحفتہ الاحوذی شرح ترمذی کی طباعت کا مسئلہ بھی میرے

لئے بڑا کٹھن رہتا تھا، اس کے لئے بار بار دہلی کا سفر کرنا پڑتا تھا، آپ اپنے اعضاء وجوارح کو بار بار دیکھتے، پرانے کارناموں کو دہراتے اور مضمحل قوی کی طرف خطاب کرتے ہوئے کہتے جی ہاں انہیں سے سارے کام کرتا تھا، در حقیقت یہ تھے اللہ والے سچے پکے مجاہد، جنہوں نے کبھی بھی دین اور اسلام کے کام میں کوئی کوتاہی نہیں کی، اور ہمیشہ بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے رہے، نور الله مرقده۔

شیخ صاحب اہل مئو کے لئے پیر مرشد کی حیثیت رکھتے تھے، ہر چھوٹی بڑی تقریب میں آپ کی شرکت باعث خیر وبرکت سمجھی جاتی تھی، اسی وجہ سے جب میں کبھی بھی کسی تقریب میں شرکت کے لئے یا نکاح خوانی کے لئے یا نماز جنازہ پڑھانے کے لئے آپ کے در دولت پر حاضر ہوا اور آپ سے مدعا بیان کیا تو آپ فورا تیار ہو جاتے اور تمام تر مصروفیات کے باوجود ساتھ ہی تشریف لاتے در حقیقت یہ شیخ صاحب سے میری والہانہ عقیدت ومحبت کا ثمرہ تھا، جسے آپ ظاہر کر دیا کرتے تھے، اور بالخصوص نماز کے وقت میری موجودگی میں کسی کو امامت نہیں کرنے دیتے تھے۔

اس نمونۂ سلف فخر جماعت کے سانحۂ ارتحال کے تقریبا تین ماہ قبل خاکسار نے یہ خواب دیکھا کہ میں آپ کے دولت خانہ کے آنگن میں سویا ہوں، میری چارپائی آپ کی چارپائی کے پائتانہ ہے، دیکھ رہا ہوں کہ حضرت شیخ علیہ الرحمہ اپنی چارپائی پر سے اٹھ کر پائجامہ پہن رہے ہیں، اور مجھے آواز دیتے ہیں کہ اٹھو تم بھی پائجامہ پہنو اور چلو آپ کی آواز سن کر میں اٹھا اور پائجامہ پہننے لگا، اتنے میں آنکھ کھل گئی۔

اس خواب کو دیکھ کر طبیعت بہت پریشان تھی، اطمینان قلب کے لئے اور تعبیر معلوم کرنے کے لئے پندرہ بیس روز بعد آپ سے ملاقات کیا اور یہ خواب سنایا یہ خواب سن کر آپ نے بہت دعائیں دیں پھر فرمایا، اللہ کرے تمہاری معیت حاصل ہو جائے یہ جملہ سن کر میری آنکھیں اشکبار ہو گئیں، اور سوچنے لگا کہاں یہ ناچیز اور کہاں آپ کی معیت؟ اللہ اکبر۔ پھر بے ساختہ یہ دعا دل سے نکلی اللهم اغفر لنا ذنوبنا وكفر عنا سيئاتنا وتوفنا مع الابرار۔

بار الہا اس ناچیز کو ایسے اعمال صالحہ کی توفیق عطا فرما جس کی وجہ سے شیخ صاحب جیسے صالح وبزرگ ہستی کی معیت حاصل ہو جائے، آمین۔

أحب الصالحين ولست منهم

لعل الله يرزقني صلاحا

زمیں کھا گئی آسماں کیسے کیسے

مولانا محفوظ الرحمٰن فیضی

مقدور ہو تو خاک سے پوچھوں کہ اے لئیم تو نے وہ گنج ہائے گراں مایہ کیا کئے

علم وفضل کا گنج گراں مایہ مجموعہ محاسن حضرت شیخ الحدیث مبارکپوری جنہیں مرحوم کہتے ہوئے زبان تھرتھراتی اور لکھتے ہوئے قلم لرزتا ہے، موصوف نے کوئی ستاسی برس کی طویل عمر پاکر رحلت فرمائی۔ شیخوخت میں جو بعض عوارض وامراض عام طور پر لوگوں کو لاحق ہو جاتے ہیں آپ کو بھی لاحق ہوئے۔ آپ عمر طبعی کو پہنچ چکے تھے اس لئے آپ کی رحلت اچانک پیش آنے والا حادثہ نہیں بلکہ امر متوقع تھا، پھر بھی چہار شنبہ مورخہ ۵/ جنوری ۱۹۹۴ء کو علی الصباح آپ کے وفات کی خبر ملتے ہی دل ودماغ پر بجلی سی گر گئی قلب ونظر ماؤف سے ہو گئے اور آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا گیا۔ یوں تو زندگی اور موت سب اللہ کی طرف سے ہے اور اس کے قائم کردہ نظام کائنات میں کوئی آتا اور کوئی جاتا ہے یقیناً سبھی کو اپنی عمر مقدر گزار کر ایک دن اس دار فانی سے رہگرائے عالم جاودانی ہونا ہے۔ لیکن موت اور موت میں فرق ہوتا ہے، جب کوئی ممتاز علمی شخصیت اٹھتی ہے تو اس کے جدائی کا کرب اور اس کے اثرات پوری سوسائٹی محسوس کرتی ہے ایک عالم کی موت کا یہی اثر ہوتا ہے اس کی موت پوری دنیا کی موت سمجھی جاتی ہے اور اس سے پیدا ہونے والا خلا بڑا بھیانک نظر آتا ہے قضا کس کو نہیں آتی ہے یوں تو سب ہی مرتے ہیں مگر اس مرحوم کی بوئے کفن کچھ اور کہتی ہے؟

حضرت شیخ الحدیث کا سانحہ ارتحال بجا طور پر "موت العالم موت العالم" کا مصداق ہے آپ کی وفات سے نہ صرف جماعت اہل حدیث بلکہ عالم اسلام ایک ممتاز عالم دین اور محدث ومحقق سے محروم ہو گیا۔ موصوف کی جدائی مسلمانوں کی پوری مذہبی وعلمی دنیا کے لئے ایک عظیم صدمہ ہے اور بالخصوص اہل حدیث ہند کے لئے تو اپنے اہم ترین بزرگ اور سرپرست سے محرومی کا جانکاہ سانحہ جس کے بعد جماعت

اپنے کو بجا طور پر یتیم محسوس کر رہی ہے ، پیچیدہ علمی مسائل کے حل اور جماعتی امور ومعاملات کی الجھی ہوئی گتھیوں کو سلجھانے کے لئے اب کون ہے جس کے پاس پورے اعتماد کے ساتھ ہم جائیں گے اور وہ انہیں اپنے ناخن تدبیر سے حل کر دیا کرے گا۔

نطق ششدر ہے قلم ساکت ہے   محو حیرت ہوں کہ میں کیا لکھوں

طلبہ جامعہ فیض عام مئو کا اصرار ہے کہ میں ان کے ہفتہ وار علمی مجلہ کے لئے حضرت شیخ الحدیث کے بارے میں چند سطور لکھ دوں ، لیکن

بلا شبہ ہمارے یہاں اب بہت سے الفاظ اپنے معانی کھو چکے ہیں اور اب یہ حادثے عام ہیں کہ بہت سے لوگوں کے بارے میں جو کچھ کہا جاتا ہے وہ در اصل ایسے نہیں ہوتے " يحبون أن يحمدوا بما لم يفعلوا " مگر اس باب میں حضرت شیخ الحدیث مبارکپوری کچھ اتنا بلند مقام رکھتے ہیں کہ ان کی قامت زیبا پر ہر بلند سے بلند لقب کی قبا عین موزوں ہے ، آپ اپنی ذات میں مجموعہ محاسن ومکارم تھے جس کا ایک بڑا ثبوت یہ ہے کہ " شیخ الحدیث " اور " بقية السلف " گویا آپ کے نام کا جزء لا ینفک ہو گیا تھا۔ بلا شبہ آپ علم وبصیرت میں تقوی وطہارت میں شرافت ومروت میں ، گفتار وکردار اور رفتار میں ہر چیز میں سلف صالحین کا ایک نمونہ تھے ، علوم نبوی کے جس قدر حامل تھے اسی قدر ان پر عامل بھی ، إنما يخشى الله من عباده العلماء کی صحیح تفسیر ، اس بزرگی اور تبحر علمی کے باوصف آپ ایک زندہ دل ، خندہ جبیں اور ہمہ آمیز اور انتہائی خوش اخلاق انسان تھے ، علم وفضل پر اترانے اور لوگوں سے کھنچے کھنچے رہنے کے بجائے فروتنی وانکساری اور تواضع ان کی فطرت ثانیہ تھی ، اخلاق ظاہری آپ کی سیرت باطنی کا ترجمان ، وسعت اخلاق نے آپ کو عند الناس وجیہ ومقبول اور آپ کے دائرہ مقبولیت کو وسیع بنایا تھا ، جس کا ایک اندازہ آپ کی نماز جنازہ میں شریک ملک کے طول وعرض سے آئے ہوئے خواص وعوام کے جم غفیر سے بھی ہوا۔

مجھے حضرت شیخ محدث کے علاوہ اور بھی بعض چھوٹے ، بڑے مولانا کی خدمت میں بھی کبھی کبھار جانے اور بیٹھنے کا اتفاق ہوا ہے ، وہاں جس نخوت ، عبوست اور یبوست کا تلخ تجربہ ہوا حضرت شیخ الحدیث کے یہاں بار بار حاضر ہونے اور دیر دیر تک موصوف کو بیٹھنے کی زحمت دینے کے باوجود معاملہ

ہمیشہ اس کے برعکس رہا وہی روز اول کی خوش اخلاقی ، دلجوئی ، شیریں گفتاری بلکہ عزت وتکریم کا برتاؤ ، اوروں کی طرح آپ لوگوں سے خدمت لینے کے بجائے ان کی خدمت کرنے کو باعث فخر واعزاز سمجھتے تھے ۔ خوردوں اور علم وفضل میں بہت کمتر لوگوں کے ساتھ بلکہ زیارت وملاقات کے لئے جانے والے عوام الناس کے ساتھ بھی - جن کے لئے آپ کا دروازہ ہمیشہ کھلا رہتا تھا کوئی پابندی تھی نہ وقت کی قید - آپ کا برتاؤ خادمانہ سطح پر ہوتا تھا خدمت کے لئے بچھے جاتے تھے جس کی بنا پر اکثر جانے والوں کو بڑی شرمندگی ہوتی تھی ۔ سچ ہے سید القوم خادمہم ؎

نیست سرداری ہمی دستار وجبہ داشتن   درد سر بسیار دارد پاس دلہا داشتن

نورانی چہرہ کہ جسے دیکھ کر اللہ یاد آئے لباس پوشاک ، مجلس ہر چیز میں انتہائی خوش سلیقگی نظافت اور نفاست ؎

نزاکت اس گل رعنا کی دیکھئے انشاء   نسیم صبح جو چھو جائے رنگ ہو میلا

بر صغیر ہند (غیر منقسم ہندوستان) میں علمائے اہل حدیث کی علمی ودینی مساعی خصوصا علم حدیث شریف کی اشاعت اور صیانت وحفاظت کے سلسلہ میں ان کی نمایاں خدمات تاریخ میں ایک سنگ میل کی حیثیت رکھتی ہیں ، جس کا سلسلہ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی " سے شروع ہوتا ہے اور پھر شیخ الکل مولانا سید نذیر حسین محدث دہلوی " سے ہوتا ہوا آگے بڑھتا ہے ، حضرت شیخ الحدیث اسی سلسلۂ زریں کی ایک کڑی تھے ، اور مشاہیر رحمانی علماء افاضل کے سلسلتہ الذہب کی گویا آخری کڑی تھے سو وہ بھی ٹوٹ گئی ۔

داغ فراق صحبت شب کی جلی ہوئی   ایک شمع رہ گئی تھی سو وہ بھی خموش ہے

موصوف نے اپنے وقت کے ممتاز علماء کرام حضرت شیخ الحدیث مولانا احمد اللہ پرتاپ گڈھی ، محدث عصر مولانا حافظ محمد گوندلوی وغیرہ اساطین علم وشیوخ حدیث سے اس وقت کی مشہور ومستند درسگاہ دار الحدیث رحمانیہ (دہلی) میں تحصیل علم کی تکمیل کی ، اور تکمیل کے بعد وہیں درس وتدریس میں بہمہ وجوہ مشغول ہوگئے اور جلد ہی شیخ الحدیث کے منصب پر بھی فائز ہوئے جس کا سلسلہ تقسیم ہند اور

اس کے نتیجہ میں دار الحدیث رحمانیہ کے مرحوم ہونے تک جاری رہا جہاں آپ سے ہزاروں تشنگان علوم نے اکتساب فیض کیا اور آسمان علم کے مہر و ماہ بن کر چمکے، جن میں شیخ الحدیث مولانا عبد الغفار حسن رحمانی (سابق استاذ حدیث جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ) خطیب الاسلام مولانا عبد الرؤف رحمانی جھنڈا نگری اور مولانا عبد الحکیم مجاز مئوی وغیرہ شامل ہیں۔

آپ کا علمی تبحر علماء کرام کے نزدیک مسلم تھا، آپ یوں تو متعدد علوم وفنون میں دستگاہ رکھتے تھے مگر علم حدیث سے آپ کا شغف شروع ہی سے زیادہ رہا اور آپ نے اپنی ساری زندگی حدیث کی تعلیم، شرح وتحقیق اور نشر اشاعت میں بسر کر دی، حدیث کی مشہور اور جملہ سنی مکاتب فکر کے نصاب تعلیم میں داخل ومتداول کتاب "مشکاۃ المصابیح" کی مبسوط شرح "مرعاۃ المفاتیح" لکھی جو آپ کے ہمدم دیرینہ وہم عصر وہم سفر علامہ شیخ محدث ابو الطیب محمد عطاء اللہ حنیف بھوجیانی (رحمہم اللہ رحمۃ واسعۃ) کے بقول اپنے ممتاز اوصاف وخصائص کی وجہ سے مشکوۃ کی بے نظیر اور غیر مسبوق شرح ہے، جو قدیم شروح کے مندرجات کو حاوی اور بفحوائے "کم ترک الاول للآخر" تحقیق میں دسویں گیارہویں صدی ہجری کا زمانہ یاد دلانے والی ہے"۔ صد افسوس کہ یہ شرح متعدد وجوہ واسباب کی بنا پر جو بہر حال مقدر تھے، مکمل نہ ہو سکی اور کتاب البیوع تک ہی پہونچ سکی، اور اب، آں قدح بشکست وآں ساقی نماند۔

حضرت مولانا عبد الرحمن صاحب محدث مبارکپوری رحمۃ اللہ علیہ کو جب جامع ترمذی کی بے نظیر شرح تحفۃ الاحوذی کے آخری اجزاء کی ترتیب وتالیف کے دوران اپنی جسمانی کمزوری اور ضعف بصارت کی بنا پر ایک مددگار کی ضرورت محسوس ہوئی تو نظر انتخاب حضرت شیخ الحدیث ہی پر پڑی اور موصوف انتہائی لائق معاون اور بہترین مددگار ثابت ہوئے، موصوف کی علوم حدیث میں مہارت اور رسوخ در حقیقت محدث مبارکپوری کے اسی فیضان تربیت کا ثمرہ ہے۔

حضرت شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ کو مئو، مئو کے اہل حدیث علماء، مدارس ومعاہد اور جماعت سے انتہائی قریبی، قلبی اور گہرا تعلق تھا ہر کہ ومہ کے بارے میں معلومات رکھتے اور پوچھتے رہتے تھے اور مزاج پرسی اور جماعتی تقریبات میں شرکت کے لئے مئو تشریف لاتے رہتے تھے، مئو میں علماء اور

بزرگوں کے نماز جنازہ میں شرکت فرماتے اور نماز جنازہ پڑھایا کرتے تھے ۔ تدفین اور دعا میں آخر تک شریک رہتے تھے اور تعزیت کے لئے میت کے گھر بھی جاتے تھے ۔

مدرسہ عالیہ میں تو آپ کا طالب علمی اور بچپن کا دور ہی گذرا ہے جہاں آپ کے والد محترم حضرت مولانا عبد السلام صاحب درس وتدریس کے فرائض انجام دے رہے تھے ، جامعہ فیض عام اور ناظم جامعہ مولانا محمد احمد صاحب مرحوم سے بھی آپ اپنی محبت وعقیدت رکھتے تھے ، جس کا اظہار خود آپ نے ناظم صاحب کی وفات پر اپنے تعزیتی تاثرات میں خاص طور سے فرمایا تھا ۔ جامعہ کے اور ناظم صاحب کے کتب خانوں میں مراجع ومصادر کا جو قابل قدر ذخیرہ موجود ہے ، حضرت شیخ الحدیث ان سے استفادہ ومطالعہ کے لئے کتابیں برابر منگاتے رہتے تھے ، ان کتب خانوں کی کچھ اہم کتابیں جن کی مرعاۃ المفاتیح کی تالیف میں برابر ضرورت پڑتی تھی مستقل طور پر شیخ صاحب کی تحویل میں دیدی گئی تھیں جو وفات تک آپ کے پاس رہیں ۔ حضرت شیخ الحدیث کی وفات سے مذہبی اور علمی حلقوں میں جو خلا پیدا ہو گیا ہے خصوصا جماعت اہل حدیث ہند کے لئے وہ بڑا بھیانک ہے مرحوم جماعت کا وقار اور اعتبار تھے ، جسے آپ کی وفات سے سخت صدمہ پہونچا ہے ۔

فما كان قيس هلكه هلك واحد ولكنه بنيان قوم تهدما

بہر حال ممدوح حضرت شیخ الحدیث جسم وجان کے اعتبار سے ہماری اس آب وگل کی دنیا میں نہیں رہے ، لیکن یہ امر یک گونہ باعث اطمینان ہے کہ ان کی گرانقدر تصانیف اور فتاوے کی صورت میں ان کی یادگار ہمارے پاس موجود ومحفوظ ہے جو انشاء اللہ تا ابد باقی رہے گی اور لوگ رہتی دنیا تک اس سے استفادہ کرتے اور رہنمائی حاصل کرتے رہیں گے ۔

کسے کہ محرم باد صباست می داند کہ باوجود خزاں بوئے یاسمن باقی است

☆☆☆

بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں ......

مولانا احمد مجتبی سلفی
استاذ جامعه سلفیه بنارس

خطیب بغدادی کی روایت ہے کہ خلیفہ ہارون رشید ایک بار رقہ میں قیام پذیر تھا، اسی اثناء میں امام عبد اللہ بن مبارک کا رقہ میں ورود ہوا، پورا رقہ ان کے استقبال کے لئے امڈ پڑا، خلیفہ کی ایک ام الولد لونڈی نے یہ منظر دیکھا تو دریافت کیا : کیا بات ہے ؟ لوگوں نے بتایا : خراسان کے ایک عالم تشریف لائے ہیں، لونڈی نے بے ساختہ کہا : اللہ کی قسم یہ ہے اصل شہنشاہی ، ہارون کی شہنشاہی اصل شہنشاہی نہیں جو پولس اور درباریوں کے بل بوتے پر قائم ہے، اسی کو کہتے ہیں :

جو دلوں کو فتح کر لے وہی فاتح زمانہ

اپنے " شیخ صاحب " رحمہ اللہ کے جنازے کے منظر کو دیکھ کر امام عبد اللہ بن مبارک کا مذکورہ واقعہ فورا میرے ذہن میں آگیا تھا، صحیح لکھا تھا مولانا عبد الوہاب خلجی (ناظم اعلی مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند) نے ترجمان کے اس شمارے میں جو " شیخ صاحب " کے جنازے میں شرکت کے بعد شائع ہوا تھا :

" اس قدر انسانی ہجوم اور جنازے میں شرکت ، قدر دانی تھی : علم کی ، عمل کی ، تقوی کی ، طہارت کی ، کس چیز نے کھینچا : جھنڈا نگر سے ، کس محبت نے پکارا دربھنگہ سے ، کون سے جذبات کھینچے لائے دہلی سے ، کس عقیدت نے پکارا گونڈہ اور بستی سے ؟ گمنامی اور بے نفسی کی زندگی گذارنے والے انسان کے جنازہ میں پندرہ بیس ہزار افراد کی شرکت ؟ اس بے نفسی کی مقبولیت کی دلیل نہیں تو اور کیا ہے "۔

دور دراز کے مقامات کے بہت سے لوگ تو وقت کی تنگی ، سواریوں کی عدم سہولت اور بروقت

وفات یا جنازے کے وقت کا علم نہ ہونے کے سبب کف افسوس مل کے رہ گئے کہ اس سعادت سے محرومی ہوئی جارہی ہے یا ہو گئی۔

میں نے جنازہ سے فراغت کے بعد بنارس ہندو یونیورسٹی میں زیر تعلیم ایک فلسطینی طالب علم سے پوچھا : تم نے اس سے بڑے کسی جنازے میں شرکت کی ہے ؟ اس کا جواب تھا : ہاں ! میں نے تعجب سے پوچھا : کس کے جنازے میں ؟ اس نے کہا : " امام احمد بن حنبل کے جنازے میں " قارئین اس بلیغ جواب کا مطلب اچھی طرح سمجھ گئے ہوں گے۔

سوال یہ ہے کہ " شیخ صاحب " کے جنازے میں اس فقید المثال تعداد کی شرکت کے اسباب کیا ہیں ؟ " شیخ صاحب " نہ کسی مملکت کے سربراہ تھے ، نہ کسی جمہوریہ کے صدر ، نہ وزیر اعظم ، نہ کسی بڑی سیاسی پارٹی کے بانی ، یا کسی ملک کی آزادی کے زعیم اول ، نہ کسی ملک کے خودسر شہنشاہ کے تختہ الٹ دینے والے انقلابی ، نہ بے پناہ مال ودولت کے مالک ، آپ تو ایک سیدھے سادھے فقیر ومتواضع انسان تھے ، اور زندگی کا بیشتر حصہ تنگدستی ہی میں گذرا۔

" شیخ صاحب " کی " قبولیت عامہ " کے تین اسباب بتائے جاتے ہیں (۱) ان کا گہرا علم (۲) اور ان کا بے مثال تقوی (۳) اور ان کی خاکساری ومہمان نوازی ۔ میں ان تینوں اسباب پر قدرے تفصیل سے روشنی ڈالوں گا کیونکہ بہت سے لوگ صاحب علم اور تقوی اور مہمان نواز ہوتے ہیں مگر ان کو یہ " قبولیت عامہ " حاصل نہیں ہوئی۔

جہاں تک اول الذکر سبب کا معاملہ ہے تو اس سبب سے مقبولیت یوں حاصل ہوئی کہ آپ نے علم کے دوسرے عظیم ترین باب " علم حدیث " میں نمایاں خدمت انجام دی ، گرچہ آپ نے حدیث کی صرف ایک کتاب (مشکاۃ المصابیح) کی خدمت کی ۔ مگر صرف یہ ایک ہی خدمت بہت سی خدمات پر بھاری ہو گئی ، کیونکہ :

یہ شرح صرف ایک شرح ہی نہیں بلکہ علم الحدیث اور فقہ الحدیث کا ایک انسائیکلو پیڈیا ہے ، آپ

کی اس عظیم ترین شرح پر امام یحیی بن آدم کا وہ قول بہت حد تک صادق آتا ہے جو انہوں نے امام عبد اللہ بن مبارک کے متعلق فرمایا تھا :

" كنت إذا طلبت دقيق المسائل فلم أجده فى كتب ابن المبارك أنست منه " (تاریخ بغداد - ۱۰ ، ۱۵۶)

یعنی " جب بھی میں دقیق مسائل کی تلاش کرتا ہوں اور انہیں ابن المبارک کی کتابوں میں نہیں پاتا ہوں تو (کہیں اور پالینے سے) مایوس ہو جاتا ہوں " ۔

بالکل یہی معاملہ " مرعاۃ " کا ہے جس مسئلے میں بھی دو چار علماء کے درمیان تبادلہ خیال ہوتا ہے فورا " مرعاۃ " کا تذکرہ ہونا ضروری ہے کیونکہ مسئلہ سے متعلق سارے مالہ وما علیہ نکات وہیں تو ملتے ہیں ، اور جب کسی مسئلہ سے متعلق وہاں سے مایوسی ہوتی ہے تو پھر کہیں اور مل پانے سے مایوسی ہو جاتی ہے ۔

کسی مسئلہ میں اقوال علماء کو جمع کر دینا بھی کوئی بہت بڑی بات نہیں ، بڑی بات تو وہ ہے جو " شیخ صاحب " مرعاۃ میں انجام دیئے ہوئے ہیں ، اور یہ بات بھی خاص وجہ ہے " مرعاۃ " اور " شیخ صاحب " کی علمی مقبولیت کی ، اور وہ ہے : کسی مسئلہ میں اقوال علماء کے بیان کے بعد ان کا بے لاگ محاکمہ ، اور پھر اپنی دوٹوک رائے ، اور اس رائے پر مدلل اور سیر حاصل بحث ، " شیخ صاحب " کی اس خوبی نے علماء کو اپنا گرویدہ بنالیا ، یہ ایک نفسیاتی بات ہے کہ ایک عام عالم کسی بڑے عالم کی اپنی مدلل رائے کا متلاشی ہوتا ہے ۔ اگر کہیں کسی مرجع میں صرف سابق علماء کے اقوال کا بیان ہو تو طبیعت کو سیری نہیں حاصل ہوتی ، اور میری اپنی طبیعت تمام مسائل میں اطناب ہی کی ہے ، حتی کہ امتحانی پرچوں کے جوابات بھی میں خوب تفصیل سے لکھا کرتا تھا ، طبیعت کی اسی نوع نے " مرعاۃ " کی سیر بحثی کا گرویدہ بنادیا ، ابن عبد البر کی تمہید ، حافظ ابن حجر کی " فتح الباری " امام شوکانی کی " نیل الاوطار " اور " شیخ صاحب " کی " مرعاۃ " کے علاوہ شروح حدیث کی کسی کتاب کی طرف تو میری طبیعت ہی نہیں جاتی ۔ شروح حدیث کی جن کتابوں میں ازحد اختصار سے کام لیا گیا ہے ان کو تو میں نے خریدا تک نہیں ہے ، میں علمی کاموں میں مشغول اپنے مدنی اخوان سے کہا کرتا ہوں کہ " اگر عالم عرب میں مشکاۃ المصابیح کی تدریس بر صغیر ہندوپاک کی طرح ہوتی ، یا

وہ حدیث کی ثانوی حیثیت کی کتاب نہ ہوتی ، بلکہ کتب ستہ یا حدیث کی بنیادی کتابوں (امہات الکتب) کی طرح کی کتاب ہوتی تو عالم عرب میں " مرعاۃ " کی دھوم مچ جاتی ، اگر چہ " شیخ صاحب " کی اس خدمت حدیث سے عالم عرب کے چوٹی کے علماء واقف ہیں ، آپ کی وفات پر ان کے تعزیتی خطوط بھی آئے ہیں (امام حرم شیخ محمد بن عبد اللہ السبیل نے تو بجڑیہہ بنارس کے جلسے میں " شیخ صاحب " کو اسٹیج سے نیچے دیکھ کر اپنی واحد کرسی چھوڑ دی تھی ، اور " شیخ صاحب " کو اوپر اسٹیج پر لے جاکر اپنے ساتھ اسٹیج پر بیٹھایا تھا) ۔ مگر میرا مطلب ہے کہ ہر خاص وعام تک مذکورہ سبب سے " شیخ صاحب " کی یہ عظیم ترین خدمت حدیث نہیں پہنچ سکی ۔

اے کاش " شیخ صاحب " کی زندگی اور صحت نے ساتھ دیا ہوتا ، اور مشکاۃ کی یہ عظیم ترین انسائیکلو پیڈیائی شرح مکمل ہو جاتی ! ۔

" شیخ صاحب " کے گرویدہ بہت سے حضرات کی طرف سے یہ مطالبہ آتا رہتا ہے کہ " شیخ صاحب " کے نہج پر یہ شرح مکمل کر دی جاتی ! جامع مسجد اہل حدیث کورٹ روڈ کراچی (پاکستان) کے متولی مولانا سعید احمد الحریری یہ تمنا ظاہر کرتے وقت گلوگیر ہو جایا کرتے ہیں (جیسا کہ مجھے عزیزی مولوی ظہیر احمد لال پارساوی پرنسپل مدرسۃ الامام البخاری پورنیہ مغربی چمپارن - اور عزیزی مولوی نصر اللہ بن مولوی یعقوب چمپارنی نے بتایا ، حتی کہ موصوف اس کار خیر میں مکمل مالی تعاون تک دینے کو تیار تھے ۔

مگر بات وہی ہے جو میں نے رفیق محترم ڈاکٹر عبد الرحمٰن الفریوائی سے اس وقت کہی تھی جب انہوں نے ناظم صاحب مرحوم کے حوالہ سے مجھے بتایا کہ " مرعاۃ کی تکمیل کے لئے جو کمیٹی ناظم صاحب بنا رہے ہیں (یا بنائی ہے - یا بنائیں گے) اس میں تمہارا نام بھی ہے (یا ہوگا) اس پر میں نے بر جستہ کہا تھا " شیخ صاحب " کی وجہ سے مرعاۃ مرعاۃ ہے ہر کس وناکس کی شرح میں وہ بات کہاں سے آسکتی ہے " ۔

(بہر حال مذکورہ کمیٹی کا وجود (یا نفاذ) عمل میں نہیں آسکا) ۔

اور جہاں تک " شیخ صاحب " کی مقبولیت کے دوسرے سبب (تقوی) کا تعلق ہے۔ تو موصوف کا تقوی صحیح معنوں میں تقوی تھا۔ اور " ہمہ گیر " تھا، نہ کہ چند گوشوں، صرف ذاتی گوشوں تک محدود۔

تقوی کا مفہوم کیا ہے ؟ تقوی صرف فرائض و واجبات یا سنن ومستحبات کی ادائیگی کا نام نہیں ہے۔ اسلامی سماج کی عام بول چال میں صرف اس ادائیگی سے متصف شخص کو " متقی " کے عظیم لقب سے نہیں نوازا جاتا، بلکہ عام اسلامی سماج کی اصطلاح میں حقیقی متقی وہ ہے جو فرائض و واجبات اور سنن ومستحبات کی ادائیگی صرف اللہ کے ڈر سے اور ریاء ونمود سے پاک ہو کر کرتا ہے - اور منہیات سے کوسوں دور بھاگتا ہے منہیات سے گریز کو تقوی کے باب میں بہت اہمیت حاصل ہے، خصوصا جبکہ کسی فرد کے منہیات کے ارتکاب کرنے پر کڑھن اور گھٹن محسوس ہو۔ اور یہ بات " شیخ صاحب " کے اندر بدرجہ اتم موجود تھی۔

اور عوام وخواص کو " شیخ صاحب " کی جس خاص صفت نے سب سے زیادہ گرویدہ بنایا وہ تھی آپ کی : خاکساری ، مہمان نوازی ، ہر خاص وعام کا گرم جوشی اور خندہ پیشانی سے استقبال ، اور بنفس نفیس خاطر تواضع ، جو بھی " شیخ صاحب " سے ایک بار مل چکا ہے وہ اس بات کی گواہی دے گا ، اور " محدث " کے اس خاص شمارے میں لکھنے والے حضرات بھی اس گوشہ کو زیادہ اجاگر کریں گے اور اپنے اپنے ساتھ پیش آنے والے " شیخ صاحب " کے حسن سلوک کے تذکرے بھی کریں گے۔ اس لئے میں اپنے ساتھ " شیخ صاحب " کی مہمان نوازی، خاطر تواضع یا حسن سلوک کے واقعات سے صرف نظر کر رہا ہوں۔
" شیخ صاحب " کی اسی خاطر تواضع ، مہمان نوازی اور خاکساری نے تو اتنا اونچا اٹھایا ہے ، سچ فرمایا فداہ ابی وامی صلی اللہ علیہ وسلم نے :

" ما تواضع أحد لله إلا رفعه الله " (مسلم : كتاب البر باب ۱۹)

" جب بھی کسی نے اللہ کے لئے خاکساری اختیار کی اللہ نے اسے بلند کیا ہے "۔

لكن أكثر الناس لا يشعرون

" شیخ صاحب " کو حاصل " قبولیت عامہ " پر بار بار وہ حدیث ذہن میں آرہی ہے جسے شیخین نے روایت کی ہے :

إن الله إذا أحب عبدا دعا جبريل فقال : إنى أحب فلانا فأحبه فيحبه جبريل ' ثم ينادى فى السماء : إن الله يحب فلانا فأحبوه ' فيحبه أهل السماء ' ثم يوضع له القبول فى الأرض -(صحیح بخاری : کتاب الادب باب / ۴۱ و صحیح مسلم : کتاب البر ، باب / ۴۸)

" جب اللہ تعالی کسی بندے سے محبت رکھتا ہے تو جبریل کو بلاتا ہے ، اور ان سے فرماتا ہے : میں فلاں آدمی سے محبت رکھتا ہوں سو تم بھی اس سے محبت رکھو ، تو جبرئیل بھی اس سے محبت رکھنے لگتے ہیں ، پھر آسمان میں پکار لگاتے ہیں کہ : اللہ تعالی فلاں آدمی سے محبت رکھتا ہے سو تم سب بھی اس سے محبت رکھو ، پس آسمان والے اس سے محبت رکھنے لگتے ہیں ، پھر اس بندے کے لئے زمین میں بھی قبولیت اتار دی جاتی ہے "۔

اللہ تعالی سے دعا ہے کہ بفرمان نبوی " أنتم شهداء الله فى الأرض " " محدث کے اس خاص شمارے میں لکھنے والے علماء کرام ، اور جنازے میں شرکت کرنے ولے حضرات ، اور ہزاروں دیگر عقیدت مندان عالم کی شہادت علی الخبر کے واسطہ سے اللہ تعالی آپ کے لئے " وجبت له الجنته " کا فرمان فوز و فلاح جاری کر دے ، اور جماعت کو پھر آپ جیسا کوئی عظیم ، مخلص اور متقی عالم عطا کر دے مگر :

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

☆☆☆

شیخ الحدیث مبارکپوری رحمتہ اللہ علیہ

سے متعلق ہمارے تاثرات

تحریر : مولانا محمد رئیس ندوی

الحمد لله رب العالمين والصلوة والسلام على سيد المرسلين وخاتم النبيين محمد وآله وأصحابه واهل بيته أجمعين أما بعد : قال الله تعالى "كل نفس ذائقة الموت" "وكل من عليها فان" "وكل شئ هالك إلا وجهه".

راقم الحروف خاکسار محمد رئیس ندوی عفا الله عن ذنبه الجلی والخفی جولائی ۱۹۶۰ء میں قاضی عدیل عباسی بانی انجمن تعلیمات دین کی مجلس میں ایک روز بوقت ناشتہ موجود تھا کہ عدیل صاحب نے اس بات کا تذکرہ چھیڑا کہ لوگوں میں یہ بات مشہور ہے کہ اہل حدیث وغیر مقلد لوگ اپنے علماء کی کوئی خاص قدر ومنزلت نہیں کرتے نہ ان کا ادب واحترام ملحوظ رکھتے ہیں خواہ وہ بذات خود علمی وعملی واخلاقی اعتبار سے اور کردار کے لحاظ سے کتنے ہی بلند وبالا کیوں نہ ہوں مگر میرے تجربہ سے لوگوں میں مشہور ہو جانے والی یہ بات بہت حد تک غلط اور غیر صحیح ہے کیونکہ میں نے جب انجمن تعلیمات دین کے سلسلے میں ملک کے مختلف الخیال اور مختلف مسلک ومشرب ومذہب ومکتب فکر سے تعلق رکھنے والے علمائے کرام اور قائدین کو ایک پلیٹ فارم پر جمع ہو کر متحدہ محاذ بناکر کام کرنے کے لئے ان علماء وقائدین سے رابطہ قائم کرنے کی کوشش کی اور اس مقصد کے حصول کی خاطر عظیم الشان کانفرنس آل انڈیا پیانے پر منعقد کرنے کی تخطیط ومنصوبہ سازی کی گئی تو ہم کو معلوم ہوا کہ جماعت اہل حدیث کے سرکردہ علماء وقائدین میں اولیت

کا مقام حضرت مولانا عبید اللہ رحمانی مبارکپوری کو حاصل ہے جو اس جماعت کے افراد میں " شیخ الحدیث " کے لقب سے یاد کئے جاتے ہیں اور ان کے بعد دوسرے نمبر پر حضرت مولانا نذیر احمد املوی رحمانی ہیں جو شیخ الحدیث موصوف کے رفیق درس اور ساتھی ورفیق کار بھی ہیں ان دونوں حضرات سے انجمن تعلیمات دین کے ساتھ رابطہ وتعلق قائم کرنے کے لئے ضلع بستی کے دو نامور اہل حدیث سلفی المذہب علماء مولینا عبد القیوم مفسر قرآن دودھونیاں اور مولانا عبد الجلیل رحمانی ششہنیاں کی خدمات ہم نے حاصل کیں ان دونوں ہی حضرات سے ہمارے دیرینہ تعلقات ومراسم مختلف وجوہ ونواحی سے تھے ہم نے دونوں حضرات کو جناب مولانا عبید اللہ رحمانی ومولینا نذیر احمد رحمانی کی خدمت میں انجمن تعلیمات دین سے متعارف کرانے اور مجوزہ کانفرنس میں شرکت کی دعوت دینے کے لئے بھیجا یہ دونوں حضرات مولانا عبید اللہ ومولانا نذیر احمد کے تلامذہ بھی تھے واپس آکر انہوں نے بتلایا کہ کانفرنس کی مجوزہ تاریخوں کے موقع پر کسی جماعتی پروگرام کے باعث اس مجوزہ کانفرنس میں ہمارے دونوں حضرات نے شریک ہو سکنے سے معذرت کر دی ہے میں نے مولانا عبد القیوم ومولانا عبد الجلیل سے کہا کہ اس سلسلے میں آپ لوگوں نے فلاں فلاں قسم کی باتیں جو میں نے بتلائی تھیں ان سے آپ لوگوں نے نہیں کہا پھر ان کا جواب دونوں حضرات نے کیا دیا نیز یہ کہ آپ لوگوں نے دونوں حضرات سے کیوں نہ پوچھ لیا کہ کن تاریخوں میں آپ ہمیں کانفرنس میں شرکت کے لئے وقت دے سکیں گے ہماری اس بات کا جواب دونوں حضرات یعنی مولانا عبد القیوم ومولانا عبد الجلیل نے یہ دیا کہ حضرت شیخ الحدیث کی بات کے بالمقابل نیز حضرت مولانا املوی کے جواب کے بالمقابل کسی قسم کی کوئی تجویز یا وضاحت پیش کرنے سے ہمارے سامنے ان کا احترام واعزاز حائل ومانع رہا بھلا ہم میں اتنی ہمت کہاں کہ ان معزز ومحترم اساتذہ اور سرخیل جماعت سے کسی معاملہ میں مراجعہ کریں ؟ اور سوال وجواب کا سلسلہ جاری کریں قاضی عدیل عباسی یہ بات کہہ کر فرمانے لگے کہ اس معاملہ سے مجھے بہت حیرت بھی ہوئی اور یہ مشہور

خیال بالکل غلط ثابت ہوا کہ اہل حدیث لوگ اپنے ہی علماء کا ادب واحترام ملحوظ نہیں رکھتے۔

قاضی عدیل عباسی کے یہ تاثرات میں نے پہلی بار سنے جس کے بعد مختلف مواقع پر موصوف قاضی صاحب حضرت شیخ الحدیث کی بابت بہت ساری باتیں ان کے بلند اخلاق وکردار وخوش طبعی وظرافت سے متعلق اور علم وفضل میں گہرائی وبلندی سے متعلق بیان کرتے رہتے تھے نیز یہ کہتے تھے کہ انجمن تعلیمات دین کے سلسلے میں ہم کو جماعت اہل حدیث کے ان دونوں علماء سے خصوصا اور دوسرے متعدد علماء اہل حدیث سے عموما بہت تعاون ملا جبکہ فلاں فلاں مکتب فکر کے فلاں فلاں علماء وقائدین نے اس اہم معاملہ میں تعاون ومرافقت سے بالکل ہی دست کشی اختیار کی البتہ ندوی برادری نے بھرپور تعاون کیا ، قاضی عدیل عباسی عملا اگرچہ فروعی امور میں بریلوی المشرب تھے۔ مگر مسلمانوں کے ہر طبقہ سے گہرے مراسم وتعلقات اور تمام مسلمانوں سے عمومی ہمدردی نیز اسلامی غیرت رکھنے میں شہرت رکھتے تھے موصوف قاضی عباسی ایک زمانہ تک مشہور سلفی المذہب غیرت مند عالم دین ظفر علی خاں ایڈیٹر زمیندار اور ایڈیٹر پیسہ کے ساتھ نیز مولانا غلام رسول مہر کے ساتھ رہ کر بہت سے سیاسی وسماجی ومعاشرتی واصلاحی کام کر چکے تھے اور اہل حدیث علماء کو قریب سے جانتے تھے اور مولانا غلام رسول ومولانا سلیمان منصور پوری مصنف رحمتہ للعالمین کے بہت مداح تھے۔ جب ان کے تعلقات شیخ الحدیث مبارکپوری سے قائم ہوئے تو وہ دینی امور میں ان کے اخلاص اور سب کے ساتھ تعاون باہم کے جذبات کے بہت مداح ہو گئے۔ قاضی عدیل عباسی کی مذکورہ بالا باتیں سننے کے تھوڑے ہی دنوں پہلے ہم کو بھی شیخ الحدیث مبارکپوری سے واقفیت ہوئی تھی اور یہ معلوم ہوا تھا کہ جماعت اہل حدیث کے نامور وعظیم المرتبت علماء میں سے ہیں جن کو علوم حدیث پر خصوصی دستگاہ حاصل ہے اور موصوف مشہور درسی کتاب مشکوۃ المصابیح کی شرح لکھ رہے ہیں جس کی ایک جلد بنام مرعاۃ المفاتیح شائع بھی ہو چکی ہے۔ ہم کو اس زمانہ میں سلفی تحریروں خصوصا علوم حدیث پر سلفی تصانیف وسلفی تحقیقات سے واقفیت حاصل

کرنے کا بہت زیادہ شوق وذوق دامن گیر تھا اور ہم سلفی تحریروں وکتابوں کا مطالعہ سرگرمی ونشاط ولگن اور توجہ سے کرتے تھے شیخ الحدیث کی اس کتاب شرح مشکوۃ یعنی مرعاۃ المفاتیح کا پتہ لگا توکسی طرح اس کی پہلی جلد حاصل کی اس زمانے میں یہی پہلی جلد ہی دست یاب ہو سکی ہم نے اس کا مطالعہ شروع کیا مطالعہ کی ابتدائی منزلوں ہی میں ہم اس نتیجہ پر پہنچنے لگے کہ جناب شیخ الحدیث مبارکپوری علوم حدیث وعلوم فقہ واختلاف مذاہب میں نہایت وسیع و دقیق ومنقح معلومات ودرک ودستگاہ رکھتے ہیں اور بے لاگ تحقیقات علمیہ اپنی نگارشات میں پیش کرنے کا ملکہ انہیں حاصل ہے اسی دوران ہم کو یہ بھی پتہ لگ گیا کہ حضرت شیخ الحدیث مبارکپوری اپنے بعض رفقاء یعنی (مولانا عبد الصمد مبارکپوری کے ساتھ مل کر جامع ترمذی کی سلفی شرح تحفتہ الاحوذی کی تصنیف میں تحفتہ الاحوذی کے مصنف حضرت الامام العلام محدث عبد الرحمٰن مبارکپوری " کی معاونت ومساعدت بھی کرتے رہے ہیں ہم تحفتہ الاحوذی کا مطالعہ کر چکا تھا اس کے مقدمہ کا مطالعہ دوبارہ اس خیال سے شروع کیا کہ اس کا اچھا خاصا حصہ حضرت شیخ الحدیث ہی کے رشحات قلم وتحقیقات کا نتیجہ ہے پھر ہم کو معلوم ہوا کہ حضرت شیخ الحدیث مبارکپوری دار الحدیث رحمانیہ دہلی مرحوم میں اپنے طالب علمی کے زمانے میں ماہنامہ پرچہ "محدث" کے لئے بھی نمایاں قسم کے کام کرتے رہے ہیں۔ مجھے محدث کی فائلوں کی تلاش ہوئی اور کچھ فائلیں مل بھی گئیں جن کے مطالعہ سے جناب شیخ الحدیث کے ساتھ اپنی عقیدت میں غیر معمولی اضافہ ہوا۔ اسی دہلوی محدث مرحوم کی یادگار کے طور پر موجود مرکزی دار العلوم جامعہ سلفیہ بنارس کے ماہنامہ اردو مجلہ کا نام بھی جماعت کے لوگوں نے رکھا ہے، میں ۱۹۶۰ء میں دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ سے فارغ التحصیل ہو جانے کے بعد پکا بازار بستی میں واقع مدرسہ عالیہ بدریہ شاخ دار العلوم ندوۃ العلماء میں سال بھر کے لئے تدریسی خدمات پر مامور تھا اور حضرت شیخ الحدیث مبارکپوری کبھی کبھار قاضی عدیل عباسی کے یہاں آمد ورفت رکھتے تھے مجھے شیخ الحدیث کی زیارت وملاقات کا شوق دامن گیر ہوا اور میں نے قاضی

صاحب کے گھر والوں سے کہا کہ شیخ جب کبھی یہاں آئیں تو مجھے مدرسہ بدریہ عالیہ میں موصوف کے آنے کی خبر کردی جائے معلوم ہوا کہ موصوف آتے ہیں تو برائے نام ہی یہاں ٹھہرتے ہیں پھر بھی ایک بار مجھے شیخ الحدیث مبارکپوری کی آمد کی خبر ملی تو میں قاضی صاحب کے دولت کدہ پر حاضر ہوا ۔ میں نے اپنے ذہن ودماغ میں حضرت شیخ الحدیث کے حلیہ کے لئے جس قسم کے تصورات قائم کر رکھے تھے ان سے موصوف شیخ الحدیث کو میں نے بہت قریب تر پایا اور اپنے اندازہ وتخمین کی اس صحت پر بہت خوش اس لئے ہوا کہ عام طور پر اس قسم کے معاملات میں میرے تصورات امر واقع سے مختلف ہو جایا کرتے ہیں ۔ میرا اندازہ یہ تھا کہ موصوف شیخ الحدیث کی عمر اس وقت پچپن سال کے لگ بھگ ہوگی اور میرے پوچھنے پر موصوف نے یہی فرمایا بھی کہ میری عمر تقریبا پچپن سال ہے ۔ دریافت کرنے سے معلوم ہوا کہ مرعاۃ شرح مشکوۃ کی دوسری جلد یعنی لیتھو پریس والی بھی طبع ہو گئی ہے اور اس کا ایک نسخہ موصوف نے مجھے دینے کا وعدہ بھی کیا اور مجھے بعض مشورے دئے جن میں سے ایک مشورہ یہ بھی تھا کہ کوشش کرو کہ نواب صدیق حسن خاں کی تفسیر فتح البیان اور ترجمان القرآن نیز مسک الختام شرح بلوغ المرام کا مطالعہ دوسری کتابوں کے مقابلہ کے ساتھ کرو میں یہ کتابیں پہلے پڑھ چکا تھا موصوف کے مشورہ کے مطابق ان کا مطالعہ شروع کیا تو بہت ساری علمی ودینی فوائد ومنافع حاصل ہوئے اور مسلک سلف پر عمل کے جذبات میں کافی ترقی ہوئی میں اس زمانہ میں اپنی کتاب تاریخ یہود پر نظر ثانی کر رہا تھا اور اس میں حسب ضرورت ترمیم ، اضافہ و رد وبدل واصلاح کرتا جاتا تھا اس سلسلے میں بھی موصوف نے مجھے کچھ مشورے دئے خاص طور سے ہندو مذہب خصوصا آریہ سماجی لٹریچر کے مطالعہ کی طرف توجہ دلائی ۔

۱۹۶۲ء میں میں مدرسہ سراج العلوم جھنڈانگر میں درس وتدریس کی خدمت کے لئے آیا جس میں شیخ الحدیث موصوف کے مشورہ کا بہت کچھ دخل تھا شیخ الحدیث موصوف مدرسہ سراج العلوم جھنڈا نگر کے سرپرست تھے اور اس مدرسہ کے چلانے والوں کی عقیدت وتوجہ کے مرکز تھے مجھے معلوم

ہوا کہ اس مدرسہ کے بانی حاجی نعمت اللہ صاحب " صاحب تحفتہ الاحوذی حضرت الامام العلام مولانا عبد الرحمٰن مبارکپوری اور موصوف شیخ الحدیث سے گہرا ربط رکھتے تھے نیز جھنڈا نگر کے اطراف وجوانب کے لوگ بھی شیخ کے بہت عقیدت مند تھے خصوصا علماء کا طبقہ موصوف سے گہری عقیدت رکھتا تھا اور اچھے خاصے علماء موصوف کے تلامذہ بھی تھے موصوف کے تلامذہ موصوف سے جس طرح کا والہانہ ربط و تعلق رکھتے تھے اس طرح کا ربط و تعلق استاذ کے ساتھ تلامذہ کا کم ہی دیکھنے میں نظر آیا خود ناظم مدرسہ سراج العلوم جھنڈا نگر مولانا عبد الرؤف صاحب رحمانی جھنڈانگری بھی شیخ موصوف کے شاگردوں میں سے تھے۔ شیخ موصوف مدرسہ سراج العلوم کے سرپرست ہونے کے سبب نیز دوسرے بعض اسباب کی بنا پر کبھی کبھی جھنڈا نگر آتے اور کبھی مختصر اور کبھی چند دنوں کا قیام فرماتے وہیں موصوف سے میری ملاقات کا سلسلہ جاری ہوا اور موصوف کے ساتھ مجالست وہم کلامی وہم نشینی کا شرف حاصل ہوا۔ یہ عجیب بات ہمارے مشاہدہ میں آئی کہ موصوف شیخ الحدیث جب جھنڈا نگر آتے تو اطراف وجوانب سے بہت دور دور کے لوگ ضلع گونڈہ وگورکھپور تک سے کچھ لوگ جوق در جوق شیخ سے ملاقات وزیارت کے لئے خصوصا اہل علم حضرات چلے آتے تھے اور ضلع بستی کے عام علمائے کرام اپنے مشاغل ترک کرکے شیخ کی خدمت میں حاضر ہوتے۔ شیخ الحدیث کی آمد سے جھنڈا نگر کی رونق بہت بڑھ جاتی اور مدرسہ سراج العلوم کے وقار میں بہت اضافہ ہوتا نیز وہاں کے نظم ونسق وحالات میں غیر معمولی انقلاب آتا۔

میں نے شیخ الحدیث مبارکپوری ہی کے مشورہ پر مدرسہ سراج العلوم جھنڈا نگر میں بعد نماز فجر درس قرآن اور خطبات جمعہ کی خدمت انجام دینے کی ذمہ داری قبول کرلی اور اللہ کے فضل وکرم سے یہ کام میرے لئے علمی و عملی دونوں امور میں بہت زیادہ مفید ہوا۔

مدرسہ سراج العلوم جھنڈا نگر میں اپنے دو سالہ قیام کے دوران میں نے مرعاۃ شرح مشکوۃ پر تبصرہ بھی لکھا جو پندرہ روزہ اہل حدیث دہلی میں شائع ہوا اور میں تحقیق وتصنیف میں بھی مشغول

رہا خصوصاً تاریخ یہود پر کام جاری رہا اس سلسلے میں شیخ الحدیث کے مفید مشورے میری رہنمائی کرتے رہے اور اسی زمانہ میں میں نے مولانا جھنڈانگری کی کتاب تردید حاضر وناظر کے جواب میں لکھی گئی بریلوی کتاب الشاہد کا رد بلیغ شیخ الحدیث ہی کے مشورہ سے لکھا۔ الشاہد کے مصنف اس وقت مبارکپور کے بریلوی مدرسہ اشرفیہ کے مفتی ومدرس تھے اس لئے شیخ الحدیث نے الشاھد کا جواب لکھنے کی طرف زیادہ توجہ دلائی۔ اور میری لکھی ہوئی یہ کتاب بنام تصحیح العقائد بابطال شواھد الشاھد کے نام سے کچھ تاخیر کے ساتھ شائع ہوئی۔ یہ میری پہلی تصنیف تھی جو منصۂ شہود پر آئی۔ پڑھے لکھے طبقے نے خصوصاً علمائے کرام نے اس کی تحسین کی اور شیخ الحدیث بہت خوش ہوئے۔

۱۹۶۵ء میں جب میں دار العلوم احمدیہ سلفیہ دربھنگہ (بہار) میں مدرس ہو گیا تو بذریعہ مراسلت شیخ الحدیث سے میرے روابط رہے مگر دار العلوم احمدیہ سلفیہ دربھنگہ کے پانچ سالہ زمانہ مدرسی میں مجھے متعدد بار مختلف ضرورتوں کے تحت دار العلوم احمدیہ سلفیہ کے مہتمم جناب ڈاکٹر وحافظ مولانا سید عبد الحفیظ صاحب سلفی نے شیخ الحدیث کی خدمت میں بھیجا اور بعض مرتبہ تو ایک ہفتہ تک میں شیخ الحدیث کے دولت کدہ پر مقیم رہا اور ان کے فیوض وبرکات سے مستفید ہوتا رہا۔ پندرہ روزہ الھدی دربھنگہ میں شائع ہونے والے میرے مضامین دیکھ کر شیخ الحدیث موصوف میری ہمت وحوصلہ افزائی کرتے اور برابر لکھتے رہنے کا مشورہ دیتے انہیں کے مشورہ سے دار العلوم احمدیہ سلفیہ میں بھی بعد نماز فجر درس قرآن مجید کا بھی سلسلہ میں نے جاری کیا۔

"تاریخ یہود" کے بعض اجزاء قسط وار الھدی میں میرے دوسرے مضامین کے ساتھ شائع ہوتے رہتے تھے مگر شیخ الحدیث موصوف سب سے زیادہ تحسین تاریخ یہود کی کرتے تھے افسوس کہ اس ضخیم کتاب کا پورہ مسودہ میرے کسی کرم فرما کے ذریعہ ضائع ہو گیا جس کا مجھے بیحد افسوس رہا کرتا ہے کہ کتاب چار ہزار صفحات پر مشتمل ہے اور اس پر میں طالب علمی کے زمانہ ہی

سے محنت و تحقیقی کاوش کرتا رہا تھا میری اس تصنیف میں استاذ محترم حضرت مولانا علی میاں ندوی کے مشورے بھی شامل تھے۔

شیخ الحدیث موصوف کے اخلاق وکردار وحالات اور علمی و تحقیقی تبحر سے متعلق جو بہت سارے لوگوں کے بیانات عوام وخواص میں شہرت پذیر ہیں ان کی اصل حقیقت سے اس وقت واقفیت و آگاہی مجھے زیادہ ہوا کرتی تھی جب میں شیخ موصوف کے گھر کئی روز مقیم رہا کرتا تھا میں اس نتیجہ پر پہنچا کہ لوگوں میں جس قدر موصوف کے اوصاف حمیدہ کی شہرت ہے اس سے کہیں زیادہ اور کئی گنا اوصاف حمیدہ موصوف میں ہیں۔ موصوف کے یہاں زائرین وملاقات کرنے والوں کا طویل سلسلہ رہتا اور سب کے ساتھ وہی بلند اخلاقی وسعت وفراخی کا برتاؤ ہوتا اس میں بہت سارے اوقات صرف ہوتے فتاوی کے لئے نہایت معمولی عامی سے لیکر بلند پایہ اہل علم موصوف کی طرف رجوع کرتے میں نے یہ کیفیت دیکھ کر ایک مرتبہ عرض کیا کہ آپ کے اوقات اس قسم کے بہت سارے امور پر صرف ہو جاتے ہیں پھر مشکوۃ شریف کی شرح والا جو کام آپ کر رہے ہیں اس میں ان امور کے سبب بہت زیادہ خلل واقع ہوتا ہے اور یہ شرح اس امر کی متقاضی ہے کہ زیادہ سے زیادہ وقت صرف کیا جائے اس لئے ملاقات وزیارت کا کوئی خاص وقت مقرر کر دیا جائے تو بہت بہتر ہو نیز شرح مشکوۃ کے سلسلے میں کوئی مساعد ومعاون ایسا ہو جو آپ کی رہنمائی میں بہت سا کام آپ کی دوسری مصروفیات ومشاغل کے وقت کرتا رہے میں نے مساعد و معاون والی بات حضرت ڈاکٹر سید عبد الحفیظ سلفی حفظہ اللہ مہتمم دار العلوم احمدیہ سلفیہ دربھنگہ کی تجویز کے مطابق کہی تھی اور یہ بات میں ۱۹۶۵ء سے لیکر ۱۹۷۰ء تک تھوڑے تھوڑے وقفہ سے کہتا رہا مگر شیخ الحدیث موصوف نے میری ان دونوں باتوں کو قبول نہیں فرمایا بلکہ پہلی تجویز پر کسی قدر ترش روئی کے ساتھ جواب دیا کہ شریعت میں اس کی کہاں گنجائش ہے کہ آنے جانے والے زائرین ومہمانوں سے ملنے کے لئے کوئی خاص وقت مقرر کر دیا جائے خصوصا علمی سوالات لیکر آنے والوں اور تحقیقی امور

کے سلسلے میں لمبے چوڑے سفر کر کے پہنچنے والوں اور بہت سے معاشرتی وخانگی امور سے متعلق فتاوی طلب کرنے والوں سے ملنے جلنے کی خاطر اگر دن کا کوئی خاص وقت مقرر کر دیا جائے تو اس کی کوئی گنجائش نہ تو شریعت کے کسی نص میں ہے نہ اسلاف کے یہاں اس کی مثال ہے نہ اسلامی اخلاق اس کی اجازت دیتے ہیں نہ انسانی مقتضیات اس کی موافقت کرتے ہیں پھر اس طرح کی "بدعت" پر عمل کیونکر ممکن ہے ؟

میں نے دبی زبان سے ایک مرتبہ کہا کہ تحفتہ الاحوذی شرح جامع ترمذی اور عون المعبود شرح السنن ابی داود کی تصنیف میں بعض مساعدین ومعاونین نے مصنفین کی مدد ومساعدت کی ہے مگر شیخ الحدیث موصوف نے اس کے جواب میں ایسی باتیں کہیں کہ خاموش رہے بغیر چارہ کار نہ رہا۔

مرکزی دار العلوم جامعہ سلفیہ بنارس میں تدریس وتعلیم کا افتتاح ہونے کے دو سال بعد ۱۹۶۹ء میں شیخ الحدیث موصوف اور مشفق محترم جناب قاری عبد الحق" امام جامع مسجد بانسی متوفی ۱۹۷۵ء کے ایماء واشارہ سے میں مرکزی دار العلوم جامعہ سلفیہ بنارس میں آگیا اور وہیں تعلیم وتدریس میں مشغول ہوا مجھ سے کئی حضرات نے "انوار الباری شرح صحیح البخاری" کی طرف توجہ مبذول کرنے کے لئے کہا کہ یہ کتاب محدثین ومسلک محدثین ومسلک سلف ومنہج اہل حدیث کے خلاف بہت سارے دل آزار زہریلے مواد پر مشتمل ہے اور خالص دیوبندی ثم حنفی طرز پر اہل حدیث کے خلاف خصوصا امام بخاری اور ان کی صحیح کے خلاف لکھی گئی ہے میں نے اس پر کوئی خاص دھیان اپنے دوسرے مشاغل کے سبب نہیں دیا لیکن شیخ الحدیث موصوف نے مجھ سے فرمایا کہ سب سے زیادہ تمہارے لئے توجہ دینے والا کام یہی ہے۔ اب تک میں نے انوار الباری کو دیکھا تک نہیں تھا صرف نام سنتا یا بعض بازاری واخباری اشتہاروں میں اس کا ذکر دیکھ لیا کرتا تھا اب مجھے احساس ہوا کہ اس کتاب کو دیکھنا چاہئے پہلے اس کا مقدمہ مشتمل بر دو جلد دیکھنا ضروری تھا اس کے مقدمہ کا

حصہ اول خود شیخ الحدیث نے اپنے بلند اطوار صاحب زادے کے ذریعہ بھجوایا اور باقی اجزاء عزیز محترم مولانا شاہد جنید سلفی و شیخ جاوید اختر سلفی نے فراہم کیا اس وقت یہ دونوں حضرات بھی جامعہ سلفیہ میں زیر تعلیم تھے ۔ اس کتاب کو پڑھنے سے معلوم ہوا کہ فی الواقع یہ کتاب سلفیت اور محدثین کے خلاف زہریلے مواد سے پر ہے اور اس کا تمام تر مواد کوثری اور کوثری گروپ کی تحریروں سے اخذ کیا گیا ہے میں کوثری اور کوثری گروپ کی بہت ساری تحریروں کا مطالعہ طالب علمی کے زمانہ میں کر چکا تھا خصوصا کوثری کی کتاب "تانیب الخطیب" اور "مقالات کوثری" کا۔ بہر حال میں نے شیخ الحدیث موصوف نیز متعدد افراد جماعت کے کہنے پر عمل کرتے ہوئے انوار الباری پر رد بلیغ لکھنے کی تخطیط کی اور مراجع کی قلت کے باوصف میں نے اللہ کا نام لیکر کام شرع کردیا۔ بحمد اللہ اب تک اس کے رد پر چار جلدیں طبع ہو چکی ہیں آگے کا کام مختلف وجوہ سے رکا ہے جس میں مراجع کا اپنے پاس نہ ہونا سب سے بڑا سبب ہے، لعل اللہ یحدث بعد ذلک امرا۔

جامعہ سلفیہ بنارس کے سرپرست و مربی ورئیس ہونے کی بنا پر مختلف مواقع پر مختلف مناسبات سے شیخ الحدیث موصوف جامعہ سلفیہ بنارس آیا کرتے اور حسب ضرورت قیام فرماتے ۔ ضعف و کمزوری و مشاغل کے باوصف اور سفر دشوار ہونے کے باوجود جامعہ سلفیہ سے گہرے لگاؤ و ربط ہونے کی بنا پر اور یہاں کے اساتذہ و منتظمین سے تعلق خاطر کے سبب ہر طرح کی صعوبت جھیلتے ہوئے کئی کئی روز جامعہ سلفیہ میں قیام فرماتے جامعہ سلفیہ میں تدریسی سلسلہ شروع ہونے کے بعد بتدریج شیخ الحدیث موصوف سن رسیدگی اور کمزوری کے باعث لمبے سفر سے معذور ہوتے گئے مگر جب تک کسی بھی طرح قوی ساتھ دیتے رہے یہاں آمد و رفت کا سلسلہ جاری رہا اور ان امور کے ساتھ مرعاۃ المفاتیح کا کام کرتے رہے نیز بہت سے فتاوی اور علمی سوالات کے جوابات دیتے رہے ۔ اگرچہ ان کاموں میں بتدریج کمی آتی گئی اور سب سے بڑی بات یہ ہوئی کہ مرعاۃ شرح مشکوۃ والا کام ادھورا ہی رہ گیا ۔ جامعہ سلفیہ بنارس کے ذمہ داروں میں سے کئی ایک نے درخواست

کی کہ مساعدین ومعاونین کے ذریعہ یہ کام ہوتا رہے تاکہ جلد کام مکمل ہو جائے مگر ۔

تجری الریاح بما لا تشتھی السفن

آخری سالوں میں سفر بالکل متروک ہو گیا حتی کہ جامعہ سلفیہ بھی آنے سے معذور رہے مگر بہت سارے امور میں ان سے رابطہ قائم کر کے مشورے لئے جاتے رہے۔ جماعت سے گہرا ربط رکھتے اور جمعیت سے بھی، اس لئے ان کے حالات سے واقفیت حاصل کرتے رہتے تھے۔

جب موصوف بنارس آنے سے بالکل معذور ہو گئے تو دیگر لوگوں کی طرح ہم بھی کبھی کبھار زیارت وعیادت ومزاج پرسی اور بعض مشوروں کے لئے حاضر خدمت ہوتے رہے۔ وفات سے صرف ایک روز پہلے بھی بعض اساتذہ جامعہ سلفیہ کے ساتھ ہم مبارکپور گئے افسوس کہ اس وقت موصوف بعض الفاظ کے علاوہ کچھ بول نہیں سکتے تھے مگر حواس قائم تھے اگرچہ زیادہ تر بے ہوشی کی کیفیت طاری رہا کرتی تھی ۔

آخر وہ وقت موعود آگیا جسے قرآن مجید نے "اجل مسمی" کہہ رکھا ہے اس وقت مقررہ پر "کل من علیہا فان" کے قانون الہی کے مطابق موصوف نے داعی اجل کو لبیک کہا اس کی خبر دیگر مقامات کی طرح جامعہ سلفیہ بنارس میں بھی آئی یہ خبر غیر متوقع نہیں تھی مگر نہایت غم انگیز واندوہناک وکرب ناک تھی ، انا للہ وانا الیہ راجعون ۔ علم وفضل وتحقیق کا بحر ناپیدا کنار خصوصا علوم حدیث کا ماہر یکتا اور اخلاق وعمل کا پیکر اسلاف کرام کا نمونہ ہم سے رخصت ہو چکا تھا اور علمی دنیا میں ایک ایسا زبردست خلا پیدا ہوا جس کا پر ہونا بظاہر محال نظر آرہا ہے ویسے اللہ تعالی مسبب الاسباب وقادر مطلق ہے اس کی ذات سے بعید نہیں کہ دنیا کو کسی شخصیت ستودہ صفات سے بہرہ ور کردے۔

جامعہ سلفیہ کے اساتذہ وطلبہ کے ساتھ ہم بھی تدفین میں شرکت کے لئے گئے ۔ جہاں نماز جنازہ پڑھی گئی وہاں ازدہام وہجوم کا یہ عالم تھا کہ بعض لوگوں نے کہا کہ عرفات کا سا سماں معلوم ہوتا ہے۔ دہلی دوربھنگہ اور نیپال جیسے دور دراز کے لوگ بھی جنازہ میں شرکت کے لئے آئے ،

اللھم اغفر لہ وارحمہ واجعل الجنۃ مثواہ۔

☆☆☆

آسمان خلق کا ایک درخشاں ستارہ

تحریر : جناب مولانا ہلال احمد بن مولانا نذیر احمد رحمانی "

صبت علی مصائب لو أنها صبت علی الأیام صرن لیالیا

آہ! عالم اسلام نے یہ خبر سنی کہ مورخہ ۵ / ۱ / ۱۹۹۴ء مطابق ۲۲ / ۷ / ۱۴۱۴ھ بدھ کی صبح کو آسمان خلق کا سب سے درخشاں ستارہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے غروب ہو گیا، بیسویں صدی کا وہ سورج جو افق حدیث پر پوری تابانی کے ساتھ روشن تھا گہن آلود ہو گیا، امت مسلمہ کا بالعموم اور جماعت اہل حدیث کا بالخصوص روحانی باپ اپنے رفیق اعلی سے جا ملا، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

جامعہ سلفیہ بنارس کی طرف سے بذریعہ مجلہ " محدث " یہ اعلان پڑھ کر خوشی ہوئی " کہ مجلہ " محدث " شیخ الحدیث نمبر نکالنا چاہتا ہے، اس لئے لوگوں سے گذارش کی ہے کہ اپنے اپنے تاثرات مدیر مجلہ کو بھیجیں " میں نے شیخ صاحب کو اتنے قریب سے دیکھا ہے جتنے قریب سے بیٹا اپنے باپ کو دیکھتا ہے، اس لئے بڑی نا انصافی ہوگی اگر میں نے ذرا بھی بخل سے کام لیا۔ ان تاثرات کو لکھنے یا نہ لکھنے سے شیخ صاحب کی عظمت میں تو کوئی فرق نہیں پڑتا کیونکہ شیخ صاحب وہ خوشبو تھے جس کے بارے میں کہا گیا ہے کہ " مشک آنست کہ خود ببوید نہ کہ عطار دبگوید "۔

والد محترم مولانا نذیر احمد رحمانی رحمتہ اللہ علیہ کے انتقال کے بعد میں کبھی کبھی یہ سوچ کر پریشان ہو جاتا تھا کہ اب میں اپنی مشکلات کا حل تلاش کرنے کس کے پاس جاؤں گا اور کس سے مشورہ کروں گا، تو دل سے یہ آواز آتی تھی کہ والد مرحوم کے یار غار، بچپن کے ساتھی، جوانی اور بڑھاپے کے رفیق شیخ صاحب جب تک بقید حیات ہیں اس وقت تک زیادہ پریشان ہونے کی ضرورت نہیں، چنانچہ مجھے جب بھی کوئی الجھن یا پریشانی محسوس ہوتی، میں خود شیخ صاحب کے پاس چلا جاتا یا خط کے ذریعہ رابطہ قائم

کرتا، خواہ کوئی گھریلو الجھن ہو یا دینی مسئلہ ہر بات کو میں شیخ صاحب کے سامنے کھول کر رکھ دیتا اور شیخ صاحب مجھے ایسا ہی مشورہ دیتے جس طرح والد مرحوم دیا کرتے تھے۔

میں جب بھی شیخ صاحب کو خط لکھتا تو "والد محترم" کے لفظ سے خطاب کرتا، مجھے اس لفظ سے جو سکون ملتا وہ بیان سے باہر ہے، اور شیخ صاحب نے بھی کبھی اس لفظ پر نہیں ٹوکا، میرے پاس شیخ صاحب کے جتنے بھی خطوط آئے ہیں، اسے بہت قیمتی اثاثہ سمجھ کر فائل میں محفوظ کرتا رہا، شیخ صاحب کی مصروفیات اور صحت کی خرابی کی وجہ سے میں کوشش کرتا کہ کم سے کم خط لکھوں اس لئے کہ شیخ صاحب ہمیشہ میرے خطوں کا جواب خود اپنی تحریر سے دیا کرتے تھے اور بعض خطوط مضمون کی طوالت کی وجہ سے اتنے باریک ہوتے تھے کہ مجھے خود افسوس ہوتا تھا کہ شیخ صاحب کو کتنی زحمت اٹھانی پڑی اور کتنا وقت صرف ہوا ہوگا، لیکن شیخ صاحب کا یہ حال تھا کہ جب بھی ملتے یہی شکایت کرتے کہ "آپ نے خط لکھنا بہت کم کر دیا ہے، خط لکھا کریں" میں انہیں کیسے سمجھاتا کہ میرا تو جی چاہتا ہے کہ آپ کو ایک خط روز پوسٹ کیا کروں اور آپ روز ہی اس کا جواب دیا کریں۔ لیکن آپ کی مصروفیات اور صحت کی خرابی کے احساس سے گریز کرتا ہوں، لیکن میں ان کی اس شکایت کا جواب صرف خاموشی سے دیتا۔

شیخ صاحب کے سارے ہی خطوط اس قابل ہیں کہ اسے حرفاً حرفاً منظر عام پر لایا جائے، لیکن طوالت کے خوف سے میں صرف پہلے اور آخری خط کے کچھ اقتباسات نقل کرنا مناسب سمجھتا ہوں جس سے شیخ صاحب کی عظمت کا منارہ دور سے نظر آئے گا۔ شیخ صاحب کا پہلا خط جو میرے پاس محفوظ ہے وہ ۲۵ / ۷ / ۱۹۶۸ء موافق ۲۸ / ۴ / ۱۳۸۸ھ کا ہے۔ یہ اس وقت کا خط ہے جب میں نے جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ سے فراغت حاصل کی تھی اور دار الافتاء ریاض سے افریقہ میں دعوت و تبلیغ کے لئے تعاقد کی کوشش میں تھا۔ لیکن اسی سال دار الافتاء نے یہ نظام بنایا تھا کہ افریقہ کے لئے تعاقد صرف افریقی لڑکوں کا ہی ہوگا، یہ خبر کسی صاحب کے ذریعہ شیخ صاحب کو مل گئی اور شیخ صاحب نے جو میرے پاس خط لکھا اس کا اقتباس پیش کرتا ہوں۔

" خالد کمال صاحب سے معلوم ہوا کہ اس سال جامعہ کے فارغین میں سے صرف دس لڑکوں

کودار الافتاء لے گا اور ان میں بھی افریقیوں کو ترجیح دے گا ، بہر حال آپ کا دار الافتاء سے التحاق کا خیال بہت مناسب ہے ، کوشش کرنا آپ کا اور ہمارا کام ہے اور کوشش کو بار آور کرنا اللہ تعالی کا کام ہے ، میں نے ناظم صاحب مرکزی دار العلوم کو لکھ دیا ہے کہ وہ کانفرنس کے پیڈ پر مولانا آروی کی طرف سے مفتی اکبر کے نام آپ کے بارے میں حافظ مقتدی حسن صاحب ازہری یا مولوی عبد الوحید صاحب سے فورا سفارشی خط لکھوائیں اور ماسٹر عبد الحمید کے ہاتھ آرہ مولانا آروی کے یہاں بھیج کر دستخط کر والیں ، پھر خود مفتی اکبر کے نام رجسٹری کر دیں ، مولانا آروی صدر کانفرنس کی طرف سے خط جانے کے علاوہ اگر ناظم مرکزی دار العلوم بھی دار العلوم کے پیڈ پر مفتی اکبر کے نام سفارشی چٹھی لکھ دیں تو ان شاء اللہ اس کا بھی اچھا اثر ہوگا ، چنانچہ میں نے ناظم صاحب کو اس کا بھی مشورہ دے دیا ہے ، نیز مولوی مختار احمد صاحب کو بھی تعاون کے لئے لکھا ہے ، اور اب مولانا آروی صاحب کو بھی عریضہ لکھ رہا ہوں ، اللہ تعالی ہماری کوششوں کو کامیاب کرے "۔

ان کوششوں کا کتنا فائدہ ہوا یہ تو مجھے معلوم نہ ہو سکا لیکن اس خط کو پڑھ کر جو خوشی نصیب ہوئی اس کا احاطہ کرنے کی قلم میں طاقت نہیں اور بے ساختہ دل سے نکلا ، کون کہتا ہے کہ والد مرحوم کے بعد اس دنیا میں میرا کوئی نہیں ہے جو میرے وقت میں کام آئے ۔

اور دوسرا خط جس کا اقتباس پیش کرنا چاہتا ہوں وہ شیخ صاحب کا میرے لئے آخری خط ہے ، آخری اس لئے کہ جیسا میں پہلے لکھ چکا ہوں کہ شیخ صاحب کی مصروفیات اور خرابی صحت کی وجہ سے میں نے خود ہی خط لکھنا بند کر دیا بلکہ جو بھی مسئلہ آتا کوشش یہ کرتا کہ زبانی حل کر لوں ۔ حالانکہ شیخ صاحب ہمیشہ یہ کہتے تھے کہ خطوط لکھا کریں۔

یہ خط ۲۱ / ۳ / ۱۳۹۸ھ موافق ۲ / ۳ / ۱۹۷۸ء کا ہے ، اس خط میں شیخ صاحب نے ایک بہت اہم نکتہ کا ذکر کیا ہے اس لئے اس خط کے اقتباس سے بہت سے لوگوں کو فائدہ ہوگا بالخصوص املو اور قرب

وجوار کے لوگوں کے لئے ۔

املو میں عربی مدرسہ کی تاسیس کی تقریب تھی اور یہ طے پایا تھا کہ سنگ بنیاد شیخ صاحب کے مبارک ہاتھ سے رکھا جائے گا لیکن شیخ صاحب تشریف نہیں لائے ، جمعہ کے بعد میں خود ہمراہ مولانا عبد الرحمٰن صاحب شیخ صاحب کے گھر گیا لیکن محسوس ہوا کہ شیخ صاحب غصہ میں ہیں ، شیخ صاحب کا غصہ دیکھ کر پھر یہ سوچ کر کہ املو جانے اور وہاں سے آنے میں کافی تکلیف اٹھانی پڑے گی اس لئے بہت زیادہ اصرار کرنا مناسب نہیں سمجھا اور واپس آگئے ۔

بعد میں ایک صاحب نے بتلایا کہ کہ شیخ صاحب کے شرکت نہ کرنے کی اصل وجہ یہ تھی کہ شیخ صاحب کا خیال تھا کہ مدرسہ کی جو زمین ہے وہ شرعا جائز نہیں اسی لئے انہوں نے کنارہ اختیار کر لیا۔ یہ بات سن کر میرے کان کھڑے ہو گئے کہ اگر یہ بات صحیح ہے تو اس کی تحقیق ضروری ہے ، تاکہ بنیاد روک دی جائے ، سوچا ، میں شیخ صاحب سے خود ملوں گا لیکن کوشش کے باوجود وقت نہ مل سکا اور میں نیجریا واپس آگیا ، پھر یہاں سے میں نے شیخ صاحب کو خط لکھا کہ میں نے ایسا سنا ہے کیا یہ صحیح ہے ؟ تو شیخ نے بہت واضح طور پر لکھا کہ :۔

" معاملہ مسئولہ کے بارے میں معلوم ہو کہ میری طرف اس بات کا انتساب کہ میں اس زمین پر مدرسہ بنانے سے متفق نہیں ہوں اس لئے کہ اس پر مدرسہ بنانا شرعا جائز نہیں ہے ، میری طرف اس کا انتساب مجھ پر افتراء ہے ، میں نے قطعا کسی سے یہ نہیں کہا ہے کہ اس زمین پر مدرسہ بنانا ناجائز ہے ....

میں نے تاسیس کی تقریب میں شرکت کا ، نیز املو جمعہ کی نماز پڑھنے کا وعدہ کیا تھا اور میں یہ وعدہ ضرور پورا کرتا لیکن میرے بار بار اور صاف انکار کرنے کے باوجود رات کے اجلاس میں اسٹیج سے یہ اعلان کر دیا گیا کہ جمعہ کا خطبہ اور نماز میں پڑھاؤں گا جس کا علم مجھ کو جمعہ کی صبح کو ہوا تو مجھے انتہائی دکھ پہنچا اور اس وقت میں نے فیصلہ کر لیا کہ اس تقریب میں شرکت نہیں کروں گا ۔ اعلان کرنے والوں کا اپنی غلطی

تسلیم کرنے اور اس پر ندامت کے بجائے اسٹیج ہی سے میری عدم شرکت کا عذر گڑھ کر کے اس کی تشہیر واعلان کرنا اور اس کے بعد یہ پروپیگنڈہ کرنا کہ میں نے حاجی عبد السلام یا کسی اور شخص کے دباؤ کی وجہ سے تقریب میں شرکت نہیں کی مزید دکھ کا باعث ہوا۔ اللہ تعالی ان کے حال پر رحم فرمائے اور کیا لکھوں ۔

اخیر میں آپ کے مزید اطمینان کے لئے پھر لکھا جاتا ہے کہ اس زمین پر مدرسہ تعمیر کرنے کے عدم جواز کی کوئی شرعی وجہ اور بنیاد میرے علم میں نہیں ہے۔

یہ ہے شیخ صاحب کی عظمت ان کے خطوط کے آئینہ میں ، اس کے بعد میں نے قصدا شیخ صاحب کو خط لکھنا بند کر دیا کیونکہ اس کی وجہ سے انہیں جو تکلیف برداشت کرنی پڑتی تھی وہ میں جانتا تھا ، شیخ صاحب تو تواضعا خط نہ لکھنے کی شکایت کرتے تھے لیکن چھٹیوں میں جب بھی املو جانا ہوتا پہلی فرصت میں شیخ صاحب کی خدمت حاضر ہوتا ، میں عموما عصر اور مغرب کے درمیانی وقفہ میں جاتا کیونکہ اس وقت شیخ صاحب اکثر فرصت میں ہوتے ، شیخ صاحب میری بیوی اور بچوں سمیت ہر ایک کی خیریت معلوم کرتے ، دعائیں دیتے ، اسی درمیان اٹھکر کمرہ میں جاتے ، بسکٹ یا مٹھائی جو کچھ موجود ہوتا حاضر کرتے پھر کنویں سے خود ہی پانی بھرتے ، گلاس وغیرہ صاف کر کے خود ہی پانی لے آتے ، بعض دفعہ کوشش کی کہ ان کے ہاتھ سے لے لوں لیکن انکار کر دیتے۔ اس پورے وقفہ میں میں صرف انہیں تکتا رہتا اور سوچتا کہ یہ ہے عظمت فاروقی کا نمونہ ۔

أولئك آبائي فجئني بمثلهم إذا جمعتنا يا جرير المجامع

اخیر میں اللہ تعالی سے دست بدعا ہوں کہ اللہ تعالی مرحوم کو ہمیشہ اپنی رحمت واسعہ کے سایہ میں رکھے ان کی قبر کو نور سے بھر دے اور ہمیں ان کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے آمین ثم آمین۔

شاعر لبید نے کیا عمدہ کہا ہے ؎

وما المرء الا کالھلال وضوءہ یوافی تمام الشھر ثم یغیب

☆☆☆

شیخ الحدیث رحمتہ اللہ علیہ کے اخلاق کا

آنکھوں دیکھا حال

تحریر: جناب مولانا محمد یونس مدنی / استاد جامعہ سلفیہ بنارس

شیخ الحدیث رحمہ اللہ کی ہستی ان نادر الوجود ہستیوں میں سے ایک تھی جو اپنے اوصاف ستودہ وصفات حمیدہ اور علم وفضل کی بدولت اپنوں اور غیروں میں نہایت عزت واحترام کی نگاہ سے دیکھی جاتی تھی۔

مادر علمی جامعہ سلفیہ کے لائبریری ہال میں شیخ الحدیث علامہ عبید اللہ رحمانی رحمتہ اللہ علیہ اور دیگر عمائدین جماعت کا خطاب تھا سن یاد نہیں، جس میں اساتذہ وطلبہ وذمہ داران جامعہ شریک تھے، اس مبارک محفل میں پہلی بار نزدیک سے شیخ الحدیث رحمتہ اللہ علیہ کے دیدار کا شرف حاصل ہوا۔ دوسری بار اپنے بعض رفقاء کے ساتھ صرف شیخ الحدیث رحمتہ اللہ علیہ سے بغرض ملاقات مبارکپور پہونچے، چند گھنٹے رہ کر مفید نصائح لئے ہوئے واپس آئے، پھر اس کے بعد کئی بار ملاقات کا شرف حاصل ہوا۔

۱۹۷۸ء سے ۱۹۸۰ء تک جامعہ کے ایک بزرگ اور مخلص خادم عبد الرحمٰن (ماما) مرحوم کے ساتھ سفارت کی غرض سے بحکم ناظم اعلی مولانا عبد الوحید سلفی رحمتہ اللہ علیہ مئو، مبارکپور جانا ہوا۔ مبارکپور میں قیام شیخ الحدیث رحمتہ اللہ علیہ کے یہاں ہوتا، بڑے اخلاق اور مروت وشفقت ومحبت سے پیش آتے ضیافت ومہمان نوازی میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھتے، جب تک قیام رہتا ہر طرح کا خیال رکھتے، کسی چیز کی کمی محسوس نہ ہونے دیتے۔

شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں قیام ماہ رمضان میں ہوتا تھا اور کم از کم دو روز رہتے اور ان دو دنوں میں قریب سے بہت کچھ دیکھنے سننے اور سیکھنے کا موقع ملتا، افطار کا وقت جب قریب ہوتا تو سامان افطار اپنے دست مبارک سے لا، لاکر دستر خوان پر چن دیتے، اپنی پرواہ کم، مہمانوں کی طرف نظر التفات زیادہ ہوتی، نماز مغرب کے بعد اپنے دوسرے مکان میں لے جاتے، جہاں کھانے کا انتظام ہوتا، شیخ عبدالرحمٰن حفظہ اللہ بھی ساتھ ہوتے، کھانے کا تمام سامان موجود ہوتا، کسی چیز کی کمی نہ ہوتی اس کے باوجود شیخ الحدیث " شیخ عبد الرحمٰن حفظہ اللہ کو تاکید فرماتے رہتے کہ دیکھو کسی چیز کی کمی نہ ہو، کھانے سے فراغت کے بعد شیخ الحدیث " صحن میں کبھی بان کی چارپائی ڈال دیتے اور کبھی زمین پر چٹائی بچھا دیتے، چونکہ عبد الرحمٰن (ماما) شیخ الحدیث " کے تقریبا ہم عمر تھے اس لئے شیخ صاحب رحمۃ اللہ علیہ اپنی زندگی کے حالات سناتے، کبھی طالب علمی کے واقعات سناتے، کبھی رحمانیہ دہلی کی باتیں سناتے، کبھی مختلف مسائل سامنے آتے تو وقیع علمی انداز میں مدلل ومفصل بیان وتشریح سے دل کو مطمئن کر دیتے، عشاء کی نماز کا وقت ہو جاتا تو ہم لوگ مسجد میں نماز اور تراویح کے لئے جاتے، ضعف پیری کے باوجود شیخ الحدیث " بھی مسجد میں تشریف لاتے، نماز اور تراویح کھڑے ہو کر پڑھتے اور جب امام تراویح میں قرآنی آیات بھول جاتا تو اس کو لقمہ دیتے، نماز سے فراغت کے بعد اپنے ٹھکانے پر آتے تو بستر لگا ہوا پاتے، بڑی حیرت ہوتی ساتھ ہی ندامت وشرمندگی بھی ہوتی مگر جرأت نہ ہوتی کہ کچھ عرض کیا جا سکے۔

دن بھر کے تھکے ہوئے ہوتے، بستر پر دراز ہوتے نیند آجاتی لیکن جگہ غیر ہونے کی وجہ سے جلد ہی نیند کھل جاتی تو شیخ الحدیث " کو تلاوت قرآن میں مشغول پاتے یا ذکر الٰہی میں لگے ہوتے، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ چند ہی گھنٹہ آپ آرام فرماتے، سحری کھانے کے لئے جب اٹھتے، تو پانی بالٹی میں بھرا ہوا پاتے سحری سے فارغ ہو کر نماز پڑھتے، تلاوت کرتے، کبھی ایسا ہوتا کہ تلاوت کے بعد لیٹتے تو نیند آجاتی، جب کچھ دیر بعد اٹھتے تو شیخ صاحب اپنے تخت پر بیٹھے ہوئے ہوتے، فرماتے غسل کرنا ہو تو پانی موجود ہے،

غسل کر لو ، ذرا سی دیر کے لئے ادھر ادھر چلا جاتا تو آپ اپنے دست مبارک سے بستر اٹھا دیتے ، جب رخصت ہونے کا وقت ہوتا تو بڑی دور تک ساتھ آتے آپ کے حسن سلوک سے دل اتنا متاثر ہوتا کہ بیان نہیں کیا جا سکتا اور نہ ہی وہ چیزیں احاطہ تحریر میں لائی جا سکتی ہیں ، مختلف ضرورتوں سے لوگ آپ کے پاس آتے کوئی مسائل کا حل ڈھونڈتا ، کوئی حدیث کے مشکل مقامات کی تشریح چاہتا ، کوئی آپسی تنازعات میں فیصل بنانا چاہتا ، شیخ الحدیث ؒ سب کی ضرورتوں کو پورا کرتے اور انتہائی شفقت و محبت کے ساتھ پیش آتے ، آپ کا اخلاق کیا تھا ؟ گویا آپ حسن اخلاق کا مجسمہ تھے ، ضیافت و مہمان نوازی تو اس طرح کرتے تھے کہ "من کان یومن باللہ و الیوم الآخر فلیکرم ضیفہ " کی تصویر ابھر کر سامنے آجاتی ، غیر اپنا ہو جاتا اور اپنے گرویدہ ہو جاتے ۔

آپ کی شخصیت بہت بلند تھی ، آپ کا اخلاق بے مثال تھا ، آپ بڑی خوبیوں کے مالک تھے ، جب آپ کے سامنے کسی شخص کا ذکر آتا جس میں اس کی ناپسندیدہ شخصیت یا خصال قبیحہ کا تذکرہ ہوتا تو آپ انا للہ الخ پڑھتے اور اس کے لئے ہدایت کی دعا فرماتے ۔

ایک بار شیخ الحدیث ؒ کی خدمت میں ایک وفد حاضر ہوا جس میں ایک شیخ عرب اور کچھ ہندوستانی مشائخ تھے ، شیخ عرب نے سوال کیا کہ آپ کی نظر میں سب سے بڑا عالم دنیا میں کون ہے ؟ میرے خیال کے مطابق شیخ الحدیث ؒ اس سوال کا جواب دینے سے بچنا چاہتے تھے اس لئے کہ "وفوق کل ذی علم علیم " کا نص قرآنی آپ کے سامنے تھا ، لیکن ان کے اصرار کرنے پر آپ نے عالم اسلام کی چند مقتدر اور علمی شخصیات کے نام گنائے جن میں شیخ عبد العزیز بن عبد اللہ بن باز حفظہ اللہ ، محدث شام علامہ ناصر الدین البانی حفظہ اللہ اور مولانا عطاء اللہ حنیف بھوجیانی ؒ کے نام قابل ذکر ہیں ، آپ کا طرز بیان ایسا تھا کہ کسی کو کسی پر برتری اور فوقیت کا گمان نہ ہوتا ۔

آپ کی کتنی خوبیوں کو شمار کیا جائے ؟ نہ آپ کی تمام خوبیوں پر میری نظر ہو سکتی ہے اور نہ

میرے اندر اسے احاطہ تحریر میں لانے کی طاقت ہے، بس آپ سراپا جمال وکمال تھے۔

آپ سنت کے شیدائی تھے، رموز شریعت کے واقف کار تھے، شریعت حقہ کے جید عالم وعامل تھے، آپ کا سراپا قرآن وحدیث کے سانچے میں ڈھلا ہوا تھا۔

شیخ الحدیث رحمتہ اللہ علیہ جامعہ سلفیہ کے اولین بانی، مربی، سرپرست اور تاحیات صدر رہے، ہندوستان میں سلفیت کی یہ عظیم درس گاہ اپنے مخلص بانیوں کی یاد دلاتی ہے، جامعہ انہیں مخلص بانیوں کی بدولت شاہراہ ترقی پر گامزن ہے اور ہند وبیرون ہند میں اپنی ساکھ بنائے ہوئے ہے، اب تک جامعہ نے جو خدمات انجام دی ہیں وہ اس قدر روشن اور شاندار ہیں جنہیں دہرانے کی ضرورت نہیں، اللہ رب العزت غریق رحمت کرے ان مخلص بانیوں کو جنھوں نے اپنے پاکیزہ جذبات اور سراپا اخلاص کے ساتھ اس عظیم ادارہ کو قائم کیا اور بطور باقیات الصالحات یہ امانت اخلاف کے حوالہ کر گئے۔

ہمارا فرض ہے کہ ہم شیخ الحدیث رحمتہ اللہ علیہ کے لئے، اور جملہ بانیان وکارکنان اور معاونین جامعہ کے لئے دعاء خیر کریں، اللہ رب العزت ان کی قبروں کو منور فرمائے اور ہم اخلاف کو اس کی سچی خدمت کی توفیق عطا فرمائے، اور نونہالان اسلام کو اس چشمہ صافی سے سیرابی عطا فرمائے، آمین۔

وصلی اللہ تعالی علی خیر خلقہ محمد وآلہ واصحابہ وسلم۔

☆☆☆

ذرا عمر رفتہ کو آواز دینا

جناب محمد فاروق اعظمی جلگاوں

حضرت الشیخ مولانا عبید اللہ رحمانی کی وفات حسرت آیات کی خبر نہ صرف بر صغیر ہند وپاک بلکہ عالم اسلام میں برقی رو کی طرح دوڑ گئی۔ جس نے جہاں اور جب یہ خبر سنی اپنی عنان شوق کو مبارکپور کی طرف موڑ دیا۔ حالانکہ حضرت الشیخ نے اپنے افراد خاندان کو سختی سے منع کر دیا تھا کہ ان کی علالت کی خبر کسی کو نہ دی جائے اس لئے کہ اس کی وجہ سے لوگ بقول ان کے بلا وجہ پریشان ہوں گے اور سفر کی صعوبتیں اٹھاتے ہوئے مبارکپور پہنچیں گے۔ یہی وجہ ہے کہ جب ان کی طبیعت تشویشناک حد تک خراب ہوئی تو ان کے صاحبزادے نے ان سے جلگاوں فون کر کے حالات سے مطلع کرنے کی اجازت چاہی آپ نے سختی سے منع کر دیا کہ مطلع نہ کیا جائے کیونکہ ابھی گذشتہ نومبر میں (دو مہینہ قبل) وہ مع اہل وعیال مبارکپور آ چلے ہیں، میری وجہ سے ان لوگوں پر سفر کی صعوبت اور اخراجات کا بار پڑے گا۔ حضرت الشیخ کے حسن اخلاق کا یہ بڑا نمایاں پہلو ہے کہ وہ دوسروں کی خدمت، راحت اور دلجوئی کے لئے بچھ جاتے تھے مگر کوئی ان کی خدمت اور راحت کی لذت اور سعادت حاصل کرنا چاہے تو بڑی گرانی محسوس کرتے تھے وہ یہ ہرگز پسند نہیں کرتے تھے کہ کوئی ان کی وجہ سے زیر بار ہو۔ یہی وجہ ہے کہ راقم الحروف کو حضرت الشیخ کے انتقال کی خبر ۵ / جنوری کو شام میں اس وقت ہوئی جب میرے لڑکے ڈاکٹر محمد نسیم نے مالیگاوں سے آکر مجھے مطلع کیا کہ نانا جان کا انتقال ہو چکا ہے۔ اس حادثہ فاجعہ کی خبر صبح ٦ بجے مالیگاوں پہنچ چکی تھی۔

حضرت الشیخ کے جنازے میں عدم شرکت کے ملال کی خلش دل میں تیر نیم کش کی طرح پیوست تھی۔ سیکڑوں ہزاروں لوگ جو مجبوراً کسی وجہ سے جنازے میں شریک نہ ہو سکے تھے وہ بعد میں بحسرت ویاس مبارکپور پہنچ کر حضرت الشیخ کے صاحبزادگان سے تعزیت اور ان کی قبر پر دعائے مغفرت

کرتے رہے اور محبت وعقیدت کے آنسو بہاتے رہے۔ میں بھی اس سعادت کے لئے بے تاب تھا۔ ہجوم کار سے تھوڑی فرصت ملی تو میں نے بھی مبارکپور کے سفر کا فیصلہ کیا۔ ۱۵ / فروری کو مہانگری سے روانہ ہو کر ۱۶ / کو قریب ڈھائی بجے دوپہر میں مبارکپور پہنچا۔ دھڑکتے دل، لرزتے پاؤں اور ڈبڈبائی ہوئی آنکھوں کے ساتھ حضرت الشیخ ؒ کے علمی حرم میں قدم رکھا تو ڈھائی مہینے قبل کی وہ ساری ملاقاتیں آنکھوں کے سامنے فلمی تصویروں کی طرح گھوم گئیں اور یادوں کے کئی چراغ جل اٹھے۔

------ آج ۱۰ / نومبر (۱۹۹۴ء) ہے۔ بعد نماز ظہر حضرت الشیخ کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں ساڑھے تین سال کے وقفے کے بعد ملاقات کا شرف حاصل ہو رہا ہے۔ حضرت الشیخ انتہائی خوشی اور مسرت کا اظہار فرما رہے ہیں۔ کتابوں اور رسالوں کے درمیان آپ اپنی مسند پر جلوہ افروز ہیں۔ریک میں سلیقے سے کتابیں سجی ہوئی ہیں۔ کئی جرائد ورسائل آپ کے پاس رکھے ہوئے ہیں جلگاؤں اور سفر کے حالات دریافت کر رہے ہیں اور میں پوچھ رہا ہوں کہ گاڑی میں نماز کے لئے قبلہ کا رخ کیسے متعین کیا جائے۔ گاڑی نہ تو سیدھے شمالاً جنوباً چلتی ہے اور نہ ہی شرقاً غرباً چلتی ہے بلکہ ترچھی شمال مشرق کی طرف چل رہی ہے اور برتھ کی پوزیشن بھی ایسی ہے کہ اس پر قبلہ کا رخ صحیح ہونا ممکن نہیں معلوم ہوتا تو کیا محض نیت قبلہ کی طرف کر لینے سے چاہے رخ کسی طرف ہو نماز ہو جائے گی؟ ...... اور آپ ارشاد فرما رہے ہیں کہ حتی الامکان کوشش یہ ہونی چاہئے کہ رخ قبلہ کی طرف ہو۔ اگر نماز کی حالت میں گاڑی کوئی اور رخ اختیار کر لے تو کوئی مضائقہ نہیں مگر رخ کا تعین نہ ہونے کی حالت میں دل کو جس طرف اطمینان ہو کہ قبلہ ادھر ہی ہے ادھر رخ کر کے نماز پڑھ لی جائے۔ نیت بہر حال قبلہ کی ضروری ہے۔

----- آج ۱۳ / نومبر ہے۔ حاضر خدمت ہوا تو بہت مسرور ہوئے۔ ان کے صاحبزادے دکتور وحافظ عبد العزیز اور پوتے ازہر سلمہ اور حافظ فواز سلمہ بھی ہمراہ ہیں۔ اپنی مسند پر نیم دراز ہیں۔ منع کرنے کے باوجود بھی سنبھل کر بیٹھ چکے ہیں، اپنی موجودہ حالت، ضعف، پیری اور مجبوری کا موازنہ اپنے بچپن اور جوانی سے کرتے ہوئے انتہائی تاسف کا اظہار فرما رہے ہیں کہ وقت انسان اور حالات کو کیسا بدل دیتا ہے۔ اپنے دسیوں میل پیدل چلنے، بادیہ پیمائی کرنے، گھوڑے، ہاتھی اور اونٹ کی سواری کرنے کا تذکرہ کر رہے ہیں اور اس بات پر حسرت ظاہر کر رہے ہیں کہ گدھے کی سواری نہ کر سکا۔ اس پر آپ کے

صاحبزادے حافظ عبد العزیز از راہ مزاح عرض کر رہے ہیں کہ "گدھے کی سواری تو بطور سزا کرائی جاتی ہے"۔ مجلس زعفران زار بن جاتی ہے حضرت الشیخ بھی زیر لب تبسم فرماتے ہیں اور عرض کرتے ہیں کہ مجھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک سنت ادا کرنے کی حسرت تھی۔ راقم عرض کر رہا ہے کہ فی زمانہ زبردست تبدیلیاں رونما ہو رہی ہیں ہمارے بچپن اور جوانی کے ایام سے آج کے حالات میں زمین و آسمان کا فرق ہو گیا ہے۔ نئے فیشن، نئی اسٹائل، نئے نظام نئے نئے شوق، جدید سے جدید تر اور خوب سے خوب تر سامان ضرورت اور وسائل تعیش کی فراوانی اور جلوہ سامانی وغیرہ آثار قیامت میں سے تو نہیں ہیں؟ اور آپ فرما رہے ہیں کہ "بے شک یہ سب قیامت کی چھوٹی چھوٹی علامتیں ہیں"۔

معلوم نہیں گفتگو کا کون سا پہلو بدل جاتا ہے کہ حضرت الشیخ کے ذہن میں بھولی بسری یادوں کے کئی چراغ روشن ہو اٹھتے ہیں۔ انہیں سراج العلوم بونڈھیار یاد آ جاتا ہے جس کی مٹی میں ان کے بچپن اور آغاز شباب کی سہانی یادیں لپٹی ہوئی ہیں، جس کے باغوں، میدانوں اور گلی کوچوں میں ان کے بے فکری کے ایام بیتے ہیں، جہاں کی روح پرور فضاؤں میں ان کے قلب ونظر کی وسعت پروان چڑھی ہے دریائے راپتی کے کنارے واقع مدرسہ سراج العلوم کا محل وقوع بیان کر رہے ہیں دریا کے صاف شفاف پانی میں نظر آنے والی مچھلیوں اور مگرمچھوں کا ذکر کر رہے ہیں۔ مگرمچھ کسی بڑی مچھلی کو اپنے منہ میں دبائے دریا کی گہرائی کی طرف بھاگ رہا ہے۔ کچھ نڈر اور بے باک طلباء لاٹھی ڈنڈا لیکر مگرمچھ کے تعاقب میں دریا میں کود پڑے ہیں اور دریا کے شیر کے منہ سے شکار چھین لائے ہیں اور مچھلی کی ضیافت ہو رہی ہے۔ یہ سارے قصے

بیاں خواب کی طرح جو کر رہا تھا یہ قصہ ہے جب کا کہ آتش جواں تھا

کافی وقت ہو چکا ہے اب حضرت الشیخ کی خدمت سے رخصت کی اجازت لے رہا ہوں اور دعاؤں کی درخواست کر رہا ہوں۔ حضرت الشیخ دعائیں دے رہے ہیں۔ ان کی آواز میں سوز وساز کا عجب ارتعاش ہے۔ میں چند ثانیئے کے لئے ساقط کھڑا ان کی دعاؤں پر دل کی گہرائی سے آمین کہہ رہا ہوں۔

----- اور یہ ۲۰ / نومبر ہے بعد نماز مغرب حاضر خدمت ہوا ہوں حضرت الشیخ اپنے بستر پر تکیوں کے سہارے نیم دراز ہیں محو تسبیح ہیں۔ دیکھتے ہی اٹھ بیٹھتے ہیں۔ سخت افسوس ہوا کہ ہماری وجہ سے ان کے آرام اور تسبیحات میں خلل پڑا۔ ہمراہ حافظ عبد العزیز اور مولوی ازہر سلمہ بھی ہیں۔ مولانا

مختار احمد صاحب ندوی کی زیر نگرانی نکلنے والا " البلاغ " کا نومبر کا شمارہ سامنے ہے ۔ اس میں ذی روح تصویروں کا جو سلسلہ شروع ہوا ہے اس پر سخت ناپسندیدگی اور کراہت کا اظہار کر رہے ہیں میرے کسی مضمون پر کسی صاحب کے تاثرات اور تبصرہ سے آگاہ کر رہے ہیں اور میں لالٹین کی دھیمی دھیمی روشنی میں البلاغ کی ورق گردانی کر رہا ہوں ۔ حضرت الشیخ اپنے ضعف اور نقاہت پر افسوس کرتے ہوئے فرما رہے ہیں کہ اب دل اتنا کمزور ہو گیا ہے کہ کوئی ہوائی جہاز گذرتا ہے اور اس کی آواز ذرا بھی تیز ہوتی ہے تو دل گھبرانے لگتا ہے ۔ ہر وقت ڈر لگا رہتا ہے کہ معلوم نہیں کب کیا ہو جائے اور کس شکل میں اللہ کا عذاب نازل ہو جائے ۔

میں پوچھ بیٹھتا ہوں کہ کیا صحت کے لئے مانگی ہوئی دعاؤں کا اثر صحت پر پڑتا ہے ؟ " بے شک صحت وشفا کے لئے دعائیں بڑی تاثیر رکھتی ہیں " آپ کا مختصر جواب ہوتا ہے پھر اگلا سوال کر بیٹھتا ہوں کہ اپنی صحت کے لئے کیا دعائیں کی جائیں ؟ آپ فرمارہے ہیں کہ کئی دعائیں منقول ہیں ایک دعا یہ ہے ۔

" اللهم رب الناس اذهب الباس و اشف انت الشافی لا شفاء إلا شفاءك شفاء لا يغادر سقما "۔

پھر ارشاد ہو رہا ہے کہ سورہ فاتحہ سورہ بقرہ کی آخری تین آیات اور آیۃ الکرسی پڑھ لیا کرو ۔ مزید ارشاد ہو رہا ہے کہ اگر سورہ یٰسین یاد ہو تو روزانہ ایک بار ضرور پڑھ لیا کرو ۔ پھر آگے فرمارہے ہیں کہ قرآن میں چھ آیات ہیں جن میں لفظ شفا آیا ہے ان کا پڑھتے رہنا بھی صحت کے لئے مفید ہے وہ آیات یہ ہیں :

۱- ویشف صدور قوم مؤمنین

۲- یایها الناس قد جاءکم موعظة من ربکم وشفاء لما فی الصدور

۳- یخرج من بطونها شراب مختلف ألوانه فیه شفاء للناس

۴- وننزل من القرآن ما هو شفاء ورحمة للمؤمنین

۵- وإذا مرضت فهو یشفین

۶- قل هو للذین آمنوا هدی وشفاء

----- آج ۲۲ / نومبر ہے ۔ حاضر خدمت ہوا تو حضرت الشیخ کو محو تسبیح پایا آج ہی میرے برادر خورد محمد عارف سلمہ پونہ اکسپریس سے بمبئی روانہ ہونے والے ہیں بنارس سے بذریعہ فون اطلاع مل چکی ہے کہ مذکورہ گاڑی بارہ گھنٹہ تاخیر سے روانہ ہوئی ۔ جب حضرت الشیخ کو اس کی اطلاع دی گئی تو بے ساختہ ان کی زبان سے یا اللہ ! یا اللہ ! یا اللہ !!! نکل گیا ۔ پھر ارشاد فرمارہے ہیں کہ روایت میں آتا ہے کہ وہ شخص بڑا خوش نصیب ہے جس کو چار چیزیں میسر ہوں ۔ اول صالحہ بیوی دوم نیک اور اچھا پڑوسی سوم آرام دہ سواری جو وقت سے اور آرام سے منزل پر پہنچائے ، چہارم ..... (حضرت الشیخ کو یاد نہیں رہا) سفر کی بات چلی تو حضرت الشیخ اپنے پہلے سفر حجاز کی روداد بیان کرنے لگے جو ۱۹۴۷ء میں پیش آیا تھا ۔ یہ بڑا یادگار سفر تھا اور حضرت الشیخ وطن لوٹ کر اس سفر کی تمام جزئیات کو من وعن رسالہ محدث دہلی جس کے وہ نگراں ومدیر تھے میں شائع کرنے کا ارادہ رکھتے تھے مگر ان کے رفیق سفر خلیل عرب نے انہیں یہ کہہ کر لکھنے سے منع کیا تھا کہ تمہارا انداز تحریر بڑا محققانہ اور ناقدانہ ہے تم اپنی تحریر میں ان تمام باتوں کو سمیٹ لوگے اور ان پر تنقید وتجزیہ بھی کروگے جن کا منظر عام پر آنا مصلحت کے خلاف ہوگا ۔ سوء اتفاق کہ جب حضرت الشیخ وطن لوٹے تو تقسیم ملک کے نتیجہ میں خونریز فسادات کا بھیانک عفریت دلی اور قرب ونواح دلی کو بری طرح اپنے خونی پنجے میں کس چکا تھا اور مدرسہ رحمانیہ دہلی مرحوم ہو چکا تھا ۔ اگر حالات سازگار ہوتے اور یہ سفر نامہ ضبط تحریر میں آگیا ہوتا تو سفر ناموں کی تاریخ میں ایک یادگار اضافہ ہوتا اور حضرت الشیخ کی شگفتہ اور جامع تحریر کا ایک بہترین نمونہ ہوتا ۔

حضرت الشیخ اپنے بچپن کا ذکر کرتے ہوئے کہہ رہے ہیں کہ کھلنڈراپن اور بے فکری بچوں کی فطرت میں ہوتی ہے ۔ دار التعلیم مبارکپور کے زمانہ طالب علمی کا ذکر کرتے ہوئے فرمارہے ہیں کہ مولوی اصغر صاحب اور مولوی شاہ محمد صاحب سریاں والے ان کے استاد تھے ۔ موخر الذکر کی بڑی تعریف کر رہے ہیں ۔ عام لڑکوں کی طرح وہ بھی (حضرت الشیخ) مدرسہ جاتے ہوئے بستہ کہیں رکھ کر کہیں گول ہو جاتے تھے ۔ بے فکری کچھ ایسی تھی کہ بیچ سر میں ایک پھوڑا نکل آیا ہے ۔ اچھا ہونے کا نام نہیں لے رہا ہے ۔ بری طرح پک گیا ہے اور اس کا دائرہ بڑھتا ہی جارہا ہے مگر اس کی سنگینی کی ذرا بھی پرواہ نہیں ہے ۔ ایک صاحب نے تجویز کیا کہ گری کا تیل اور کافور پھینٹ کر لگاؤ ۔ اس کو لگایا تو چند روز میں پھوڑا ٹھیک ہو جاتا

ہے مگر آخر عمر تک اس کا داغ بشکل گڈھا بیچ سر میں باقی رہتا ہے۔

جن دنوں وہ مدرسہ عالیہ مئو میں زیر تعلیم تھے تو فرصت اور چھٹیوں کے اوقات میں املی کے درختوں سے املیاں جھاڑ جھاڑ کر ان کا بیج نکال کر کچلا بنانا اور کھانا ان کا محبوب مشغلہ تھا اس وقت بقول شیخ کوئی چیز نقصان نہیں کرتی تھی مگر اب حالت ایسی ہے کہ کسی چیز کے کھانے کا جی نہیں چاہتا۔ کبھی کبھی سالن یا شوربا، اگر اچھا رہا تو پی کر بس کر لیتا ہوں ورنہ دو تین نوالے کافی ہوتے ہیں۔

اپنی نقاہت اور اشتہا کی کمی کا ذکر کرتے ہوئے فرما رہے ہیں کہ اللہ تعالی نے انسان کا جسمانی نظام کیسا حیرت انگیز اور عبرت آموز بنایا ہے۔ انسانی کھال کے نیچے کیسی کیسی پیچیدہ کل، مشینیں اور پرزے اللہ تعالی نے فٹ کر دی ہیں انسان جو نوالہ منہ میں لیتا ہے منہ کا لعاب اس کے ہضم میں معاون ہوتا ہے یہ ہاضمہ کا پہلا مرحلہ ہوتا ہے۔ نوالہ پیٹ کے اندر جاتے ہی معدہ اپنا کام شروع کر دیتا ہے پھر دل، جگر، گردے، پت وغیرہ اپنے افعال شروع کر دیتے ہیں اللہ تعالی نے گلے میں دو نالیاں بنائی ہیں۔ ایک نالی سے غذا اندر جاتی ہے دوسری سانس کے لئے ہے۔ اللہ کا عجب نظام ہے کہ ہر چیز اپنی متعین راہ سے اندر جاتی ہے کبھی ایسا نہیں ہوتا کہ نوالہ سانس کی نالی میں گھس جائے۔ اگر ایسا ہو جائے تو آدمی کا دم گھٹ جائے۔

ہم حضرت الشیخ کے حسن تکلم سے محظوظ ہو رہے تھے۔ جی نہیں چاہتا تھا کہ ان کی موتی جیسی قیمتی باتوں کا سلسلہ ختم ہو مگر یہ سوچ کر کہ حضرت الشیخ کی صحت اس کی متحمل نہیں ہے کہ انہیں زیادہ دیر تک گفتگو کی زحمت دی جائے ان کی مجلس سے رخصت ہونے کی اجازت چاہی اور اپنے سفر کے لئے جو ۲۴ / نومبر بذریعہ تاپتی گنگا در پیش تھا دعا کی درخواست کی۔

----- اور آج ۲۴ / نومبر ہے۔ جلگاؤں روانگی کا دن ہے۔ میں اور اہلیہ حضرت الشیخ سے ملاقات اور ان کی دعاؤں کی سوغات لینے کے لئے ان کی خدمت میں حاضر ہوئے ہیں۔ ہماری روانگی کا منظر دیکھ کر حضرت الشیخ بیقرار ہو اٹھتے ہیں۔ اپنی جھکی جھکی کمروں سے بے تابانہ کھڑے ہو جاتے ہیں۔ ان کی آنکھیں ڈبڈبا آتی ہیں۔ لرزتی، کانپتی اور تھرتھراتی آواز میں فرما رہے ہیں " میری جیسی کچھ بھی حالت ہے کچھ نہیں کہا جاسکتا کہ اللہ کی طرف سے کب بلاوا آ جائے اور کس حال میں آئے۔ بس اللہ تعالی سے بڑھاپے کی مجبوریوں سے پناہ مانگتا ہوں اور ایمان پر خاتمہ کی دعا کرتا ہوں حضرت الشیخ یہ سب ایسے پرسوز

لہجے میں کہہ رہے ہیں جیسے ان کا بال بال خوف خدا سے مرتعش ہو۔ ہم اپنے جذبات پر قابو نہ پا سکے۔ اہلیہ اپنے بوڑھے باپ کے شانوں پر سر رکھ کر سسک سسک کر رو رہی ہیں۔ ہم دونوں کی آنکھوں سے جھر جھر آنسو گر رہے ہیں، یہ ایسا دلگداز اور جذبات انگیز منظر ہے جسے قلم بیان کرنے سے قاصر ہے۔ حضرت الشیخ کی قیمتی دعاؤں کی سوغات لیکر ہم لوگ بھاری قدموں سے پردیس کے کالے کوس نکل پڑتے ہیں۔ دل کہہ رہا ہے کہ یہ آخری ملاقات ہے۔

----- اور جب ۵ جنوری کو یہ اندوہناک خبر جلگاؤں پہنچی کہ حضرت الشیخ انتقال کر گئے تو یہ خبر بجلی بن کر دل ودماغ کو سوختہ کر گئی اور پچھلی ملاقاتیں ایک ایک کر کے یاد آئیں۔

---- آج ۱۶ فروری کو بغرض تعزیت مبارکپور حضرت الشیخ کے در دولت پر حاضری دی تو جذبات پھر بے قابو ہو گئے۔ آنکھوں میں آنسو امنڈ آئے۔ یہ وہی مسند تو ہے جہاں حضرت الشیخ سے باتیں اور ملاقاتیں ہوئی تھیں، یہی وہ جگہ تو ہے جہاں وہ جھکے ہوئے آسمان کی طرح کھڑے ہو کر ہمیں دعائیں دے رہے تھے، یہی وہ نشست گاہ تو ہے جہاں بیٹھ کر علم حدیث کی موشگافیوں پر اپنے قلم کے شہوار کو دوڑایا کرتے تھے۔ یہی وہ آستانہ تو ہے جہاں بڑے بڑے صاحب علم وفضل آکر آپ کی علمی جلالت کو سلام کرتے تھے، یہی وہ گھر تو ہے جہاں عرب وعجم سے سلام وپیام آتے تھے۔ وہی دہلیز وہی دالان، وہی آنگن، وہی مسند، وہی کمرے، وہی کتابوں کے انبار، وہی زمین وآسمان مگر

ہر گوشۂ چمن میں خالی ہے جائے بلبل

حضرت الشیخ ؒ نے اپنے انتقال سے ۳ - ۴ روز قبل ایک خواب دیکھا تھا اس دن وہ بڑے مسرور ومطمئن تھے۔ چہرے پر انبساط کی کیفیت تھی۔ افراد خاندان آس ویاس کے ملے جلے جذبات کے ساتھ آپ کے گرد بیٹھے تھے۔ آپ نے آنکھیں کھولیں۔ لبوں کو جنبش ہوئی تمام لوگ متوجہ ہوئے۔ آپ فرما رہے تھے کہ " آج میں نے ایک خواب دیکھا ہے کہ ایک بڑا وسیع اور کشادہ میدان ہے وہاں بڑے بڑے محلات ہیں جن میں قد آدم کھڑکیاں اور بڑے بڑے دروازے لگے ہوئے ہیں۔ آدمیوں کا ایک ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر وہاں موجود ہے، نماز کی تیاری ہو رہی ہے۔ صفیں لگ چکی ہیں۔ یہ منظر بڑا روح پرور ہے۔ مگر مجھے یہ دیکھ کر بڑا افسوس ہو رہا ہے کہ امام کی جگہ خالی ہے۔ کوئی آگے نہیں بڑھ رہا ہے کہ امامت

کرے" افراد خاندان نے یہ خواب انگشت بدنداں ہو کر سنا اور ان کی آنکھوں میں آنسو تیرنے لگے۔ وہ محسوس کرنے لگے کہ امام الحدیث کی دنیا سے رخصتی کا وقت قریب آگیا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ حضرت الشیخ نہ صرف محدث عصر تھے بلکہ امام الحدیث تھے اور ان کے اٹھ جانے سے یہ جگہ خالی ہے۔

زندگی کا سفر جاری ہے، جاری رہے گا۔ وقت کی آغوش میں اجل علماء وصلحاء اور عبقری انسان پیدا ہوتے رہے ہیں اور آئندہ بھی ہوتے رہیں گے مگر حضرت الشیخ ؒ نے جیسی صاف ستھری اور محتاط زندگی گذاری ہے اس کی مثال مشکل سے ملے گی۔ امام الحدیث کی جو جگہ خالی ہوئی ہے وہ اب بھی خالی ہے۔ اب جبکہ ان کی زندگی تاریخ کا حصہ بن چکی ہے میں اس آنگن میں کھڑا عمر رفتہ کو آواز دے رہا ہوں جہاں حضرت الشیخ نے نصف صدی تک اپنے فکر وفن کے موتی صفحہ قرطاس پر بکھیرے تھے۔ میرے کانوں میں انگریزی ادب کے جواں سال شاعر شیلے Shelley کی مشہور نظم O World, O Life, O Time کے یہ الفاظ گونج رہے ہیں :

اے جہاں! اے زندگی! اے دور رفت!

جادہ پیماں ہوں میں تیری راہ پر
جب سفر میں یاد آجاتی ہیں پچھلی منزلیں
تھر تھرا اٹھتا ہے دل
کیا نہیں لوٹ آئیگی عہد گذشتہ کی بہار ؟
آہ یہ ممکن نہیں! ممکن نہیں!!

میرے روز وشب سے ہمدم،
چھن چکی ہیں زندگی کی عشرتیں
یہ شگفتہ سی بہار اور یہ فسردہ سی خزاں
میرے پائمال دل پر اور ڈھاتی ہیں ستم
راحت و آرام کا اب ذکر کیا

اے جہاں! اے زندگی! اے دور رفت!

محدث مبارکپوری - کچھ یادیں اور ملاقاتیں

مولانا عزیز الحق عمری

ایک مقولہ ہے " قدر نعمت بعد زوال نعمت " محدث مبارکپوری کے سلسلے میں یہ مقولہ اگرچہ بتمامہ درست نہیں ہے کیونکہ بفضلہ تعالی آپ ہمیشہ عوام اور علماء کے لئے معتمد علیہ اور قابل احترام رہے پھر بھی مرعاۃ المفاتیح کی تکمیل سے پہلے آپ کی وفات ہمیشہ اس عظیم نعمت کو ہمارے ذہنوں میں نقش رکھے گی جسے عالم اسلام نے ۴ جنوری ۱۹۹۴ء کو سویرے ۵۵-۵ پر کھو دیا - إنا لله وإنا إليه راجعون اور بعد نماز مغرب بدست لرزاں جسے آغوش رحمت کے سپرد کر دیا گیا غفر الله له وبرد مضجعه -

محدث مبارکپوری کی دفات ہند وپاک میں علم حدیث کا ایک زبر دست حادثہ ہے جسے بآسانی برداشت نہیں کیا جا سکتا لیکن رضا بقضاء ایک مومن کی شان ہے جو ہمیں صبر کرنے پر آمادہ کرتی ہے -

مبارکپور سرزمین کا وہ چپہ ہے جسے سید نذیر حسین محدث دہلوی رحمہ اللہ علیہ کے ترکہ کا بڑا حصہ ملا اور محدث مبارکپوری ابو الحسن عبید اللہ رحمانی " نے اسے تا حیات زندہ رکھا، آپ نے سید نذیر حسین محدث دہلوی سے راست استفادہ تو نہیں کیا لیکن ان کے شاگردوں علامہ احمد اللہ محدث پرتاب گڈھی اور علامہ عبد الرحمن صاحب محدث مبارکپوری صاحب تحفہ الاحوذی سے علم حدیث میں استفادہ کر کے اس سلسلتہ الذہب کی زینت بن گئے اور اپنے استاذ صاحب تحفہ الاحوذی کے نقش قدم پر چلتے ہوئے مرعاۃ المفاتیح جیسی ایک مستند و معتمد علیہ کتاب کا آغاز کیا لیکن کتاب البیوع تک اس کی ۹ / ضخیم جلدوں تک کام ہو سکا تھا کہ وقت موعود آ پہنچا اور ہند وپاک میں علم حدیث کا ایک دور پورا ہو گیا -

ایک مستند محدث اور عالم دین

محدث مبارکپوری کی مرعاۃ المفاتیح جس کی ابتداء آپ نے ۱۹۴۸ء میں کی ، مشکوۃ کی

شرحوں میں سب سے بسیط اور مدلل ہے جسے پڑھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ آپ نے کتنی محنت وجانفشانی اور وقت نظر سے اس کے ایک ایک رموز اور اہم مسائل پر بحث کی ہے اور کسی گوشے کو تشنہ نہیں چھوڑا ہے۔ ۹ / جلدوں میں یہ کتاب آپ کی محدثانہ شان اور فن حدیث میں کمال کا زندہ و مستند ثبوت ہے۔ لیکن حیرت تو یہ ہے کہ مرعاۃ المفاتیح کی تالیف کے ساتھ ہی روزانہ آپ کے پاس مختلف مسائل پر استفتاء آیا کرتے تھے اور آپ سبھی کا مدلل جواب دیا کرتے تھے۔ استفتاء کا جواب دینے میں آپ عموما بہت سے متعلقہ مسائل بھی حل کر دیا کرتے تھے جو اس ضمن میں پیدا ہو سکتے ہوں ایک دفعہ میں نے ولادت نبوی ﷺ کے دن روزہ رکھنے کے بارے میں دریافت کیا تو انہوں نے بڑے دلچسپ انداز میں جواب لکھا، اور جب جامعہ سلفیہ کے مجلہ میں تقی الدین ہلالی کا مبسوط مقالہ اس عنوان پر چھپا کہ " عورت کے چہرے کا پردہ نہیں " اور میں نے آپ کو اس سلسلے میں خط لکھا تو آپ نے بڑے ہی درد بھرے انداز میں مجھے جواب لکھا اور علماء اہلحدیث کی آزادی کا ماتم کرتے ہوئے بہت سے ایسے مسائل اور کتابوں کا تذکرہ کیا جو آزادی رائے پر مبنی ہیں اور اس سلسلے میں خصوصیت سے یوسف قرضاوی کی کتاب "اسلام میں حلام وحرام" کا ذکر کیا اور لکھا کہ کون اہلحدیث اس کے تمام مسائل سے اتفاق کر سکتا ہے اسی کے ساتھ یہ بھی لکھا کہ میں چاہتا ہوں کہ کوئی تقی الدین ہلالی کے مقالے کا جواب لکھے۔

دینی غیرت وحمیت

دینی غیرت وحمیت کا یہ عالم تھا کہ دین کے خلاف کوئی رائے یا بات سن کر بے تاب ہو جاتے تھے اور اس پر زبردست تنقید کرتے تھے۔

غالبا ۱۹۸۶ء کی بات ہے کہ اخبار العالم میں علامہ یوسف القرضاوی کا ایک مقالہ نظر سے گذرا جس میں انہوں نے بینک کے سود کے استعمال کا جواز پیدا کیا تھا اور اسے رفاہ عام اور اسپتالوں وغیرہ کی تعمیر میں صرف کر کے عیسائی مشن کا جواب دینے کی رائے دی تھی اور یہ بھی لکھا تھا کہ ایسے شخص کو سود کے روپے سے بچنے کی وجہ سے ثواب بھی ملے گا کہ اسے اپنے لئے استعمال نہ کر کے رفاہ عام اور اسپتالوں وغیرہ کی تعمیر کے لئے دے دیا۔

میں نے محدث مبارکپوری کو اس سلسلے میں ایک خط لکھا لیکن انہوں نے حکیم مولوی عبد الباقی صاحب مئوی کے ذریعہ یہ پیغام بھیجا کہ میں اس کا جواب تفصیل سے دینا چاہتا ہوں فی الحال موقعہ نہیں مل رہا ہے لیکن یہ بتادیں کہ اس میں سائل کا خیال درست ہے ۔

ایک مجلس میں میں نے آپ سے یہ سوال کیا کہ اہلحدیث کا سیاست سے تعلق کیوں نہیں ہے ؟ جس کا جواب انہوں نے ہنس ہنس کر بڑی تفصیل سے دیا اور اس سلسلے میں جمعیت اہلحدیث پاکستان کا بھی تذکرہ کیا۔

جب جامعہ سلفیہ میں دعوت کانفرنس ہوئی تو بچوں کے الہ آباد بورڈ کے امتحان کی وجہ سے میں اس میں شرکت نہیں کر سکا لیکن محدث مبارکپوری کو ایک خط ضرور لکھا کہ جامعہ سلفیہ سے سب سے پہلے اردو اور ہندی ماہنامہ نکالنے کی ضرورت ہے تاکہ مسلم عوام کی رہنمائی کے ساتھ ہی ہندوؤں میں بھی دعوت کا کام کیا جا سکے اور موصوف نے لکھا کہ وہ فی الحال اردو ماہنامہ کے لئے کوشش کر رہے ہیں لیکن ہندی کے بارے میں بعد میں سوچا جائے گا ۔

اہل مئو سے تعلق

محدث مبارکپوری کا تو ہر شخص ہی کے ساتھ شریفانہ برتاؤ ہوا کرتا تھا اور کوئی بھی ایسا نہیں تھا کہ ان سے مل کر بہترین تاثر لے کر واپس نہ ہو، لیکن مئو اور اہل مئو سے اور خصوصیت سے آل نعمان کے ساتھ ان کا گہرا تعلق تھا کیونکہ مدرسہ عالیہ میں تعلیم کے دوران آپ مولینا نعمان صاحب " کے ہاں رہتے تھے اور یہ ابتدائی تعلق تاحیات برقرار رہا جس کا ذکر قدرے تفصیل سے میں نے ماہنامہ نوائے اسلام دہلی کے شمارہ نمبر ۲، ۳ میں کیا ہے ۔

مئو اور یہاں کے اداروں اور افراد سے آپ کو قلبی لگاؤ تھا اور جب بھی مئو میں آتے تھے اپنے رفقاء سے ملنے کی کوشش ضرور کرتے تھے اور اگر مئو کا کوئی شخص مبارکپور میں ملتا تو اس سے ان کی خیریت ضرور پوچھتے ۔

آل نعمان کے تعلق سے اس بات کا تذکرہ بے محل نہ ہوگا کہ محدث مبارکپوری مدرسہ عالیہ میں تعلیم کے دوران عموماً بچوں کے ساتھ کھیلتے ہوئے باغوں تک پہنچتے تھے پھر جیسا کہ بچوں کی عادت

ہوتی ہے آم اور جامن کے درخت پر ڈھیلے چلنے لگتے تھے ، ایک دفعہ آپ اپنے ساتھیوں کے ساتھ مل کر کسی آم یا جامن کے درخت پر ڈھیلے پتھر برسا رہے تھے کہ ان کا پتھر اتفاقیہ مولانا نعمان صاحب کے صاحبزادے مولانا عبد السبحان صاحب عمری کو آ لگا جن سے گہرا زخم لگا اور اچھا ہونے کے بعد بھی تا حیات اس کا نشان ان کے رخسار پر رہ گیا ۔ یہ بچپن کی بات ہے لیکن غالبا ۱۹۶۱ء کی بات ہے کہ مولینا عبد السبحان عمری مئو تشریف لائے اور اس دوران اپنے دوست محدث مبارکپوری سے ملنے گئے ، محدث مبارکپوری سلام کرنے کے بعد ان سے لپٹ کر رونے لگے اور فرمایا کہ عبد السبحان مجھے معاف کر دو ، میں جب تمہارے زخم کے نشان دیکھتا ہوں تو مجھے اپنا ظلم یاد آجاتا ہے اور بڑے اصرار کے ساتھ طالب عفو ہوئے جس پر مولینا عبد السبحان صاحب ” نے فرمایا کہ میں نے آپ کو معاف کیا اللہ آپ کو معاف کرے ، تب جا کر آپ کے دل کو سکون ہوا۔

یقیناً یہ محدث مبارکپوری کے تقوی اور خدا ترسی کا بے مثال ثبوت ہے کہ اتنی مدت کے بعد بھی آپ اپنی اس اتفاقیہ لغزش کو فراموش نہیں کر سکے اور جب تک اسے معاف نہیں کرا لیا دل کو سکون نہیں ہوا ۔

سیرت و کردار

فن حدیث میں اپنے اس کمال کے باوجود نہایت سنجیدہ ، ملنسار ، خود شکن اور بڑے مہمان نواز تھے جو بھی چھوٹا یا بڑا شخص آپ کے ہاں جاتا تھا آپ اس کی مہمان نوازی بنفس نفیس کرتے تھے یہاں تک کہ استنجاء کے لئے پانی تک اپنے ہاتھوں سے بھر کر رکھ دیتے تھے اور اس مہمان نوازی میں کسی کے دخل کو پسند نہیں فرماتے تھے ۔

باتیں اتنی میٹھی اور نرم کہ کوئی بھی وہاں جاکر اجنبیت کا کوئی تصور بھی نہیں کر سکتا تھا ۔ ہر شخص کو عزت سے بٹھا کر اس کی باتیں سنتے تھے اور اس کے مسائل حل کر دیا کرتے تھے نہ کوئی تکلف اور نہ برائی کا جذبہ الذین إذا رأوا ذکر اللہ کا بے مثال نمونہ تھے -طاب اللہ ثراہ جعل الجنۃ مثواہ ۔

☆☆☆

محدث ابن محدث

علامہ عبید اللہ ابن علامہ عبد السلام

۱۳۲۷ - ۱۴۱۴ھ - ۱۲۸۹ - ۱۳۴۲ھ

مولانا عزیز الرحمٰن سلفی
استاذ جامعہ سلفیہ بنارس

شیخ الحدیث علامہ عبید اللہ رحمانی مبارکپوری رحمہ اللہ محدث علامہ عبد السلام مبارکپوری رحمہ اللہ کے صاحبزادے تھے ۔ محدث علامہ احمد اللہ پرتاب گڈھی رحمہ اللہ کے شاگرد رشید، محدث عبد الرحمٰن مبارکپوری رحمہ اللہ کے مخصوص پروردہ تھے ۔ آپ ہندوستان کی اس سلسلتہ الذہب کی آخری کڑی تھے جس کا ہر فرد اپنی جگہ محدث ، اور ہر ذرہ اپنی جگہ آفتاب وماہتاب تھا ، اور جو شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ پر پہونچ کر منتہی ہوتا ہے ۔

کریم بن الکریم بن الکریم بن الکریم کی طرح اگر دیکھا جائے تو پورا سلسلہ شیوخ ہی محدث اور یگانہ روزگار نظر آتا ہے ۔ مثل مشہور ہے : "ہونہار بروا کے چکنے چکنے پات" اس محدث کے اندر وہ ساری پسندیدہ صفات موجود تھیں جو کسی شخص کے کمال کے لئے ضروری ہوتی ہیں ۔ علامہ عبد السلام صاحب کی محدثانہ شان کے لئے آپ کی تالیف "سیرۃ البخاری" کافی ہے ، آپ نے اپنے والد صاحب کی ابتداء شاگردی اختیار کی ۔ مزید تکمیل تعلیم کے لئے علامہ احمد اللہ" کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیا جن کو دنیا شیخ الحدیث کے لقب سے جانتی تھی ۔ علامہ عبد الرحمٰن مبارکپوری " کی خدمت میں رہ کر تحقیق وتدقیق کی عملی مشق کی ، جن کی محدثانہ شان کے لئے "تحفتہ الاحوذی" جیسی شہرہ آفاق تصنیف موجود ہے ، اور جس سے پورا عالم اسلام مستفید ہوتا ہے ۔ آپ نے انہی بزرگوں کی روش پر چل کر حدیث کی

خدمت کی، اور " مرعاۃ المفاتیح " کے نام سے دنیا کے سامنے ایسی تالیف چھوڑی جس کی شروح مشکوۃ میں کوئی مثال نظر نہیں آتی۔

لا ہجرۃ بعد الفتح

علامہ ابن خلدون رحمہ اللہ نے اپنے مقدمہ (۳ / ۱۱۴۲) میں تحریر کیا ہے کہ صحیح بخاری کی بہت سی شرحیں منظر عام پر آچکی ہیں ۔ مگر اب تک کوئی ایسی شرح وجود میں نہیں آسکی جو صحیح بخاری کے فنی نکات اور اس کے فقہی دقائق کی کماحقہ توضیح وتشریح نیز اس کے استدلالات کو مکمل طور پر ظاہر کر سکے ۔ صحیح بخاری کی ان صفات کی حامل شرح کے لئے ابھی تک امت مقروض ہے ۔

مگر جب حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کی فتح الباری شرح صحیح بخاری منظر عام پر آئی تو لوگوں نے برجستہ کہا کہ آج اگر علامہ ابن خلدون باحیات ہوتے تو ان کی آنکھیں اس شرح کو دیکھ کر ٹھنڈک حاصل کرتیں، اور ان کو یہ معلوم ہو جاتا کہ امت کے اوپر جو قرض "بقول ان کے" باقی تھا اب فتح الباری کے ذریعہ ادا ہو چکا ۔ چنانچہ علامہ سخاوی رحمہ اللہ نے فتح الباری دیکھ کر فرمایا تھا " اب وہ قرض امت کے ذمہ سے ادا ہو چکا" (التبر المسبوک ص ۲۳۱) اسی لئے امام شوکانی رحمہ اللہ نے فرمایا تھا کہ " لا ہجرۃ بعد الفتح " اب فتح الباری کے بعد کسی اور شرح کی ضرورت نہیں (فہرس الفہارس ۱ / ۲۳۸)

ایک عرصہ دراز سے لوگ " مشکوۃ المصابیح " کے لئے بھی اسی طرح کی شرح کی ضرورت محسوس کر رہے تھے ۔ اس کی جتنی شرحیں اب تک موجود تھیں لوگوں کی تسلی وتشفی کے لئے ناکافی تھیں ۔ علامہ عبید اللہ رحمانی رحمہ اللہ کے رشحات قلم سے مشکوۃ کی جو شرح منظر عام پر آئی ، علماء نے اسے ہاتھوں ہاتھ لیا ۔ اور پکار اٹھے کہ یہ شرح نویں اور دسویں صدی ہجری کی یاد دلاتی ہے ۔ اور یہ وقت کے ابن حجر کے قلم سے نکلی ہے ۔ الغرض مشکوۃ کی یہ شرح اگرچہ نامکمل ہے مگر جتنی کچھ ہے اس میں اسی طرح کے فنی نکات اور توضیحات ہیں جس طرح فتح الباری میں ہیں ۔ اور اب اس کے سامنے کسی اور شرح کی ضرورت باقی نہیں رہ جاتی ۔ اللہ تعالی آپ کی کاوش کا اجر جزیل عنایت فرمائے اور امت کے لئے اسے باعث خیر وبرکت بنائے (آمین)

شیخ الحدیث

گذشتہ زمانے میں محدث کا لفظ کسی ایسے شخص کے لئے استعمال کیا جاتا تھا جو فنون حدیث میں ید طولی رکھتا ہو ۔ شیخ الحدیث شاید ہندوستان کی ایجاد ہے اور نیا بھی معلوم ہوتا ہے ۔ علامہ محدث احمد اللہ پرتاب گڈھی رحمہ اللہ کو لوگ شیخ الحدیث کے لقب سے جانتے اور پکارتے تھے ۔ آپ کے بعد جب علامہ عبید اللہ رحمانی دار الحدیث رحمانیہ دہلی میں مسند تدریس پر جلوہ افروز ہوئے اور آپ کے ذمہ صحیحین کی تدریس تفویض ہوئی ۔ تو آپ کو بھی شیخ الحدیث کے نام سے یاد کیا جانے لگا ۔ اور پھر امت کا دیا ہوا یہ لقب اتنا زبان زد ہوا کہ آپ بر صغیر ہند وپاک وبنگلہ دیش میں صرف شیخ الحدیث کے نام سے مشہور ہو گئے آپ کے نام سے کم ہی لوگوں کو واقفیت تھی مگر شیخ الحدیث کے نام سے گذشتہ پون صدی میں بلا شرکت غیرے آپ ہی کی ذات عالی مرتبت سمجھی جاتی تھی ۔ ممکن ہے کچھ لوگ آپ کی عزت وتکریم کی خاطر آپ کا نام نہ لیتے رہے ہوں ۔

لیکن بعد کے دور میں تو یہ لفظ اتنا عام ہوا کہ ہر چھوٹے بڑے ادارے میں صحیحین کا دور کرانے والے کے لئے یہ لقب استعمال کیا جانے لگا ۔ اس سے قطع نظر کہ اس کے اندر وہ صفات وکمالات ہیں بھی جو شیخ الحدیث کے منصب ولقب کے لئے ضروری ہیں ؟ یا نہیں لیکن پھر بھی ان حضرات کے لئے اس لفظ کا استعمال مخصوص اور محدود پیمانے پر اسی ادارہ کے حدود کے اندر تھا ۔ ہندوستان کے کسی گوشہ میں اگر مطلقا شیخ الحدیث کے لفظ سے کوئی ذات سمجھی جاتی تھی تو وہ علامہ عبیداللہ رحمانی رحمہ اللہ ہی کی ذات تھی ۔

حالانکہ شیخ الحدیث کا لفظ تو صرف ایسے شخص کے لئے زیب دیتا ہے جس کے اندر علمی کمالات ہوں ۔ احادیث کے دقائق پر مکمل نظر رکھتا ہو ۔ اگر اس کی کوئی تحریر نظر سے گذرے تو خود بولے کہ یہ ہے شیخ الحدیث کا قلم ۔ اور جب مسند درس پر جلوہ افروز ہو تو دقائق ونکات کے موتی بکھیرے ۔

علامہ شیخ الحدیث عبید اللہ رحمانی رحمہ اللہ کے علمی وفنی کمالات کے اظہار کے لئے آپ کے باکمال تلامذہ کافی ہیں ۔ جو اب بھی خال خال موجود ہیں ، اور اس زمانے میں جب آپ دار الحدیث رحمانیہ

دہلی میں مسند درس پر صحیحین کی تدریس کے لئے تشریف فرما ہوتے تھے تو بڑے بڑوں سے اپنی وسیع النظری اور تبحر علمی کا جوہر بغیر منوائے تسلیم کرا لیتے تھے۔ مولینا یحیی خاں نوشہروی آپ کے ترجمہ میں رقم فرماتے ہیں :۔

" مولانا ممدوح کو فنون حدیث کے ساتھ خاص ذوق اور مناسبت ہے، اور شرح ترمذی کی تکمیل کے سلسلے میں علامہ عبدالرحمٰن مبارکپوری کی دوسالہ خاص رہنمائی کے باعث تصنیف کا خاص سلیقہ ہوگیا ہے "

یہ تو اس زمانہ کی بات ہے جب آپ کا سن شریف چالیس سال سے بھی کم تھا، اور " مرعاۃ المفاتیح " کا ابھی تک نام ونشان نہ تھا۔ مگر جب " مرعاۃ المفاتیح " سے لوگوں کی نگاہیں مشرف ہوئیں تو پھر " مرعاۃ المفاتیح "کو انسائیکلو پیڈیا اور آپ کی ذات گرامی کو دائرۃ المعارف نیز وقت کا ابن حجر کہا گیا۔ آپ کی تحقیق وتدقیق، توضیح وتشریح، تخریج وتبیین، توفیق وتطبیق کو لا ثانی اور آپ کی تالیف کو مثل فتح الباری سمجھا گیا

شرف باریابی

یوں تو شیخ الحدیث رحمہ اللہ سے میری کوئی زیادہ ملاقات نہ تھی۔ بس دور ہی سے دیکھ کر اپنی نظر کو مشرف کر لیا کرتا تھا۔ اس سلسلے میں کچھ تو میری کم سخنی اور کم آمیزی کی عادت حائل رہی۔ اور بیشتر آپ کا علمی رعب وداب، نیز میری علمی کم مائیگی کا احساس آپ کی خدمت میں حاضری دینے سے مانع رہا۔ جامعہ سلفیہ کے اندر زمانہ طالب علمی میں بنارس آتے جاتے اور حاجی صدیق صاحب مرحوم کے دولت خانہ پر قیام کرتے دیکھتا تھا۔ ایک مرتبہ انجمن ندوۃ الطلبہ کے ایک اجلاس میں بھی تشریف لائے تھے۔ مولانا عبدالوہاب آروی رحمہ اللہ اور علامہ عبدالجید حریری رحمہ اللہ بھی جلوہ افروز تھے۔ اس جلسہ کے صدر مولانا آروی رحمہ اللہ تھے۔ میں نے مولانا آروی کی خدمت میں سپاسنامہ پیش کیا تھا۔ پروگرام کے اختتام پر شیخ الحدیث رحمہ اللہ اور علامہ حریری رحمہ اللہ نے ہم طلبہ کو اپنے پند ونصائح سے نوازا تھا۔ مگر یہ وہ دور تھا جب میرے اندر کسی چیز کے سمجھنے اور ادارک کرنے کی قوت نہ تھی۔ اور نہ ہی وہ ذوق تھا کہ آپ حضرات کے جواہر نایاب کی قدر شناسی کر سکوں۔

جامعہ سلفیہ سے فراغت کے بعد مدرسہ مظہر العلوم اوسان کوئیاں میں میری تدریس کا ابتدائی زمانہ تھا۔ شیخ الحدیث رحمہ اللہ مدرسہ سراج العلوم بونڈھیار تشریف لے گئے تھے، کوئی میٹنگ تھی۔ آپ وہاں کے سرپرست تھے اور آخری سانس تک رہے۔

اس موقعہ پر مولانا عبد القدوس صاحب مرحوم ناظم مدرسہ مظہر العلوم اوسان کوئیاں نے فرمایا کہ شیخ الحدیث صاحب کو اپنے مدرسہ پر لانا چاہئے ۔ اور اس کام کے لئے راقم اور قاری ابو القاسم کو نامزد کیا۔ ہم لوگ مدرسہ سراج العلوم پہونچے ۔ مغرب کے بعد کا وقت تھا ۔ ایک مجلس بیٹھی تھی جس میں ایک نحیف و لاغر جسم کا شیخ جلوہ افروز تھا۔ نہ کوئی نمود و نمائش تھی نہ جبہ و دستار ۔ ایک چٹائی پر سبھی علماء و عوام کی نشست تھی ۔ سوال و جواب چل رہا تھا کوئی کچھ پوچھ رہا تھا کوئی کچھ ۔ اور شیخ صاحب سب کا جواب بڑی سنجیدگی و متانت اور خوش خلقی سے دے رہے تھے ۔ ہم بھی سلام کر کے اسی مجلس میں بیٹھ گئے اور سب کی باتیں سننے لگے ۔ تھوڑی دیر کے بعد یہ معلوم ہوا کہ مدرسہ پر جتنے لوگ ہیں سب کی مع شیخ الحدیث بونڈھیار چچھم مہتو کے یہاں دعوت ہے ۔ جاڑے کا زمانہ تھا، موسم خنک تھا ۔ آپ کے پیر میں موزے نہیں تھے ۔ چلنے کو ہوا تو کئی علماء نے اپنے اپنے موزے اتار کر شیخ کو پہنانے چاہے ۔ یہ جاں نثاری کا منظر پہلی بار نظر میں آیا ۔ مگر آپ نے کسی کے موزے قبول کر کے اس کے پیر کو ننگا کرنا نہ چاہا ۔ اسی طرح پیدل چل کر دعوت کھانے گئے اور واپس تشریف لائے ۔

صبح کو ہم نے اپنا مقصد پیش کیا ۔ شیخ نے منظوری دی اور ہم مدرسہ کی طرف روانہ ہو گئے شیخ الحدیث صاحب کو موٹر سے اتار کر لانے کے لئے ایک بیل گاڑی کا انتظام کیا گیا ۔ دو تین کیلو میٹر آپ بیل گاڑی پر بیٹھ کر چلے، ہم نے مدرسہ پر پہنچ کر آپ کی آمد سے قبل صحن میں چارپائیاں ڈال دی تھیں اور اس پر گدا و تکیہ اور اپنے مقدور کے مطابق بستر لگا دیا تھا ۔ شیخ الحدیث صاحب مع دیگر علماء کے جب قریب پہونچے تو فرمایا : سب لوگ پہونچتے ہی لیٹ جاؤ ۔ سب کے لئے گدا لگا ہوا ہے ۔ گویا آپ نے اس مختصر سے انتظام کو بھی تکلف پر محمول کیا ۔

تھوڑی دیر قیام کرنے اور مدرسہ دیکھنے کے بعد آپ واپسی کے لئے روانہ ہوئے ۔ مبارکپور تک پہونچانے کے لئے قاری ابو القاسم صاحب کو شرف ملا ۔ مبارکپور پہونچا کر قاری صاحب واپس لوٹے

تو اعظم گڈھ بس اسٹینڈ پر کسی کرم فرمانے ان کی صدری کی جیب کاٹ کر صاف کردی ۔
یہ میری پہلی باقاعدہ ملاقات تھی ۔ جس میں آپ کی شخصیت کے بلند مرتبہ کو سمجھنے کا کچھ شعور پیدا ہوا۔

در دولت پر حاضری

آپ کی ذات والا صفات ایسی ذات تھی کہ جس سے ایک بار ملاقات کر لینا ہی بہت بڑی کامیابی اور باعث شرف تھا۔ بلاد عرب وعجم کے زائرین کا ہندوستان آمد کے مقاصد میں سے ایک عظیم مقصد آپ کی زیارت بھی ہوا کرتا تھا۔ یہاں آکر دیگر ضروریات کی تکمیل ہو یا نہ ہو مگر اس ضرورت کی تکمیل کو آدمی اپنے لئے باعث سعادت سمجھتا تھا۔ ادھر اس مرجع خلائق شخصیت کا دروازہ سب کے لئے مفتوح تھا۔ یہاں نہ وقت کی پابندی تھی ، نہ کوئی چوکیدار وپہریدار تھا۔ نہ دروازہ پر ملاقات کے اوقات رقم تھے ۔ ملاقاتیوں کے لئے کوئی باری نہ تھی ، جو چاہے ، جب چاہے ، اور جتنے لوگ چاہیں شیخ کی زیارت کر سکتے تھے ۔ سب اس کے اپنے تھے ۔ کوئی غیر نہ تھا۔

پہلی بار جب مجھے آپ کے در دولت علم پر حاضری کا شرف حاصل ہوا تو میں جامعہ سلفیہ کے سابق ناظم مولینا عبد الوحید رحمہ اللہ اور شیخ الجامعہ ووکیل الجامعہ حفظہما اللہ کے ساتھ تھا۔ سب کا سفر بانسی (ضلع سدھارتھ نگر) کی ایک کانفرنس کے لئے تھا۔ مگر راستہ میں آپ سے ملاقات کر لینا بھی ایک اہم مقصد تھا۔ ان حضرات کے آپ کے گھر میں داخل ہونے اور سلام وخیریت دریافت کرنے کے بعد جو منظر دیکھا وہ اب تک یاد ہے ۔ شیخ الحدیث رحمہ اللہ اپنے بچوں اور پوتوں کی موجودگی میں اپنی لاغری ، نحیفی اور حد درجہ ضعیفی کے باوجود اسٹول اٹھا رہے ہیں ۔ مٹھائی کی پلیٹیں رکھ رہے ۔ پانی نکال کر سب کو دے رہے ہیں ۔ آپ کے علمی رعب کے آگے کسی کی کیا مجال کہ ایک لفظ بھی بول سکے ۔ میرے دل میں بہت خواہش ہوئی کہ کسی چیز میں ہاتھ بٹاؤں مگر جرأت نہ ہو سکی ۔ یہ سب دیکھ کر دل اتنا متاثر ہوا کہ بیان نہیں کیا جاسکتا ۔ دل سے اب تک مرحوم کے لئے دعائیں نکلتی ہیں اور اپنے لئے بھی کہ اللہ تعالیٰ آپ کی ان صفات حسنہ کے سویں بلکہ ہزارویں حصہ کے ذریعہ مجھ ناچیز کو بھی مزین کردے ، آمین۔

دل تمہارا ہو گیا

شیخ الحدیث صاحب کے یہاں آپ کی ہزار علمی مشغولیات کے باوجود ملاقاتیوں ، مستفتیان ، اور دیگر مقاصد کے تحت زائرین کا تانتا بندھا رہتا تھا۔ آپ ہر کہ ومہ ، دولت مند وغریب ، علماء وعوام سب کے ساتھ ایک طرح کا سلوک کرتے ، سب کو اپنی بان کی چارپائی پر یا اسی دری وچٹائی پر بیٹھاتے جس پر خود جلوہ افروز ہو کر تحقیق وتدقیق کے جواہر صفحہ قرطاس پر رولتے تھے ۔کسی کی کوئی تمیز نہ تھی ۔ ہر چھوٹے بڑے مہمان کے آگے پانی رکھنا ، کھانا کھلانا ، اس کے آرام کا انتظام کرنا ، چارپائی اٹھانا ، بستر بچھانا ، وضو اور غسل کے لئے کنویں سے پانی نکالنا اور مہمان کے سامنے پیش کرنا ، یہ سارے کام خود آپ ہی اپنے نحیف وlاغر اور کمزور ہاتھوں سے کرتے ۔ اس کی ضرورت بڑی کشادہ روئی سے سنتے اور پھر جواب سے اس کی تسلی وتشفی کر دیتے۔ رخصت ہونے کے وقت دور تک اسے رخصت کرنے آتے۔ آپ کی تواضع وخاکساری ، خوش طبعی وملنساری اور ضیافت وخوش خلقی کو دیکھ کر دل پر حد درجہ تاثر پیدا ہوتا اور ہر شخص اپنے طور پر یہ سمجھتا کہ میرے ساتھ خصوصی توجہ فرمائی ہے۔ حالانکہ ہر ایک کے ساتھ آپ کا سلوک ایک طرح کا ہوتا تھا۔ اسی تاثر کے پیش نظر بہت سے لوگوں سے یہ کہتے سنا جاتا ہے کہ شیخ الحدیث کے میرے ساتھ خصوصی تعلقات تھے۔ یہ غیر امتیازانہ سلوک اور آپ کی خوش خلقی کا نتیجہ تھا کہ ہر شخص خود کو آپ سے قریب تر ، اور خود سے آپ کو قریب تر سمجھتا تھا۔

تلامذہ پر اثر

اساتذہ کے عادات واطوار کا طلبہ پر بڑا اثر ہوتا ہے۔ عام طور پر یہ دیکھا جاتا ہے کہ جیسا باپ ہوتا ہے بیٹا بھی اسی طرح کا ہوتا ہے۔ اور جیسا استاذ ہوتا ہے شاگرد بھی عموما اسی طرح کے اخلاق کا حامل ہوتا ہے۔ آپ کے جو تلامذہ میری نظر میں ہیں ان کے اندر آپ ہی کی طرح خوش خلقی کا جوہر نمایاں ہے ۔ ان میں بعض شخصیتیں دار آخرت کو سدھار چکیں اور بعض ابھی حیات رہ کر لوگوں کے لئے اسوہ وقدوہ ہیں ۔ "فمنهم من قضى نحبه ومنهم من ينتظر "۔

یوں تو آپ سنت کے شیدائی ، شریعت کے پختہ عالم اور عامل ، قرآن وسنت کے سانچے میں آپ

کا سراپا ڈھلا ہوا تھا، کون کون سی خوبیاں آپ کے اندر تھیں۔ نہ مجھ جیسا کم نظر اسے دیکھ سکتا ہے، اور نہ مجھ جیسا کم مایہ اسے احاطہ تحریر میں لا سکتا ہے۔

ایک بار آپ جامعہ سلفیہ تشریف لائے۔ ان دنوں مولانا عبد المعید صاحب رحمتہ اللہ علیہ زیادہ بیمار تھے۔ اور آپ کی زندگی کا بالکل آخری دور اور عمر کا آخری حصہ تھا۔ اس لئے اکثر وبیشتر بستر ہی پر لیٹے رہتے۔ نقاہت آخری مرحلہ کو پہونچ چکی تھی۔ کبھی میں خود دیکھنے آپ کو چلا جاتا اور کبھی ضرورت پر مجھے بلوا لیتے۔ شیخ الحدیث صاحب کو ان کی بیماری کی خبر ملی تو فورا آپ کے کمرے کی طرف روانہ ہو گئے۔ میں بھی پیچھے چل پڑا۔ وہیں استادی اور شاگردی کی ادنی سی نسبت کا منظر کمال دیکھنے کو ملا۔ مجھے معلوم نہیں کہ مولانا عبد المعید صاحب کس طرح شیخ صاحب کے شاگرد تھے ؟ کون سی کتاب پڑھی تھی ؟ لیکن اس وقت وہ تقریبا فریش تھے اور شیخ صاحب ان کی بہ نسبت تندرست تھے۔ شیخ صاحب جوں سلام کر کے کمرے میں داخل ہوئے آواز سنتے ہی مولانا چارپائی سے سرک کر نیچے بیٹھ گئے۔ شیخ صاحب نے لاکھ کہا آپ کو تکلیف ہوگی آپ بستر پر لیٹ جائیں یا بیٹھ جائیں۔ مگر جب تک شیخ الحدیث صاحب موجود رہے مولانا چارپائی پر نہ بیٹھے۔ اس استاذی کی تکریم اور شاگردی کی ملاطفت کو میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا اور دونوں کے طرز عمل پر عش عش کر کے رہ گیا۔ یہی خصوصیتیں تھیں جن کی وجہ سے مولانا عبد المعید رحمتہ اللہ علیہ وقت کے رازی وفارابی ہو کر طلبہ کی نظر میں محبوب ہوئے اور شیخ الحدیث رحمتہ اللہ علیہ وقت کے ابن حجر بن کر مرجع خلائق ہوئے۔

تعجب اور مسرت

۱۹۷۸ء میں جب میرا تقرر جامعہ سلفیہ میں بحیثیت مدرس ہوا تو یہاں کے ایک مشفق وکرم فرما استاذ کی فرمائش اور رہنمائی میں ایک مقالہ بعنوان " دعا کے آداب واحکام " عربی میں لکھا۔ اس مقالہ کا اصل مبحث " فرض نماز کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا " تھا۔ میں نے اس مقالہ میں یہ ثابت کرنے کی کوشش کی تھی کہ یہ چیز شریعت سے ثابت نہیں ہے۔ یہ مقالہ ۱۹۸۰ء - ۱۹۸۱ء کے " مجلۃ الجامعۃ السلفیہ " کے سات شماروں میں شائع ہوا تھا۔ اور پھر بعد میں اردو کا جامہ پہنا کر جامعہ سلفیہ کے ادارۃ

البحوث نے شائع کیا ، فللہ الحمد۔

اس مقالہ کے شائع ہونے اور اختتام کو پہونچنے کے بعد ایک بار جامعہ سلفیہ کی کسی دعوت پر شیخ الحدیث رحمہ اللہ جامعہ تشریف لائے ۔ مغرب کی نماز ادا کرنے کے بعد آپ دار الضیافہ کے اندر اپنی آرام گاہ میں تشریف لائے ۔ میں بھی مسجد سے نکل کر ملاقات کا شرف حاصل کرنے پہونچا۔ سلام اور خیریت کے بعد شیخ الحدیث رحمہ اللہ نے فرمایا : " آپ کے مقالہ کی ساری قسطیں میں نے پڑھیں ، ابھی آپ کا مقالہ غیر محقق ہے "

میں ان جملوں کو سن کر ایک طرف حیرت واستعجاب کے سمندر میں ڈوب گیا۔ تو دوسری جانب فرط شادمانی سے مسرت کے بحر بیکراں میں غوطے کھانے لگا۔

مسرت اس بات پر تھی کہ وقت کے محدث نے مجھ جیسے خام آدمی کی ناقص تحریر پڑھی ۔ وہ تحریر جس کا ہر ہر لفظ ناقص تھا۔

اور تعجب اس بات پر کہ مجھ جیسے ہیچ مداں اور کم مایہ علم کی تحریر بھی شیخ کی نظر سے ضرور گذر جاتی ہے ۔

سنبھل کے رکھیو قدم دشت خار میں مجنوں

اور یہ ایک حقیقت ہے کہ آج بھی جب شیخ کے ان چھوٹے چھوٹے دو جملوں کا خیال آتا ہے تو اسی طرح کی متضاد دونوں کیفیتیں دل پر طاری ہوتی ہیں ، اور دیر تک ان جملوں کی مٹھاس محسوس کیا کرتا ہوں۔

بعد میں ۱۹۸۲ء کے محدث میں اسی موضوع پر آپ کا ایک فتوی شائع ہوا جسے آپ نے کشمیر کے ایک مستفتی کے جواب میں تحریر کیا تھا ۔ یہ فتوی محدث کے دس صفحات پر پھیلا ہوا ہے۔ آپ نے اپنے ستھرے اور سلیس وفصیح انداز میں "بعد نماز فرض ہاتھ اٹھاکر دعا کرنے کے جواز اور امام ومقتدی کے التزام کے عدم ثبوت کو" بڑے مدلل طور پر اور تحقیق وتدقیق کے ساتھ ثابت کیا ہے ، وہ تحریر دیکھ کر سمجھ میں آیا کہ تحقیق وتدقیق کس چیز کا نام ہے ۔ مگر وہ وقت کے محدث کی تحریر ، محدث کا قلم اور محدث کی زبان تھی ۔

یہ رتبہ بلند ملا جس کو مل گیا۔

ایک مکتوب گرامی

علامہ عبد السلام مبارکپوری رحمہ اللہ کی گراں قدر تالیف " سیرۃ البخاری " کے دو ایڈیشن بہت پہلے طبع ہو کر ختم ہو چکے تھے ۔ مگر باہر کی دنیا اس اہم تالیف کی قدر سے نا آشنا تھی ۔ جامعہ سلفیہ نے ایک طرف تو اس کا انگریزی ایڈیشن شائع کیا ۔ دوسری طرف ڈاکٹر عبد العلیم سلفی مدنی حفظہ اللہ نے اس کا عربی میں ترجمہ کیا اور جامعہ کو بلا کسی معاوضہ کے شائع کرنے کے لئے دیا ۔ اس کی تحقیق اور اصول کی طرف مراجعہ کی ضرورت تھی ۔ یہ کام ادارۃ البحوث کے ذمہ داروں نے میرے سپرد کیا ، اسی مراجعہ کے دوران پہلی مرتبہ سیرۃ البخاری بغور دیکھی ۔ تو ان علماء کا قول سمجھ میں آیا کہ " سیرۃ البخاری " امام بخاری کی سیرت اور ان کی جامع کی خصوصیات ، توضیح وتشریح پر بے مثال تصنیف ہے ۔ اور اس موضوع پر اس معیار کی کوئی دوسری تالیف آج تک منصۂ شہود پر نہیں آئی ۔

بہر کیف یہ کام مکمل ہوا ، اور ۱۹۸۶ء میں یہ کتاب عربی کا جامہ پہن کر منظر عام پر آئی ۔ دل میں خیال آیا کہ اس کے دو نسخے شیخ الحدیث صاحب کی خدمت میں لے چل کر پیش کروں ۔ اغلاط کی نشاندہی بھی ہو جائے گی اور کچھ دعائیں بھی لیتا آؤں گا ۔ مگر اپنے احساس مرعوبیت اور بعض دیگر وجوہ کی بنا پر میں خود شیخ کی خدمت میں حاضر نہ ہو سکا ۔ اس وقت برادرم ازہر بن عبد الرحمٰن جامعہ میں زیر تعلیم تھے ۔ انہی کے بدست سیرۃ البخاری کے دو نسخے شیخ کی خدمت میں ارسال کئے اور ساتھ ہی ایک خط بھی ، جس میں یہ تحریر کیا تھا کہ " اس کتاب کا عربی ایڈیشن ملاحظہ فرمائیں اور تحقیق ومراجعہ کی خامیوں کی طرف رہنمائی فرمائیں تاکہ آئندہ ایڈیشن میں درست کر لی جائیں " خیال تھا کہ کچھ نہ کچھ دعائیں تو ضرور ہی مل جائیں گی ۔

تعطیل کے بعد جب مولوی ازہر صاحب جامعہ پہونچے تو مجھے ایک ملفوف پیش کیا میں نے سر آنکھوں پر لگایا ۔ اور دل کی دھڑکنوں پر قابو پاکر خوف وخوشی کے ملے جلے جذبات سے ، کانپتی انگلیوں سے لفافہ چاک کیا اور جلدی جلدی تحریر پڑھنے لگا ۔ لکھا تھا :-

" عزیز مکرم جناب مولانا عزیز الرحمٰن صاحب حفظہ اللہ تعالیٰ وبارک لہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کا مرسلہ لفافہ اور اس کے ساتھ سیرۃ البخاری (عربی) کے دو نسخے عزیزم ازہر سلمہ کے بدست مل گئے تھے۔ خیریت پر اطلاع پاکر خوشی ہوئی۔ امید ہے آپ اور جملہ بیرونی اساتذہ وطلبہ آج سنیچر ۲۳ ذی الحجہ ۱۴۰۶ھ مطابق ۳۰ اگست ۱۹۸۶ء کو جامعہ میں پہونچ جائیں گے۔ مولانا محمد عابد صاحب تو پرسوں جمعرات ۲۸ اگست کو ہی پہونچے ہوں گے۔

عید الاضحیٰ کی چھٹی میں آپ اور دوسرے اساتذہ جب اپنے گھروں پر پہونچے ہوں گے تو ان شاء اللہ سب نے اپنے اہل وعیال کو بخیر وعافیت پایا ہوگا۔ اللہ تعالیٰ آپ سب لوگوں کو مع اہل وعیال ہر طرح مطمئن اور پرسکون وخوش وخرم رکھے، آمین۔

مولوی عبد الرحمٰن سلمہ اور مولوی صفی الرحمٰن صاحب ۲۷/ اگست کو کسی وقت بنارس پہونچے ہوں گے اور دو بجے شب میں سیالدہ جموں اکسپریس سے کشمیر روانہ ہو گئے ہوں گے۔ جس کی اطلاع آپ کو بنارس جامعہ میں پہونچنے کے بعد مل گئی ہوگی۔ غالبا دونوں صاحبان ۴، ۵/ ستمبر تک بنارس واپس پہونچ جائیں گے۔ حفظہما اللہ ذھابا وایابا۔

اپنی بصری اور عام جسمانی کمزوری کی وجہ سے اب تک سیرۃ البخاری بغور اطمینان سے پڑھنے کا موقع نہیں مل سکا صرف سرسری طور پر بعض بعض مقامات پڑھنے سے اندازہ ہوا کہ جناب مترجم اور آپ نے تحقیق وتعلیق اور مصادر کی طرف مراجعت میں بڑی محنت اور کاوش سے کام لیا ہے، اللہ تعالیٰ آپ سب لوگوں کی اس دینی اور علمی خدمت کو قبول فرمائے اور مجھے اطمینان سے کتاب کے مطالعہ کی توفیق بخشے، ان شاء اللہ آئندہ اپنے تاثرات سے آپ کو مطلع کرنے کی کوشش کروں گا۔

محترم جناب ناظم صاحب عافاہ اللہ تعالیٰ کے کوائف وحالات جامعہ سے آنے والوں کی زبانی معلوم ہوتے رہتے ہیں۔ مجھے سخت ندامت اور افسوس ہے کہ میں موصوف کی عیادت کے لئے بنارس نہیں پہونچ سکا۔ اللہ تعالیٰ میرے عوارض دور فرما کر اتنی قوت اور ہمت عطا کرے کہ میں جلد اور قریبی مدت میں بنارس پہونچ کر ان کی خدمت میں حاضر ہو سکوں، ان کی اور جملہ اساتذہ کرام کی خدمت میں

سلام مسنون عرض ہے۔ فقط والسلام۔

دعاگو : عبید اللہ رحمانی

۲۳ / ۱۲ / ۱۴۰۶ھ - ۳۰ / ۸ / ۱۹۸۶ء

اس خط کی تحریر اگرچہ کسی دوسرے شخص کے ہاتھ کی ہے۔ ممکن ہے ازہر عبد الرحمٰن صاحب نے لکھا ہو اور آپ نے املا کرایا ہو۔ مگر دستخط آپ کے ہاتھ کا ہے۔ اور اس کا ایک ایک حرف خلوص پر مبنی اور ہر لفظ سانچہ میں ڈھلا ہوا ہے۔ یہ گرامی نامہ میرے لئے بڑا قیمتی سرمایہ ہے، یہ میری بصارت کا نور اور باعث سکون دل ہے۔ خدا کرے اس خط میں شیخ نے جو دعا مجھ خاکسار کو اور مترجم حفظہ اللہ کو دی ہے وہ بارگاہ ایزدی میں مقبول ہو، آمین یارب العالمین۔

تالیف

یوں تو کہنے کو صرف آپ کی ایک ہی تالیف ہے اور وہ بھی نامکمل یعنی "مرعاۃ المفاتیح" مگر مرعاۃ المفاتیح کی نو جلدوں کے بجائے اگر صرف ایک جلد ہوتی تو بھی آپ کے زاد آخرت کے لئے کافی تھی۔ یہ نامکمل تالیف وقت کے ابن حجر کے رشحات ہیں۔ جو اپنی گوناگوں خصوصیات کی بنا پر سیکڑوں تالیفات پر بھاری ہیں۔ رہتی دنیا تک لوگ اس سے استفادہ کے محتاج ہوں گے۔ بلاد عرب وعجم کا کوئی مصنف ومحقق اور جامعات کا کوئی استاذ اس نامکمل تالیف سے مستغنی نہیں ہو سکتا۔

دوسری طرف دار الحدیث رحمانیہ دہلی کے زمانہ تدریس سے لیکر آج تک آپ کے جتنے فتاوے مختلف رسالوں مثلا محدث دہلی، مصباح بستی، ترجمان دہلی، اہلحدیث دہلی اور محدث بنارس میں شائع ہوچکے ہیں وہ الگ الگ موضوعات پر مستقل تصنیفات کا درجہ رکھتے ہیں۔ بعض بعض فتاوے دس دس، بیس بیس صفحات پر پھیلے ہوئے ہیں۔ مثلا جہیز، دعا وغیرہ۔ اور جو فتاوی ابھی تک شائع نہیں ہو سکے ان کی تعداد کہیں زیادہ ہے۔

ذمہ داران جامعہ سلفیہ، جماعت اہل حدیث کے امراء وعلماء اور شیخ الحدیث رحمہ اللہ کے فرزندان سے ہماری دردمندانہ گذارش ہے کہ ان سارے فتاوں کو مجموعہ کی شکل میں شائع کریں۔ نیز

نامکمل مرعاۃ کی مرحوم کے منہج تحقیق، تخریج، اور تدقیق کا لحاظ رکھتے ہوئے تکمیل کی کوشش کریں، اللہ تعالی توفیق دے، آمین۔

میں بھی حاضر تھا وہاں

۳ / جنوری ۱۹۹۴ء دو شنبہ کا دن تھا۔ جامعہ سلفیہ میں حسب دستور اسباق جاری تھے۔ سوا گیارہ بجے میں بھی اپنی گھنٹی پڑھا کر نکلا تو یہ پیغام ملا کہ شیخ الجامعہ نے مجھے طلب کیا ہے۔ میں ان کی خدمت میں حاضر ہو کر ابھی بیٹھا تھا، بلائے جانے کا سبب بھی ابھی معلوم نہ کر سکا تھا کہ مولوی عبد اللہ سلفی بنارسی دوڑتے ہوئے آئے اور کہا: "مبارکپور سے ٹیلی فون آیا ہے، شیخ الحدیث صاحب کی طبیعت زیادہ خراب ہے"۔ پھر کیا تھا شیخ الجامعہ اٹھ کھڑے ہوئے اور اپنے آفس میں پہونچ کر ذمہ داران جامعہ سے ٹیلی فون پر رابطہ قائم کیا۔ عیادت کے لئے ناظم اعلی جناب مولانا شاہد جنید سلفی صاحب، مولوی احسن جمیل مدنی صاحب، حافظ محمد عباس، شیخ الجامعہ اور کچھ مدرسین فوری طور پر تیار ہوئے۔ میں نے بھی چلنے کی خواہش ظاہر کی تو مولوی احسن جمیل نے اپنی گاڑی پر مجھے بھی بیٹھا لیا، جامعہ سے نکلنے میں دونوں گاڑیوں کے مابین تھوڑا سا فرق ہو گیا اس لئے ناظم صاحب وغیرہ پہلے پہونچ گئے اور ہم لوگوں کی گاڑی ایک گھنٹہ تاخیر سے پہونچی۔ سب سے پہلے شیخ الحدیث صاحب کی زیارت وعیادت کی گئی۔ مولانا عبد الرحمان رحمانی حفظہ اللہ نے سب کا نام لے لے کر بتایا اور سب کا سلام کہا۔ بڑی نحیف سی آواز میں شیخ صاحب نے جواب دیا جسے ہم سب نے سنا، پھر عصر کی نماز ادا کی گئی۔ ناظم صاحب وغیرہ بنارس واپسی کے لئے روانہ ہو گئے اور ہم لوگ چونکہ تاخیر سے پہونچے تھے اس لئے کچھ دیر کے لئے ٹھہر گئے۔ جامعہ اثریہ دار الحدیث مئو کی گاڑی بھی پہونچی جس میں وہاں کے شیخ الجامعہ برادر مکرم مولانا محمد احمد اثری، مولوی عبد الشکور صاحب وغیرہ تھے۔ جو عیادت کی ہی غرض سے آئے تھے۔ مغرب کی نماز ادا کی گئی کسی نے مسجد ہی میں چائے پلائی، پھر ہم لوگ بنارس واپسی کی غرض سے اٹھ کھڑے ہوئے اس وقت میں نے خواہش ظاہر کی کہ شیخ الحدیث صاحب کا چہرہ نورانی ایک بار اور دیکھ لیا جائے میری بات سب کے دل کی بات تھی، منظور ہوئی، خواتین کو ہٹا کر ہم لوگوں کو اندر بلایا گیا۔ دار الحدیث کے اساتذہ واراکین، اور

جامعہ سلفیہ بنارس کے ہم لوگ جب اندر چارپائی کے پاس پہونچے تو پورا کمرہ بھر گیا ، ہر شخص آپ کا منور چہرہ ایک ٹک دیکھ رہا تھا وہی لاغر ونحیف جسم کہ اگر چادر ڈال دی جائے تو یہ نہ معلوم ہو کہ چارپائی پر کوئی ہے بھی ؟ وہی کشادہ پیشانی ، وہی نورانی چہرہ ، کہ دیکھ کر خدا یاد آئے ۔ آنکھیں بالکل کھلی ، چھت کی طرف لگی ہوئی ۔ لگتا ہے زبان حال سے "اللھم الرفیق الاعلی" کہہ کر داغ مفارقت کی خبر دے رہی ہیں ۔

ہمارے کارواں کے بزرگ ساتھی حافظ محمد عباس صاحب جو شیخ الحدیث صاحب کے دیرینہ ساتھیوں میں سے تھے اور کافی بے تکلف رہ چکے تھے ۔ سرہانے کی طرف کھڑے تھے ۔ انھوں نے جھک کر چہرہ دیکھا اور سر پر ہاتھ رکھ کر کہا " شیخ صاحب ! ہم بنارس کے محمد عباس بول رہے ہیں " اور پھر وہ بے اختیار وبے قابو ہو کر زور زور سے رونے لگے ۔ آنسوؤں کا بندھ ٹوٹنے کے لئے ادنی سے اشارے کی ضرورت تھی ۔ پھر کیا تھا ، سبھی لوگوں کی آنکھوں سے آنسوؤں کا سیلاب بہہ پڑا اور بعض تو ہچکیاں لے لے کر رونے لگے ۔ بڑی مشکل سے ہر ایک نے دوسرے کو اور خاص طور سے حافظ محمد عباس کو چپ کرایا ۔ اس طرح آخری دیدار کر کے اور آنسوؤں کا نذرانہ عقیدت نذر کر کے ہم بنارس لوٹے ، اور ساڑھے گیارہ بجے بنارس جامعہ پہونچے ۔

عالم وارفتگی

۵ / جنوری ۱۹۹۴ ء چہار شنبہ کی صبح ابھی فجر کی نماز ادا کر کے لوگ مسجدوں سے نکلے ہی تھے کہ " وقعت الواقعہ " کی خبر بذریعہ ٹیلی فون موصول ہوئی ۔ پھر تو سارا جامعہ اور اساتذہ کا اسٹاف شیخ الجامعہ کے آفس میں جمع ہو گیا ۔ دونوں ٹیلی فون کام میں لگ گئے ۔ عتیق انصاری صاحب تشریف لائے اور ٹیلی فون پر ایکسچینج والوں سے یہ کہا کہ جامعہ سلفیہ کے پریسیڈنٹ کا انتقال ہو گیا ہے یہ لوگ جتنے نمبر اور جتنی کال مانگیں فورا ملانے کی کوشش کریں ۔ اس طرح دہلی ، بمبئی ، میرٹھ ، دربھنگہ ، پٹنہ ، بستی ، سدھارتھ نگر ، نیپال ، یعنی ہندوستان اور بیرون ہند ٹیلی فون پر رابطے قائم کئے گئے اور یہ الم ناک خبر سنائی گئی ۔ جس نے بھی یہ اندوہناک خبر سنی ، ہوش کھو بیٹھا ۔

جامعہ سلفیہ کے اونچی جماعت کے طلبہ اور اساتذہ کے لئے دو بڑی بسیں ریزرو کی گئیں ۔ کوٹھی

والے اپنی اپنی موٹروں پر روانہ ہوئے۔ جمعیتہ الشبان نے الگ موٹر کرایہ پر لی، جلالی پورہ والوں نے الگ موٹر کا انتظام کیا۔ ہماری بسیں دو بجے روانہ ہوئیں۔ سب کا سمت سفر ایک، منزل ایک اور مقصد ایک تھا۔ "حشر کی دھوم ہے سب کہتے ہیں یوں ہے یوں ہے"

ہماری بس تقریبا ۶ بجے مبارک پور پہونچی، بس سے اترے تو دیکھا سڑک پر انسانوں کا ایک لامتناہی ہجوم ہے۔ اور سب عید گاہ میں گھسے جارہے ہیں۔ معلوم ہوا جنازہ جارہا ہے ہم بھی ایک دوسرے راستے سے عید گاہ کے پیچھے ایک بہت بڑے میدان میں پہونچے، حد نظر تک آگے، پیچھے، دائیں، بائیں انسانوں کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر، اتنا بڑا مجمع کاہے کو کسی کے جنازہ میں دیکھا ہوگا۔ بالکل "تری الناس سکاری" کا منظر ہے۔ اس مجمع میں طلبہ بھی ہیں اور اساتذہ بھی، مخملیں فرشوں پر چلنے والے امراء اور پھونس کی جھونپڑیوں میں رہنے والے فقراء بھی، مبارک پور کی سڑکیں موٹر گاڑیوں سے بھری ہوئی اور عید گاہ اور اس کے پیچھے کا میدان انسانوں کے ہجوم سے۔ اس بھیڑ میں وہ لوگ بھی ہیں جو لاٹھی ٹیکتے پہونچے ہیں، بعض وہ ہیں جو ضعف بصارت سے مجبور دوسروں کا ہاتھ تھامے آئے ہیں۔ اس میں وہ معمر، مریض، کبیر السن بوڑھے بھی ہیں جو اپنے عصائے پیری (لڑکوں) کو ہمراہ لیکر پہونچے ہیں۔ اس میں آپ کے وہ تلامذہ بھی ہیں جو خود بھی عمر کی اس منزل میں ہیں کہ ضعف بصارت لاحق ہے، مریض ہیں، عمر کی وہ منزل ہے کہ ٹھیک سے کھڑے نہیں ہو سکتے، چند قدم سے زیادہ چل نہیں سکتے۔ کل ابھی بیماری کی خبر پاکر عیادت کی غرض سے حاضر ہوئے تھے، ابھی رات کو واپس ہوئے، صبح گھر پہونچے، ابھی گھر میں قدم رکھا ہی تھا کہ شیخ کی وفات کی خبر مل گئی، پھر اسی گرد سفر کے ساتھ جنازہ میں شرکت کی غرض سے چل پڑے۔ ہائے رے محبوبیت! اور واہ رے شیدائیان شیخ۔

سچ کہا تھا ہارون رشید کی ایک حرم نے، محدث کبیر عبد اللہ بن مبارک کے شیدائیوں کا بے پناہ ہجوم دیکھ کر، جو انہیں صرف ایک نظر دیکھ لینے کے لئے اکٹھا ہوا تھا:۔

" حکومت تو در اصل یہ ہے، جو انسانوں کے دلوں پر قائم ہوتی ہے، ہارون رشید کی حکومت بھی کوئی حکومت ہے کہ بغیر پولیس اور فوج کے ایک آدمی بھی دربار میں حاضر ہونا گوارا نہ کرے"۔

بنارس سے جب ہمارا کارواں روانہ ہوا تھا تو ایک کویتی نوجوان کو جو ہندو یونیورسٹی میں

انجینیرنگ کالج کا طالب علم ہے۔ دل گی میں بیٹھا لیا گیا تھا۔ وہ جامعہ سلفیہ برابر آتا جاتا رہتا ہے اس ہجوم میں پہونچنے کے بعد ہر شخص اپنے ساتھی کا ہاتھ تھامے ہوئے یا نظر میں برار رکھے ہوئے تھا، مبادا ساتھ چھوٹ جائے اور ہم میں سے کوئی بھٹک کر رہ نہ جائے۔ مگر یہ خدا کا بندہ اور شیخ الحدیث کا سچا شیدائی معلوم نہیں کب ہجوم کو چیرتا پھلانگتا جنازہ تک پہونچ گیا۔ اجنبی ملک، اجنبی لوگ، ایک دیہات نماں قصبہ میں آیا ہے، مگر کوئی پرواہ نہیں، نماز جنازہ کی ادائیگی کے بعد جنازہ اٹھا کر قبرستان لے گیا، تابوت میں لمبے لمبے بانس لگا دیئے گئے تھے تاکہ بیک بار پچاسوں آدمی کندھا لگا کر چل سکیں۔ مگر یہ قوی الجثہ کویتی جس طرف تھا اکیلے تھا۔ اگر کوئی کندھا لگانا چاہتا تو وہ ہاتھ سے اشارہ کر دیتا اور لوگ اس کی جسامت دیکھ کر کترا جاتے۔ قبرستان میں جنازہ پہونچا تو شاید میت کو لحد میں اتارنے کے لئے قبر میں بھی اترا اس لئے کہ واپسی کے وقت جب تلاش بسیار کے بعد ملاقات ہوئی تو اس کے ملبوسات مٹی سے لت پت تھے۔ ایک غریب الدیار کی یہ جرأت اور یہ شیفتگی؟ اس بڑے ہجوم میں تو اگر اتفاقیہ کسی سے ملاقات ہو گئی تو دوبارہ تلاش بسیار کے باوجود بھی نہیں ہو سکی۔ کون کون آیا ہے؟ کہاں سے آیا ہے؟ کچھ معلوم نہیں۔ دہلی، بنارس، بستی، گونڈہ سدھارتھ نگر، فیض آباد، مئو، اعظم گڈھ، نیپال، دربھنگہ، پٹنہ، کہاں کہاں سے لوگ خبر سنتے ہی اپنے محبوب قائد شیخ الحدیث کی نماز جنازہ میں شرکت اور دعائے مغفرت کرنے کے لئے روانہ ہو گئے۔ بعض لوگ نماز جنازہ کے بعد پہونچے۔ اور پھر تو کئی روز تک یہ سلسلہ برابر جاری رہا۔

منتظمین نے بہت کچھ انتظام کر رکھا تھا قبر پر مٹی دینے جانے والوں کے لئے راستہ الگ، واپس ہونے والوں کا الگ بانس لگا لگا کر بنا دیئے گئے تھے۔ اور ہر جگہ افراد متعین تھے۔ مگر اس کے باوجود کتنوں کو چوٹیں آئیں، کتنوں کی ٹوپیاں سر سے گریں اور پھر ملنے کا سوال کیا؟ کتنے چپل اور جوتے ٹوٹے۔ ہم لوگ بھیڑ کی کمی کا انتظار کرتے رہے کچھ کمی دیکھی تو ہم بھی قبر کی جانب چل پڑے۔ مگر اب بھی بھیڑ کچھ اتنی کم نہ تھی کہ بہت زیادہ آسانی ہو۔ قریب پہونچے تو معلوم ہوا کہ اب تک کئی مرتبہ قبر بھر چکی اور پھر مٹی نکال کر باہر کی جا چکی ہے، تاکہ ہر شخص اپنی عقیدت ومحبت کو تین لپ مٹی دے لے۔ ہم بھی بچتے بچاتے قبر پر پہونچے اور شیخ کی تربت پر تین لپ مٹی پھینکتے ہوئے "منها خلقناكم وفيها نعيدكم ومنها نخرجكم تارة أخرى" کا ورد کیا، اور دعا کرنے کے بعد واپسی کے لئے موٹر کی طرف چل پڑے، اس طرح تقریبا ڈھائی بجے رات کو جامعہ سلفیہ بنارس پہونچے، اور دل میں یہ دعا مانگتے رہے کہ خدایا!

مرحوم کی نیکیوں کا ثواب عطا فرما، آمین۔

یاس وقنوط کی گھنی تاریکی میں دعاؤں اور امیدوں کے چراغ

یہ دنیا تو سرائے فانی ہے ہی۔ یہاں سب کو آنا جانا لگا ہوا ہے۔ انبیاء، صلحاء، اولیاء چلے گئے۔ اور جو ہیں ان کو بھی ایک دن جانا ہے، حیی قیوم تو بس ذات خداوندی ہے۔ دائمی بقا صرف اسی کے لئے ہے، مگر یہ بقیۃ السلف، اسلاف کے مسلک الذهب کی آخری کڑی، موجودہ سلفی ملت کا تنہا نگراں اور سارے تشنگان علوم کا ساقی تھا۔ اب امت کی کشتی کا کون محافظ ہوگا۔ اس دن راستہ بھر میں یہی سوچتا رہا۔ طرح طرح کے اوہام وخیالات دل کو پریشان کرتے رہے۔ اور اب بھی وہی خیالات موجزن ہیں۔ کیا کوئی پھر محدث عبید اللہ پیدا ہوگا؟ جو مسند تدریس پر جلوہ افروز ہو تو شیخ الحدیث کہلائے۔ قلم اٹھائے تو محدث، مدقق اور وقت کا ابن حجر کہلائے، لوگ اس سے ملاقات کریں تو کبھی کا دعویٰ ہو کہ یہ میرا ہے، وہ سب کا درد مند ہو، اخلاق فاضلہ کا مالک ہو۔ اپنے تو اپنے، غیر بھی بغیر تعریف کئے نہ رہ سکیں، وہ ملت کا غمگسار، جمعیت کا مربی، مدارس کا سرپرست، جامعہ سلفیہ کا محرک، بانی اور رئیس ہو، جو ذمہ داران جامعہ کی صحیح رہبری کرے۔ کیا پھر کوئی محدث عبید اللہ رحمانی مبارکپوری شیخ الحدیث، مرعاۃ کی تکمیل کرنے والا، اور اسی طرح کی محبوبیت اور اخلاق کریمانہ سے مزین پیدا ہوگا؟ - ابھی تو نہیں لگتا، کوئی موجود تو نہیں، دور دور تک کوئی نظر نہیں آتا - لیکن خدا کی رحمت سے بعید تر بھی نہیں، وما ذلك على الله بعزيز۔

خدایا! مرحوم کو ان کے اعمال حسنہ کا اجر وثواب عطا فرما، اگر بتقاضائے بشریت کوئی بھول چوک ہوئی ہو، تو اسے درگذر فرما، اس لئے کہ معصوم ذات تو صرف انبیاء کی ہے، اور ہر طرح کا کمال تیری ذات کے لئے ہے، اور تجھے ہی زیب دیتا ہے، ہم سب پس ماندگان خاص طور سے مرحوم کے فرزندان کو صبر جمیل کی توفیق مرحمت فرما، اور ہم سب کو ان کی نیک راہ پر چلنے کی ہمت وطاقت دے۔ ذمہ داران جامعہ، اساتذہ اور طلبہ کو ان کے اسوہ پر چلنے، ان کے نیک ارادوں کی تکمیل کے لئے جانفشانی کرنے کی توفیق دے۔ اور اپنی رحمت سے جامعہ سلفیہ کو ایسا رئیس عطا فرما جو اس کو ترقی کی اعلیٰ منزلوں سے ہمکنار کرے۔ ہم سب کو قرآن وسنت کی صحیح راہ پر گامزن رکھ۔ اللهم لاتحرمنا أجره ولاتفتنا بعده' ربنا آتنا في الدنيا حسنة وفي الآخرة حسنة وقنا عذاب النار ' اللهم ربنا تقبل منا انك أنت السميع العليم وتب علينا إنك أنت التواب الرحيم 'وآخر دعوانا أن الحمد لله رب العالمين 'آمين يارب العالمين۔

محدث عصر - مولانا عبید اللہ رحمانی مبارکپوری رح

ڈاکٹر اکبر رحمانی

ہندوستان کے ممتاز عالم دین، فقیہ اور محدث عصر مولانا عبید اللہ رحمانی ۵ / جنوری ۱۹۹۴ء بروز بدھ صبح ۶ بجے اپنے وطن مبارکپور میں انتقال کر گئے۔ گذشتہ سال ان سے ملاقات ہوئی تھی۔ یہ پہلی ملاقات آخری ملاقات ہوگی سوچا تک نہ تھا۔ اب جب بھی انہیں یاد کرتا ہوں تو ان کا نورانی چہرہ آنکھوں کے سامنے گھوم جاتا ہے۔

۲۸ / اکتوبر ۱۹۹۲ء کا دن میرے لئے ہمیشہ یادگار رہے گا۔ اس دن میں نے اپنے ساتھی عبدالرحیم فلاحی کے ساتھ مولانا سے ملاقات کی تھی۔ مولانا کی خدمت سے غائبانہ طور پر متعارف تھا۔ ان کے داماد فاروق اعظمی (پرنسپل اینگلو اردو ہائی اسکول وجونیر کالج جلگاؤں) مرحوم کی شخصیت اور علمی ودینی خدمات کا تذکرہ کرتے رہتے تھے۔ مرحوم ایک بار جلگاؤں میں تشریف لائے تھے۔ سوئے اتفاق سے میری ان سے ملاقات نہ ہو سکی۔ تاہم میرے دل میں ان کے لئے عقیدت واحترام کا جذبہ تھا۔ اور یہی جذبہ مجھے کشاں کشاں مبارکپور ان کے در تک لے گیا۔

اکتوبر ۱۹۹۲ء کے آخری ہفتہ میں جامعہ الفلاح بلریاگنج (ضلع اعظم گڈھ) کے ایک قومی تعلیمی سیمینار میں راقم الحروف کو بھی مدعو کیا گیا تھا۔ جلگاؤں سے روانگی کے وقت ہی میں نے طے کر لیا تھا کہ تاریخی شہر مبارکپور اور جونپور کی زیارت کروں گا اور مولانا شبلی نعمانی کے قائم کردہ ادارہ دار المصنفین میں چند دن مطالعہ میں گزاروں گا۔ جب مقالہ خوانی سے فرصت ملی تو اپنے ایک ساتھی مولانا عبد الرحیم فلاحی کے ساتھ مبارکپور چلا آیا۔

مبارکپور ایک شہر ہی نہیں بلکہ دینی تعلیم کا بڑا مرکز ہے۔ یہاں مسلمانوں کے تین مختلف مسلکوں کے عظیم الشان مدارس ہیں۔ دیوبندیوں کا مدرسہ احیاء العلوم، بریلوی حضرات کا جامعہ اشرفیہ اور

اہلحدیث کا دار التعلیم ۔ اگرچہ مولانا عبید اللہ رحمانی کا تعلق مسلک اہل حدیث سے ہے مگر دیگر مسالک کے لوگ بھی ان سے بے پناہ عقیدت و محبت رکھتے ہیں ۔ غیر مسلم بھی ان کی عزت کرتے ہیں جب ہم نے ایک مسلم دکاندار سے مولانا کے گھر کا پتہ پوچھا تو وہ عقید تا کھڑا ہو گیا اور مولانا کے گھر تک رہنمائی کی ۔ مولانا کے چھوٹے صاحبزادے نے ہمارا استقبال کیا ۔ مولانا سے ہمارا تعارف کرایا ۔ اس وقت مولانا صاحب فراش تھے ۔ روزانہ انہیں گلوکوز کی ایک بوتل چڑہائی جاتی تھی ۔ جس وقت ہم پہنچے گلوکوز کی بوتل لگی ہوئی تھی ۔ اس کے باوجود انہوں نے مسکرا کر ہماری طرف دیکھا ۔ اس وقت ان کے چہرے پر روحانیت کا نور ہی نور بکھرا ہوا تھا ، گلوکوز کی بوتل ختم ہوئی تو وہ ہم لوگوں سے مخاطب ہوئے ۔ جلگاؤں اور مہاراشٹر کے حالات دریافت کئے ۔ راقم کی علمی ، تعلیمی اور سماجی سرگرمیوں کے بارے میں پوچھا ۔ کچھ اس انداز سے گفتگو کی کہ اجنبیت کا پردہ حائل نہ رہا ۔ حالانکہ میری ان سے یہ پہلی ملاقات تھی لیکن گفتگو سے اندازہ ہو رہا تھا کہ وہ راقم کی سرگرمیوں سے غائبانہ طور پر متعارف ہیں ۔ جتنی دیر ان کے سامنے بیٹھا رہا اپنا سر عقیدت سے جھکائے رہا ۔ رخصت ہوتے وقت ان سے دعا کی درخواست کی ۔ یہ میری خوش نصیبی ہے کہ مولانا نے مجھے ڈھیر ساری دعاؤں سے نوازا ۔

ہم نے مولانا کی مختصر لائبریری بھی دیکھی جہاں علم حدیث پر عربی زبان میں سیکڑوں کتابیں تھیں ۔ ان میں مولانا کی عربی زبان میں لکھی ہوئی شرح مشکوۃ شریف کی مختلف جلدیں بھی دیکھیں ۔ مولانا کے دو صاحبزادوں نے ہماری خوب خاطر تواضع کی ۔

مبارکپور سے آنے کے بعد مولانا کی علمی عظمت کو جاننے کی خلش دل میں رہی ۔ دوسرے دن دار المصنفین اعظم گڈھ جانا ہوا تو مولانا ضیاء الدین اصلاحی (مدیر معارف) اور مولانا اطہر مبارکپوری سے ملاقات ہوئی ۔ انہوں نے چند کتابوں کے نام بتائے ۔ لائبریری سے ان کتابوں کو نکلوا کر پڑھا اور مولانا عبید اللہ رحمانی کی شخصیت اور علمی کارناموں کے بارے میں جو معلومات ملی اسے نوٹ کرتا گیا ۔

حالات زندگی

شیخ الحدیث مولانا عبید اللہ رحمانی مبارکپوری نے اپنے حالات زندگی اور تعلیم وتربیت کا حال

مقدمہ مرعاۃ المفاتیح میں بیان کیا ہے ۔ مولانا کا سلسلہ نسب یہ ہے :

"ابو الحسن عبید اللہ بن محمد عبد السلام بن خان محمد بن امان اللہ بن حسام الدین" ۔

آپ ۱۳۲۷ھ کو قصبہ مبارکپور ضلع اعظم گڑھ میں پیدا ہوئے ۔ آپ کے والد مولینا عبد السلام مبارکپوری ایک جید عالم اور علوم شریعت کے ممتاز مدرس تھے اور ملک کے نامور علماء میں ان کا شمار ہوتا تھا۔ ان کی دو کتابیں اب بھی عوام وخواص میں مقبول ہیں ۔ ایک تاریخ المنوال اور دوسری سیرۃ البخاری ۔ سیرت بخاری کا عربی زبان میں ترجمہ ہوا جس سے یہ کتاب عربی دنیا میں متعارف ہوئی۔

تعلیم وتربیت :

آپ نے ابتدائی تعلیم مدرسہ عالیہ مئو ضلع اعظم گڑھ میں حاصل کی ۔ اس کے بعد آپ نے مدرسہ سراج العلوم گونڈہ میں داخلہ لیا جہاں آپ کے والد مدرس تھے ۔ آپ نے نحو ، صرف ، ادب ، فقہ ، منطق ، شرح وقایہ ، مشکوۃ المصابیح ، سراجی ، شرح تہذیب ، شرح شمسیہ المعروف بہ ملا جامی ، دیوان متنبی وغیرہ اپنے والد محترم مولانا عبد السلام صاحب سے پڑھی ۔ اس کے بعد آپ اپنے والد محترم کے ساتھ دار الحدیث رحمانیہ دہلی آ گئے اور اپنی بقیہ تعلیم کی تکمیل یہیں کی ۔ یہاں پر آپ نے بخاری شریف ومسلم شریف موطا امام مالک شیخ احمد اللہ پرتاپ گڑھی سے پڑھی ۔ اس کے علاوہ فلسفہ ومنطق علم کلام وغیرہ میں ہدایہ الحکمہ ، شمس بازغہ ، شرح مسلم ، شرح عقائد نسفیہ ، شرح مواقف ، ہدایہ کی آخری دونوں جلدیں اور تفسیر بیضاوی شیخ یحیی غلام کانپوری سے پڑھی ۔ نور الانوار ، تفسیر جلالین ، جامع ترمذی ، مقامات حریری اور دیوان حماسہ شیخ حافظ عبد الرحمن نگرھسوی سے پڑھی ۔ ہدیہ سعیدیہ سنن ابو داود شیخ ابو طاہر بہاری سے اور مقدمہ ابن خلدون ، شمس بازغہ کا کچھ حصہ شیخ عبد الغفور جیراجپوری سے پڑھا۔ آپ کے دیگر اساتذہ میں شیخ محمد اسحاق آروی ، حافظ محمد گوجرانوالہ اور شیخ عبد الوہاب آروی تھے ۔ ۱۳۴۵ھ میں آپ نے مدرسہ دار الحدیث رحمانیہ سے عالمیت کی سند حاصل کی۔

مولانا کی علم کی پیاس اسی پر نہیں بجھی ۔ مدرسہ کی چھٹی کے ایام میں آپ جامع ترمذی ، مقدمہ ابن صلاح ، شرح نخبتہ الفکر اور سراجی محدث وقت شیخ عبد الرحمن مبارکپوری صاحب تحفتہ الاحوذی

سے پڑھا کرتے تھے۔

کتابوں کی فہرست سے آپ اندازہ کر سکتے ہیں کہ مولانا عبید اللہ رحمانی نے اپنے طالب علمی کے ایام کتنے مصروف اور محنت میں گزارے ہوں گے۔ چنانچہ جس سال مولانا فارغ ہوئے اسی سال دار العلوم رحمانیہ کے مہتمم شیخ عطاء الرحمن نے انہیں مدرسہ میں استاذ کی حیثیت سے مقرر کر دیا۔ اس طرح آپ نے اپنی تدریسی خدمات کا آغاز مدرسہ رحمانیہ دہلی سے کیا۔

تحفۃ الاحوذی شرح جامع ترمذی کی تالیف میں شرکت

محدث عصر مولانا عبد الرحمن مبارکپوری کا اہم علمی کارنامہ تحفۃ الاحوذی ہے جو جامع ترمذی کی شرح ہے۔ یہ شرح پانچ جلدوں پر محیط ہے۔ جب مولانا عبد الرحمن مبارکپوری تحفۃ الاحوذی کی تکمیل میں مصروف تھے آپ کی آنکھوں کی روشنی باقی نہ رہی۔ اس وقت آپ کو ایک ایسے عالم کی ضرورت محسوس ہوئی جو علم حدیث میں گہری نظر رکھتا ہو۔ اس وقت آپ کی نظر انتخاب مولانا عبید اللہ رحمانی پر پڑی۔ شیخ عطاء الرحمن صاحب نے اس عظیم خدمت میں ہاتھ بٹانے کے لئے مولانا عبید اللہ صاحب کو مولانا عبد الرحمن صاحب کے پاس بھیج دیا۔ مولانا عبید اللہ رحمانی کامل دو سال مولانا عبد الرحمن کے پاس ٹھہرے اور ان کے کاموں میں پوری پوری مدد کی۔ آپ تحفۃ الاحوذی کی آخری دو جلدوں کی تالیف میں شریک رہے۔

تدریسی ذمہ داریاں :

جب تحفۃ الاحوذی مکمل ہو گئی تو آپ کو شیخ عطاء الرحمن صاحب نے دار الحدیث رحمانیہ میں تدریسی فرائض انجام کے لئے پھر بلا لیا۔ دار الحدیث رحمانیہ میں آپ ۱۹۴۷ء تک تدریسی فرائض انجام دیتے رہے۔ آپ وہاں جامع ترمذی، سنن ابو داود، بخاری شریف، موطا امام مالک کا درس دیتے تھے۔ اسی کے ساتھ ساتھ فتوی نویسی کے فرائض بھی آپ انجام دیتے تھے۔ ۱۹۴۷ء میں ملک تقسیم ہوا اور اس کے نتائج میں دار الحدیث رحمانیہ بند ہو گیا اس کے بعد مولانا کا تدریسی سلسلہ بھی منقطع ہو گیا۔

علمی خدمات :

آپ کا سب سے اہم علمی کارنامہ مرعاۃ المفاتیح فی شرح مشکوۃ المصابیح ہے جو عربی زبان میں ۹ جلدوں میں شائع ہو چکی ہے ۔ اس عظیم کتاب نے بقول مولانا مختار احمد ندوی " عرب دنیا میں ایک عجمی ہندی عالم کی عظمت اور علم و وقار کا سکہ جما دیا ہے ۔ یہ کتاب اس وقت دنیا کی تمام یونیوسٹیوں میں علم حدیث پر اسٹڈی کرنے والوں کے لئے ضروری قرار دی گئی ہے " ۔

مشکوۃ شریف خطیب عمری تبریزی (متوفی ۷۴۰ ھ) کی مشہور و مقبول جمع کردہ مجموعہ حدیث کا نام ہے ۔ اس کتاب میں اکثر احادیث کتب ستہ کی ہیں ۔ حدیث کی روایت کے بعد جس کتاب سے حدیث کی تخریج ہوئی ہے اس کا نام بھی صاحب مشکوۃ درج کرتے ہیں ۔ اس میں کل ۲۹ کتابیں ۳۲۷ ابواب اور ۱۰۳۸ فصلیں ہیں ۔ مشکوۃ شریف اس درجہ مقبول ہوئی کہ آج ہر جگہ متداول ہے اور بڑے بڑے علماء نے اس کی شرحیں لکھیں ہیں ان ہی شرحوں میں مولانا ادریس کاندھلوی اور مولانا عبید اللہ رحمانی مبارکپوری کی شرحیں کافی مقبول ہیں ۔

مولانا ادریس کاندھلوی کی شرح " التعليق الصحيح على مشكوة المصابيح " میں حنفی نقطہ نظر کو ملحوظ رکھا گیا ہے جبکہ مولانا عبید اللہ رحمانی مبارکپوری کی شرح مرعاة المفاتيح فی شرح مشكوة المصابيح میں اہل حدیث نقطہ نظر کو خاص طور پر ملحوظ رکھا گیا ہے لیکن اسے اہل علم نے بڑی قدر و منزلت سے دیکھا ہے ۔

ہندوستان کے ممتاز عالم ڈاکٹر محمد یونس نگرامی ندوی نے مولانا عبید اللہ رحمانی کی شرح مشکوۃ کی امتیازی خصوصیات کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ :

" مولانا نے اپنی اس شرح میں حسب ذیل امور کا لحاظ رکھا ہے جس کی وجہ سے یہ شرح علمی حلقوں میں بڑی قدر و منزلت سے دیکھی جاتی ہے " ۔

(۱) ہر حدیث پر نمبر ڈالے ہیں جس کی وجہ سے احادیث کی صحیح تعداد معلوم ہو جاتی ہے پھر اسی کے ساتھ

ہر باب کی احادیث کے علاحدہ علاحدہ نمبر پھر ڈالے ہیں اور ان نمبروں کو قوسین میں کر دیا ہے تاکہ جس باب میں جتنی حدیثیں آتی ہیں ان کا شمار بھی الگ الگ ہو جائے۔

(۲) مولانا نے اپنی اس شرح میں چار فہرستیں شامل کی ہیں :

(ا) پہلی فہرست کتاب وابواب پر مشتمل ہے جیساکہ مشکوۃ شریف میں ہے

(ب) دوسری فہرست میں احادیث کا تذکرہ مع باب اور فصل کے ہے جلد نمبر ساتھ ساتھ پڑے ہوئے ہیں اور اہم شرح کا تذکرہ کا بھی اس فہرست میں شامل ہے

(ج) تیسری فہرست صحابہ وتابعین کے علاوہ دوسرے محدثین کے ناموں کی ہے جن کی احادیث مشکوۃ شریف میں آئی ہیں

(د) چوتھی فہرست ان جگہوں کی ہے جن کا تذکرہ مشکوۃ شریف کی احادیث میں آیا ہے۔

(۳) تیسری خصوصیت اس شرح کی یہ ہے کہ اس میں صحابہ وتابعین اور ان کے علاوہ دوسرے رواۃ حدیث کا ترجمہ بھی بقدر ضرورت شامل کر دیا گیا ہے اور اسی طرح جن جگہوں کا تذکرہ آیا ہے ان پر بھی تعارفی نوٹ شامل ہے۔

(۴) احادیث کی توضیح وتشریح میں تفصیل سے کام لیا ہے اور سلف کے نزدیک کسی بھی حدیث کے معنی ومفہوم کا جو بھی انداز تھا اس کو امکان بھر واضح کرنے کی کوشش کی ہے اسی کے ساتھ فقہاء کے مسالک کے رد میں بڑی ہی شرح وبسط سے کام لیا گیا ہے۔

(۵) مقلدین کے ان اعتراضات کے جواب دینے کی کوشش کی گئی ہے جو مقلد حضرات اہل حدیث حضرات پر کرتے ہیں ۔

(٦) فقہاء کے اختلافات کا تذکرہ کیا گیا ہے پھر راجح قول شارح کے نزدیک جو بھی ہے اس کو واضح کیا ہے اور اس کو مضبوط کرنے کے لئے احادیث وآثار لائے ہیں اور اسی کے ساتھ مرجوح قول کے رد میں بھی دلائل قائم کئے ہیں ۔

(۷) متعارض احادیث میں تطبیق کی کوشش کی گئی ہے۔

(۸) بحث کے دوران مختلف احادیث کے مجموعوں کے حوالہ جات بھی دے دیئے گئے ہیں تاکہ اس طرف رجوع کرنے میں آسانی ہو۔

(۹) اس بات کا التزام کیا ہے کہ ان احادیث کی تخریج کریں جن کا تذکرہ صاحب مشکوۃ شریف نے فصل ثانی اور فصل ثالث میں کیا ہے۔ ساتھ ہی ساتھ اس بات کا بھی التزام کیا ہے کہ فصل ثانی وثالث کے عنوان کے تحت جو احادیث آئی ہیں ان کو شیخین کے علاوہ اور کن محدثین نے ان احادیث کا تذکرہ اپنی اپنی کتابوں میں کیا ہے۔

(۱۰) صحیحین کی احادیث کی کے علاوہ اور جو احادیث بھی مذکور ہیں ان کی صحت اور ضعف پر مبسوط کلام کیا گیا ہے اور اس سلسلہ میں ائمہ حق کے اقوال بھی بہ کثرت پیش کئے گئے ہیں۔

(۱۱) صاحب مشکوۃ شریف سے احادیث کے الفاظ میں اگر کچھ ردوبدل ہو گیا ہے تو اس کی تصحیح کی ہے اور اگر صحیحین کی احادیث فصل ثانی میں ذکر کر دی گئی ہیں، اور ان کے علاوہ احادیث فصل ثانی میں ذکر کر دی گئی ہیں اور ان کے علاوہ احادیث فصل اول میں لائی گئی ہیں تو اس غلطی کو بھی واضح کر کے درست کر دیا گیا ہے۔

(۱۲) اگر صاحب مشکوۃ شریف نے کسی حدیث کا تذکرہ مختصرا کیا ہے تو شارح نے اس حدیث کو مکمل طور پر ذکر کر دیا ہے

(۱۳) صحیحین کے علاوہ جو حدیث مشکوۃ شریف میں آئی ہیں ان کی تائید اور مضبوطی کے لئے دوسری احادیث بھی لائے ہیں اور ساتھ ہی ساتھ ان احادیث کی جرح وتعدیل پر مکمل بحث بھی کی ہے۔

فتوی نویسی

مولانا عبید اللہ رحمانی ؒ نے اپنی پوری زندگی علم حدیث کی خدمت میں گزار دی۔ علاوہ ازیں وہ مختلف شرعی مسائل میں کتاب وسنت کی روشنی میں لوگوں کی رہنمائی بھی کرتے تھے۔ اہل حدیث حضرات کے علاوہ دیگر فقہی مسالک کے لوگ بھی ان سے رہنمائی حاصل کرتے تھے۔ ان کی ذات سب کے لئے

مرجع اور مرکز بنی رہتی تھی۔

مختلف شرعی مسائل اور دینی مباحث پر آپ نے فتوی بھی دیئے ہیں آپ کے بہت سے فتوے رسالہ محدث اور مصباح وغیرہ میں شائع ہو چکے ہیں۔ آپ کے فتووں کی خاص بات یہ ہے کہ کتاب وسنت کے دلائل سے مزین ہوتے ہیں اور اس میں کسی کی خوشی یا ناخوشی کی مطلق پرواہ نہیں فرماتے ہیں۔ آپ نے فتاوی کا جو خزانہ چھوڑا ہے اسے شائع کرنے کی ضرورت ہے یقیناً یہ علمی دنیا کے لئے ایک نادر تحفہ ہوگا۔

محدث عصر مولانا عبید اللہ رحمانی مبارکپوری آج اس دنیا میں نہیں رہے لیکن ان کے علمی کارنامے ہمیشہ ان کی یاد دلاتے رہیں گے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالی ان کی خدمات کو قبول فرمائے۔ (آمین)

ہرگز نمیرد آں کہ دلش زندہ شد بہ عشق

کتابیات

(۱) تذکرہ علماء مبارکپور ۔ قاضی اطہر مبارکپوری

(۲) ہندوستان میں عربی علوم وفنون کے ممتاز علماء اور ان کی علمی خدمات ۔ ڈاکٹر محمد یونس نگرامی ندوی

(۳) تراجم علماء اہل حدیث ۔ ابو یحیی امام خان

(۴) روزنامہ انقلاب بمبئی شمارہ ۱۴ جنوری ۹۴، مضمون "مولانا عبید اللہ رحمانی مبارکپوری" از مولانا مختار احمد ندوی

☆☆☆

شیخ الحدیث مولانا عبید اللہ صاحب رحمانی رح

کے زندگی کے بعض پہلو

مولانا محمد مستقیم سلفی
استاذ جامعہ سلفیہ بنارس

تاریخ شاہد ہے کہ اسلام ایک ابر کرم تھا جو روئے زمین کے ایک ایک خطہ اورر چپہ پر برسا لیکن فیض ہر ایک نے اپنی استعداد کے مطابق اٹھایا ، جس خاک میں جس قدر صلاحیت تھی اسی قدر زیادہ فیض یاب ہوئی ، سرزمین ہند بھی اس سے محروم نہ رہی ، پہلی صدی ہجری میں اس ابر کرم کے چھینٹوں نے اس کے سمندری کناروں یعنی سندھ ومالا بار وغیرہ کو سرسبز وشاداب کیا ، پھر آہستہ آہستہ پورے ہندوستان کو اپنی آغوش رحمت میں لیکر علم وہنر سے مالا مال کر دیا ۔

الہ آباد میں دائرہ شاہ اجمل میں مولانا محمد فاخر زائر الہ آبادی" علم حدیث کی محفل جمائے ہوئے تھے ، دہلی میں حضرت مرزا مظہر جان جاناں شہید اور حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کتاب اللہ وحدیث رسول کو بطریق اہل حدیث پڑھنے وپڑھانے میں مصروف تھے ، ضلع اعظم گڈھ کے موضع لہرا میں شاہ ابو اسحاق ابو الغوث گرم دیوان کی محفل تحدیث وعمل بالکتاب والسنہ کا چرچا تھا ۔

مذکورہ بزرگوں نے ہندوستان کے اندر محدثین کرام کے اغراض ومقاصد کو بروئے کار لانے کے لئے محدثین کرام کے عہد رفتہ کو زندہ کرنے کی تحریک شروع کی ، جس کو پروان چڑھانے میں پیش پیش رہنے والے علماء میں سے چند یہ ہیں ۔

(۱) شاہ اسماعیل شہید (۱۱۹۳ - ۱۲۴۶ ھ) (۲) شاہ محمد اسحاق (م ۱۲۶۲ ھ) (۳) شیخ الکل فی الکل میاں نذیر حسین محدث دہلوی (۱۲۲۰ - ۱۳۲۰ھ) (۴) نواب صدیق حسن خاں بھوپالی (۱۲۴۸ - ۱۳۰۷ھ) (۵) مولانا شمس الحق عظیم آبادی (۱۲۷۳ - ۱۳۲۹ھ) (۶) مولانا عبد الرحمٰن محدث مبارکپوری

(۱۲۸۳ - ۱۳۵۳ھ) (۷) مولانا ابو الحسن سیالکوٹی (م ۱۳۲۵ھ) (۸) مولانا احمد حسن دہلوی (م ۱۳۳۸ھ) (۹) مولانا ابو سعید شرف الدین دہلوی (م ۱۳۸۱ھ) رحمہم اللہ وغیرہم۔

یہ وہ ممتاز علمائے کرام ہیں جنہوں نے احادیث رسول وسنت نبی ﷺ کو علما وعملا انتہائی جانفشانی اور محنت ومشقت سے پروان چڑھایا، جن کی آفتاب ضیا بار سے دنیائے اسلام کے دور دراز گوشے منور ہو گئے، جس پر عالم اسلام کے مقتدر علماء کرام نے ہندوستانی علماء اہل حدیث کے جذبات احادیث پر خراج تحسین دیئے بغیر نہ رہ سکے، بطور نمونہ چند علماء کے تاثرات ذیل میں درج کئے جاتے ہیں۔

(۱) مصر کے نامور محقق علامہ رشید رضا رحمہ اللہ لکھتے ہیں :۔

" ولولا عناية اخواننا علماء الهند بعلوم الحديث في هذا العصر لقضى عليها بالزوال من امصار الشرق فقد ضعفت في مصر والشام والعراق والحجاز منذ القرن العاشر حتى بلغت منتهى الضعف في اوائل القرن الرابع عشر " (مقدمة مرعاة المفاتيح)

یعنی اگر ہمارے ہندوستانی علماء بھائیوں کی توجہ علوم حدیث کی جانب نہ ہوتی تو مشرقی ممالک سے حدیث رسول کا جنازہ نکل جاتا اور دسویں صدی ہجری ہی سے ملک مصر، شام، عراق اور حجاز سے علوم حدیث کا سلسلہ کمزور پڑنے لگا تھا یہاں تک کہ بارہویں صدی ہجری کے اوائل تک اس کی کمزوری اپنی انتہا کو پہونچ گئی۔

(۲) مصر کے ایک دوسرے بڑے عالم شیخ عبد العزیز خولی رقم طراز ہیں کہ :۔

" ولا يوجد في الشعوب الاسلامية من وفي الحديث قسطه من العناية في هذا العصر مثل اخواننا مسلمي الهند اولئك الذين وجد بينهم حفاظ للحديث ودارسون لها على نحو ما كانت تدرس في القرن الثالث حرية في الفهم ونظر في الاسانيد : كما طبعوا كثيرا من كتبها النفسية التي كادت تذهب بها يد الاهمال وتقضي عليها غير الزمان (مقدمة مرعاة المفاتيح)

یعنی اس زمانہ میں اسلامی تحریکوں میں کوئی ایسا شخص نہیں پایا جاتا تھا جس نے فن حدیث میں پوری توجہ کی ہو جس طرح ہمارے ہندوستانی مسلم بھائیوں نے کیا، یہی وہ لوگ ہیں جن میں حفاظ حدیث پائے جاتے ہیں اور تیسری صدی ہجری کے طریقے پر اسانید حدیث پر نظر رکھتے ہوئے آزادی فہم کے

ساتھ درس وتدریس کا سلسلہ جاری رکھے ہوئے ہیں، اور اسی طرح بہت سی ایسی نفیس اور عمدہ کتابیں طبع کرائیں، سستی وکاہلی کی بنا پر زمانہ مستقبل میں جن کے ضائع ہونے کا خطرہ تھا۔

(۳) علامہ محمد منیر دمشقی لکھتے ہیں :۔

" وهي نهضة عظيمة اثرت على باقي البلاد الاسلامية ' فاقتدى بها غالب البلاد الاسلامية في طبع كتب الحديث والتفسير (مقدمة مرعاة المفاتيح)

یعنی (جماعت اہل حدیث) ایک ایسی عظیم تحریک ہے جنہوں نے بلاد اسلامیہ پر ایک ایسا ٹھوس اور گہرا نقوش کتب حدیث اور تفسیر کے طبع کرنے میں چھوڑا ہے، جس کی اقتدی اکثر اسلامی ممالک نے کی ہے۔

جماعت اہل حدیث کی انہیں یگانۂ روزگار ہستیوں میں سے ایک ہستی استاذ الاساتذہ شیخ الحدیث علامہ ابو الحسن عبید اللہ رحمانی مبارکپوری کی تھی، جنہوں نے احیاء کتاب وسنت کے لئے کتاب " مرعاۃ المفاتیح شرح مشکاۃ المصابیح لکھی جس میں علم ومعرفت کے وہ دریا بہائے جس سے بر صغیر ہند وپاک کے شائقین علم ودانش کے علاوہ عرب اور دوسرے ممالک کے لوگ مستفیض ہو رہے ہیں۔

ولادت وپرورش

آپ کی ولادت باسعات ۱۳۲۷ھ کو قصبہ مبارکپور میں ہوئی، مبارکپور ضلع اعظم گڈھ کا ایک معروف ومشہور علمی وصنعتی قصبہ ہے، عرصہ دراز سے اس میں مشہور اساطین علم وفن پیدا ہوتے رہے، جامع ترمذی کے مشہور شارح علامہ زماں مولانا ابو العلی عبد الرحمن مبارکپوری صاحب تحفتہ الاحوذی یہیں کے تھے، مولانا عبد السلام صاحب مبارکپوری صاحب سیرۃ البخاری کا تعلق بھی اسی قصبہ سے ہے، صاحب تذکرہ حضرت علامہ مولانا عبید اللہ صاحب شیخ الحدیث آپ ہی کے صاحبزادے تھے جن کی مغتنم ہستی تو ایسی تھی کہ ان کے باعث قصبہ مبارکپور خواص وعوام کے لئے اپنے اندر ایک ایسا کشش اور جاذبیت رکھتا تھا جو بیان سے باہر ہے۔

یہ قصبہ اسی دور سے تحریک اہل حدیث اور تحریک آزادی وطن کا ایک مضبوط مقام رہا ہے جب

ہندوستان میں شاہ اسمٰعیل شہید اور سید احمد شہید رحمہما اللہ کی تحریک آزادی وطن اور احیاء کتاب وسنت کا شعور اپنے شباب پر تھا، اور علامہ عبید اللہ رحمانی نے ایسے لوگوں کے آغوش میں پرورش پائی تھی جو تحریک شہیدین کے حامی وناصر تھے، اس لئے علامہ اپنی وضع وقطع اور علم بالکتاب والسنہ پر تاحیات قائم رہے آپ کی ہستی ایسی تھی کہ جس کو دیکھ کر خدایاد آئے۔

تعلیم وتربیت

آپ کے والد محترم مولانا عبد السلام صاحب آپ سے حد درجہ محبت کرتے تھے، جہاں درس وتدریس کے لئے جاتے وہاں آپ کو اپنے ساتھ رکھتے، جب آپ پڑھنے کے لائق ہوئے تو اس وقت آپ کے والد محترم جامعہ عالیہ مئو ناتھ بھنجن میں مسند تدریس پر فائز تھے، لہذا یہیں مئو کے مدرسہ عالیہ میں آپ نے اپنی تعلیم کا آغاز کیا اور تین سال اسی جامعہ میں رہ کر اردو فارسی اور ناظرہ قرآن مجید وغیرہ کی تعلیم حاصل کی۔

۱۹۱۷ء میں جب مولانا عبد السلام صاحب مبارکپوری جامعہ عالیہ مئو سے مستعفی ہو کر مدرسہ سراج العلوم بونڈیہار (گونڈہ) بحیثیت مدرس تشریف لے گئے تو آپ کو بھی اپنے ہمراہ لیتے گئے، وہاں جا کر آپ نے کافیہ، شرح جامی، شرح الوقایہ، مشکوۃ المصابیح، سراجی، شرح تہذیب، قطبی، متنبی وغیرہ کی تعلیم اپنے والد محترم کی سرپرستی اور زیر تربیت رہ کر حاصل کی۔

۱۹۲۳ء میں جب مولانا عبد السلام صاحب مبارکپوری سراج العلوم بونڈیہار سے مستعفی ہوئے اور دار الحدیث رحمانیہ دہلی بحیثیت مدرس چلے گئے تو آپ کو بھی اپنے ساتھ لیتے گئے وہاں پہونچ کر دار الحدیث رحمانیہ میں آپ نے داخلہ لیا اور اپنی تعلیم مکمل کی، بخاری، مسلم، موطا امام مالک مولانا احمد اللہ پرتاپگڈھی سے، ہدایتہ الحکمتہ، شمس بازغہ، شرح مسلم لحمد اللہ، قاضی مبارک، شرح عقائد نسفی، شرح مواقف، تصریح، شرح چغمینی، مسلم الثبوت، تلویح مع توضیح، ہدایہ اخیرین، تفسیر بیضاوی مولان غلام یحیی کانپوری سے، نور الانوار، تفسیر جلالین، جامع ترمذی، مقامات حریری، دیوان حماسہ مولانا حافظ عبد الرحمٰن نگر نہسوی سے، ہدیہ سعیدیہ، سنن ابی داؤد مولانا ابو طاہر بہاری سے،

مقدمہ ابن خلدون ، شمس بازغہ (کچھ حصہ) مولانا عبد الغفور جیراجپوری سے ، الفوز الکبیر مولانا محمد اسحاق آروی سے ، صدرا ، شرح مطالع مولانا عبد الوہاب آروی سے ، اور تفسیر بیضاوی کا کچھ حصہ مولانا محمد گوندلوی سے پڑھا ، اور ایام تعطیل میں گھر پر علامہ عبد الرحمٰن محدث مبارکپوری سے ترمذی ، شرح نخبہ ، مقدمہ ابن صلاح پڑھ کر سند اجازہ حاصل کیا۔

۱۳۴۵ھ میں جب آپ دار الحدیث رحمانیہ سے فارغ ہو گئے تو اسی سال شوال سے مہتمم مدرسہ شیخ عطاء الرحمن صاحب نے آپ کو رحمانیہ میں مدرس مقرر کر دیا ، نہایت مستعدی کے ساتھ اپنے فرض منصبی کی ادائیگی میں آپ مصروف رہے۔

اخیر عمر میں جب مولانا عبد الرحمٰن صاحب مبارکپوری نابینا ہو گئے تو آپ کو ایک ایسے لائق عالم کی ضرورت پڑی جو علم حدیث میں خاص مناسبت اور ادب سے کامل ذوق رکھتا ہو ، اور آپ کو " تحفة الاحوذي بشرح جامع الترمذي " جیسے اہم کام کی تکمیل میں خاطر خواہ مدد بہم پہونچا سکے ، مولانا محدث مبارکپوری رحمتہ اللہ علیہ کی نظر انتخاب آپ پر پڑی اور شیخ عطاء الرحمٰن مہتمم مدرسہ دار الحدیث رحمانیہ سے فرمائش کی ، شیخ عطاء الرحمٰن صاحب مرحوم اس علمی کام کی اہمیت کو خوب سمجھتے تھے اس لئے بخوشی اسے قبول کر لیا اور اپنے خرچ (۱) پر مولانا عبید اللہ صاحب رحمانی کو روانہ کر دیا ، چنانچہ آپ مولانا عبد الرحمٰن صاحب محدث مبارکپوری رحمتہ اللہ علیہ کی خدمت میں دو سال رہ کر اپنے رفیق کار مولانا عبد الصمد صاحب مبارکپوری اور مولانا محمد صاحب لاہوری پنجابی کے تعاون سے " تحفة الاحوذي بشرح جامع الترمذي " کی تیسری اور چوتھی جلد کی تکمیل فرمائی ، مولانا محدث مبارکپوری کی دو سالہ خاص رہنمائی کے باعث آپ کے اندر تصنیف و تالیف کا خاصا ملکہ پیدا ہو گیا۔

" تحفة الاحوذي بشرح جامع الترمذي " کی تیسری اور چوتھی جلد کے مکمل ہو جانے کے بعد دوبارہ آپ دار الحدیث رحمانیہ دہلی تشریف لے گئے ، وہاں آپ کو جامع ترمذی ، سنن ابی داود ، بخاری شریف ، موطا امام مالک کی تدریس اور ساتھ ہی افتاء کا کام تفویض کیا گیا۔

---

(۱) مولانا نذیر احمد صاحب رحمانی لکھتے ہیں کہ " آپ کو جو تنخواہ مدرسہ میں درس و تدریس کے سلسلہ میں ملتی تھی وہ تنخواہ میاں صاحب مرحوم آپ کو اس دو سال کی مدت میں ہر مہینے گھر پر بھیج دیا کرتے ۔(محدث دہلی نومبر ۱۹۳۸ ، ص ۲۹)

دار الحدیث رحمانیہ کی امتیازی شان

دار الحدیث رحمانیہ کی امتیازی شان کے سلسلہ میں شیخ الحدیث مولانا عبید اللہ صاحب رحمانی رحمۃ اللہ علیہ کے داماد محمد فاروق صاحب لکھتے ہیں کہ " آپ جب بقید حیات تھے تو میں نے آپ سے دریافت کیا تھا کہ "مدرسہ مذکور کا تعلیمی معیار اتنا بلند کیوں تھا ، اور وہاں سے ہر ذرہ آفتاب بن کر کیوں نکلتا تھا ، تو جواب تھا کہ " : ۔

"وہاں کا نصاب نہایت عمدہ تھا ، ہر طرح کے افراط و تفریط سے حتی الامکان احتراز کیا گیا تھا ، نہ کتب ادب کی فراوانی نہ کتب منطق وفلسفہ کی بھرمار ، بلکہ ہر فن کے لئے حسب ضرورت مفید کتابیں منتخب کی گئی تھیں ، مدرسہ کا نصاب سترہ فنون : نحو ، صرف ، منطق ، ادب ، حدیث ، فقہ ، فرائض ، اصول فقہ ، مناظرہ ، اصول حدیث ، ہیئت ، ہندسہ ، عقائد ، تفسیر ، فلسفہ ، عروض ، بلاغت پر مشتمل تھا ، حدیث کی طرف خاص توجہ دی جاتی تھی ، دوسری جماعت سے آٹھویں جماعت تک ہر درجہ میں حدیث کی ایک یا دو کتابیں شامل نصاب ہوتی تھیں ، جماعت پنجم سے لیکر ہشتم تک کے طلباء کو اوقات مدرسہ میں عام گفتگو عربی میں کرنا لازم ہوتا تھا ، اس کے علاوہ اساتذہ کے انتخاب وتقرر میں مہتمم مدرسہ کی کوششیں بھی قابل ستائش تھیں ، مخلص اور محنتی اساتذہ کو چن چن کر لایا گیا تھا ، جو طلباء کی تعلیم وتربیت کے لئے اپنے کو ہمہ تن وقف کئے ہوئے تھے ، منطق ومعقولات کے درس کے لئے بلا امتیاز حنفی ، سلفی ملک کے گوشے گوشے سے منجھے ہوئے اساتذہ کو گرانقدر مشاہرہ پر رحمانیہ میں جمع کر لیا گیا تھا ، چنانچہ مولانا غلام یحیی صاحب مدرسہ الٰہیات کانپور سے بلائے گئے تھے ، مولانا عبد الحلیم صاحب کو ضلع مردان پشاور سے بلایا گیا تھا ، مولانا عبد السلام صاحب آگرہ سے آئے تھے ، اسی طرح مولانا عبد الرحمٰن صاحب ٹونکی فتحپور سے اور مولانا عبد الرزاق صاحب مدرسہ ضیاء العلوم دہلی سے لائے گئے تھے ، ، لائق وفائق اساتذہ کو مختلف علوم وفنون کے جید علماء کی خدمت میں مع مشاہرہ اور دیگر اخراجات کے بھیجا جاتا تھا ، تاکہ صحیح تربیت اور اچھی مہارت حاصل کر کے مدرسہ کو لوٹیں اور طلباء کو فیض پہونچائیں۔

مدرسہ میں پڑھنے وپڑھانے کا ایسا ماحول اور مزاج بنا ہوتا تھا کہ طلبہ اور اساتذہ کو دوسرے مشاغل

کی طرف توجہ دینے کی فرصت ہی نہ تھی ، اور نہ انہیں اس کی اجازت تھی ، حتی کہ دینی وتبلیغی اجلاس واجتماعات میں بھی دونوں کی شرکت (باستثناء چند مخصوص حالات) سخت ممنوع تھی نہ کسی استاذ کو اجازت تھی کہ وہ کسی جلسہ یا کانفرنس کی دعوت قبول کرے اور نہ ہی طلبہ کو ایسے اجتماعات میں جانے دیا جاتا تھا ، اس میں کئی حکمتیں اور مصلحتیں تھیں ، اول یہ کہ طلبہ کا درس متاثر نہ ہو ، عموما اجلاس میں شرکت کی تیاری ، پھر سفر سے واپسی کے بعد تکان سفر اور اجلاس کا خمار باقی رہنا ایک فطری امر ہے ، جس سے فرائض منصبی کی ادائیگی میں فرق آتا ہے ، اس نقصان سے لڑکے محفوظ رہتے تھے ، دوسرے یہ کہ اجلاس میں اعزاز واکرام اور مالی منفعت کے مقابلہ میں وہ اپنے موجودہ پیشہ کو کمتر اور ہیچ نہ سمجھنے لگیں ، تیسرے یہ کہ تدریسی اسٹاف کے درمیان رقابت اور حسد نہ پیدا ہو اور کوئی یہ کہنے اور سوچنے پر مجبور ہو کہ فلاں صاحب مزے سے تقریریں کرتے پھر رہے ہیں ، اور اپنائی اے ، ڈی اے بنارہے ہیں اور ہم یہاں مدرسے میں سڑ رہے ہیں ، چوتھے یہ کہ اساتذہ پوری دل جمعی اور ذہنی یکسوئی سے اپنے سبق کی تیاری کے بعد کلاس میں جائیں ، اسی طرح طلبہ کی شرکت بھی اسی لئے ممنوع تھی کہ اجلاس میں شب بیداری کی وجہ سے صبح سبق میں جی نہیں لگے گا ، یہ بھی ممکن ہے کہ اجلاس میں شرکت کے بہانے کچھ لڑکے کھیل تماشے یا سینما دیکھنے چلے جائیں اور ذہنی پراگندگی کا شکار ہوں ، یہ چند چیزیں اگرچہ بظاہر بڑی معمولی اور ہلکی معلوم ہوتی ہیں ، مگر ایک ادارہ کی زندگی میں بڑی اہم ہیں ، اس سے ادارہ کی ڈسپلن ، تعلیمی معیار ، تدریسی مشن اور اس کے تنظیمی امور کا اندازہ ہوتا ہے ......

یہ عظیم ادارہ اب تو ایک داستان پارینہ بن چکا ہے ، مگر پھر بھی اس کی بہت سی اعلی صحت مند تعلیمی سرگرمیاں ایسی ہیں جنہیں ہمارے دینی ادارے اپنے لئے نشان راہ بنا سکتے ہیں " ۔ (محدث اکتوبر ۱۹۸۴ء)

خصوصیات تعلیم وتربیت

۱۸ سال کی تدریسی زندگی میں آپ نے کتنے ایسے صاحب کمال پیدا کئے جنہوں نے اپنی تحقیق وتخلیق ، تصنیف وتالیف ، تدریس وتقریر سے لوگوں کے قلب کو گرمایا اور روح کو تڑپایا ، ان میں سے بیشتر

اپنا سفر حیات مکمل کر کے اپنے مولائے حقیقی سے جا ملے اور جو کچھ باقی ہیں وہ اب چراغ سحری ہیں ، آپ کی تعلیم کی خصوصیات میں سے یہ بات بھی تھی کہ ہمیشہ طلباء کو مطالعہ کتاب کی تاکید کرتے اور اپنے رفیق کار مولانا نذیر احمد رحمانی رحمتہ اللہ علیہ کے تعاون سے دار الاقامہ کا اکثر وبیشتر گشت لگاتے ، طلبہ کو اگر درسی کتاب کے علاوہ کسی اور کتاب کا مطالعہ کرتے ہوئے پاتے تو انہیں اس پر سرزنش کرتے ، بسا اوقات جسمانی سزا بھی دیتے ۔ طلبہ کی عبارت خوانی پر پوری توجہ دیتے ، کیا مجال تھی کہ کوئی طالب علم غلط عبارت پڑھ کر آگے بڑھ جائے ، درس دیتے وقت نفس مطالب واضح کرتے ہوئے مسئلہ کے ہر ناحیہ پر روشنی ڈالتے ، پھر اختلافی مسائل کا ذکر کرتے اور ہر ایک کے دلائل مع ماخذ فرماتے ، اس کے بعد اس پر نقد وتبصرہ کرتے ہوئے راجح مسلک کو مع دلائل واضح فرماتے ۔

۱۹۶۶ ء کی بات ہے مرکزی دار العلوم بنارس کے تعلیمی افتتاح کے موقع پر مرکزی دار العلوم کے کمرہ نمبر ۲ میں اراکین کی میٹنگ ہو رہی تھی ، استاذ محترم مولانا محمد ادریس آزاد رحمانی رحمتہ اللہ علیہ نے مجھے لوگوں کو چائے وپانی پلانے کے لئے بلایا ، میں ابھی کمرہ میں داخل ہوا تھا کہ حضرت مولانا عبد الوہاب صاحب آروی علیہ الرحمہ نے حضرت الشیخ سے اپنے استاد وشاگردی کا واسطہ دے کر کہا کہ " آپ روزانہ صرف ایک گھنٹی بخاری شریف کا درس دیا کریں " حضرت الشیخ نے معذرت کرتے ہوئے فرمایا " مجھے آپ کی شاگردی کا شرف حاصل ہے جو میرے لئے باعث فخر ہے ، میں آپ کی بات کو کسی قیمت پر رد نہیں کرتا ، مگر واللہ مجھے کچھ ایسی بیماری لاحق ہے جس کی بنا پر اب میں بخاری شریف پڑھانے کا حق ادا نہیں کر سکتا اور عند اللہ خائن ہوں گا ، یہ کہہ کر آپ آبدیدہ ہو گئے ، اس واقعہ سے بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ آپ کس قدر تیاری کے بعد درس دیا کرتے تھے ۔

دار الحدیث رحمانیہ کے طلبہ آپ کے درس وتدریس کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ :۔

" جن طلبہ نے آپ کے پاس حدث کی کتابیں پڑھیں وہ ہمیشہ آپ کی تعریفیں کرتے رہے ، اور آپ کی محدثانہ روش کے عاشق زار رہے ، خوش قسمتی سے امسال ہماری بخاری شریف اور ترمذی شریف وغیرہ اہم کتب احادیث آپ ہی کے پاس ہیں ، مولانا احمد اللہ صاحب پرتابگڈھی یہاں سے مستعفی ہو گئے ہیں ، لیکن بخدا ہمیں تو اب ان کتابوں کو مولانا عبید اللہ صاحب کے پاس پڑھنے میں وہ لطف حاصل ہو

رہا ہے کہ ہم بیان نہیں کر سکتے علمی تحقیق ، نکات حدیث ، تطبیق احادیث ، شرح احادیث اور ادق فنون حدیث میں جو خداداد ملکہ آپ کو ہے اس زمانہ میں بہت کم کسی کو ہوگا پڑھاتے وقت ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا ایک دریا موجیں مار رہا ہے ، آپ کی وسیع معلومات وغیر معمولی قابلیت نے ہمارے دلوں پر سکہ جما لیا ہے ، یقیناً اس جامع عظیم درس گاہ کے لئے ایسے ہی لائق وفائق شیخ الحدیث کی ضرورت بھی تھی" (محدث دہلی فروری ۱۹۳۸ء ، ص ۳)

آپ طلباء کے وضع ، قطع اورر لباس کا بھی بہت خیال رکھتے ، نماز باجماعت کے خود پابند تھے ، اور طلباء کو اس کی پابندی کرنے پر کڑی نظر رکھتے ، یہی وجہ تھی کہ دار الحدیث رحمانیہ دہلی کا ہر ذرہ ماہتاب بن کر چمکا اور پورے ہندوستان کو منور کر دیا۔

در الحدیث رحمانیہ میں طلبہ سے علمی میدان میں کس قدر محنت لی جاتی تھی اس کی ایک جھلک استاذنا المکرم مولانا نذیر احمد رحمانی رحمتہ اللہ علیہ کی مندرجہ ذیل تحریروں میں دیکھی جا سکی ہے ، مولانا لکھتے ہیں کہ " ہمارے یہاں ترجمہ قرآن مجید ودیگر ہر قسم کی دینی وفنی کتابوں کے ساتھ ہر جماعت میں ایک گھنٹہ تحریر کی مشق کا بھی لازمی طور پر رکھا گیا ہے ، چنانچہ اس پر باقاعدہ عمل ہو رہا ہے ، ادنی جماعت سے لے کر دوسری جماعت تک اردو زبان میں املا وانشا کی مشق کرائی جاتی ہے ، اور تیسری جماعت میں ترجمتین اور اردو زبان میں خاص عنون کے ماتحت مضمون نگاری کرنی پڑتی ہے ، پھر چوتھی جماعت سے لیکر آٹھویں تک ترجمتین (یعنی کبھی اردو عبارت کی عربی بنانا اور کبھی عربی عبارت کا اردو میں ترجمہ کرنا) اور اپنی اپنی جماعتوں سے متعلق عنوانات پر صرف عربی زبان میں مضامین لکھنے پڑتے ہیں ، یہ چیز مدرسہ کے قواعد اور طلبہ کے فرائض میں داخل کر دی گئی ہے ، کہ جماعت پنجم سے لیکر ہشتم تک کے طلبہ کو کم از کم اوقات مدرسہ میں عام گفتگو عربی میں کرنا لازمی ہوگا (محدث دہلی جنوی ۱۹۴۰)

دوسری جگہ لکھتے ہیں کہ " طلبہ کے مضامین کی اصلاح وترمیم کی طرف توجہ نہیں کی گئی کہ اس حیثیت سے بھی آپ کو مدرسہ رحمانیہ کے طلبہ کی لیاقت وقابلیت کا اندازہ کرنے کا موقع مل سکے اور آپ معلوم کر سکیں کہ عام مدارس عربیہ کے خلاف مدرسہ رحمانیہ کے طلبہ کتابی استعداد کے ساتھ ساتھ مشق کی طرف بھی کس قدر کامیابی حاصل کر رہے ہیں ، اس سلسلہ میں اتنا ضرور عرض کروں گا کہ ان

مضامین کے پڑھتے وقت یہ تخیل آپ اپنے سامنے رکھئے کہ یہ ان طلبہ کی ذاتی فکر وکاوش کا نتیجہ ہے جو دن رات اپنے درس کی ٹھوس اور مشکل کتابوں ہی کے تکرار ومطالعہ میں اپنے دماغ کو تھکا چکے ہوتے ہیں ، پھر عربیت کی مشق بھی کرنی ہوتی ہے ، نیز ہر ہفتہ واری اجلاس میں تقریری اور مناظروں کے لئے بھی تیاری کرنی پڑتی ہے (محدث دہلی ص ۷ ، مئی ۱۹۳۸ء)

محدث کی ذمہ داری

ماہنامہ محدث کے ایڈیٹر مولانا عبد الحلیم ناظم کے ۲۲ / اگست ۱۹۳۵ء کو انتقال کر جانے کے بعد اکتوبر ۱۹۳۵ء سے اس کی ادارت کی ذمہ داری حضرت الشیخ اور مولانا نذیر احمد صاحب رحمانی املوی رحمہما اللہ کے سر ڈالی گئی ، مولانا املوی اس کے مدیر مسئول اور حضرۃ الشیخ نائب مدیر پھر ۳۸ء سے نگران اصول کی حیثیت سے کام کرتے رہے ، مہتمم صاحب نے عوام کے فائدے کو مد نظر رکھتے ہوئے آپ حضرات کے زمانہ میں محدث کے اندر مزید چار صفحے کا اضافہ فرمایا اور آپ حضرات کو مشورہ دیا کہ اس میں ایک نیا باب " فتاوی " کو بڑھا دیا جائے ، چنانچہ مولانا املوی ؒ مذکورہ باب کے اضافہ کے سلسلہ میں لکھتے ہیں " اپریل ۱۹۴۰ء کا محدث اس جلد کا آخری پرچہ ہوگا ، پھر مئی ۱۹۴۰ء سے محدث کا نیال سال شروع ہوگا ، ہم ابھی سے اپنے ناظرین کو یہ خوشخبری سنا دینا چاہتے ہیں کہ آئندہ جلد سے ہم محدث میں مستقل طور پر ایک اہم ، مفید اور قابل قدر عنوان کا اضافہ کرنا چاہتے ہیں " (محدث دہلی مارچ ۱۹۴۰ء ص ۶)

آپ حضرات کے زمانہ میں محدث میں اہل قلم کے مضامین کے علاوہ جہاں مولانا نذیر احمد رحمانی ؒ کے مختلف مسائل پر محققانہ مضامین نے اس کے وقار کو اونچا کیا وہیں استفسارات کے جواب میں حضرت الشیخ کی علمی تحقیق نے اس کی افادیت میں اضافہ کیا ، استاذ محترم مولانا آزاد رحمانی ؒ لکھتے ہیں " حضرت مولانا عبید اللہ صاحب رحمانی مد ظلہ کی جامع اور پر از تحقیق نگارش نے اس رسالہ کی افادیت کو اس قدر وسیع کر دیا تھا کہ ایک موقع سے مولانا ابو یحیی امام خاں نوشہروی جیسے صاحب علم اور اہل قلم کو فرماتے ہوئے میں نے اپنے کانوں سے سنا کہ " جب تک میں محدث کے استفسارات اور اس کے جوابات پڑھ نہیں لیتا مجھے نیند نہیں آتی " (اہلحدیث اور سیاست ص ۱۶)

سچی بات یہ ہے کہ آپ حضرات کے خلوص وللہیت کا اثر تھا جس کی بنا پر اس رسالہ نے یہ مقبولیت حاصل کی۔

تالیف وتصنیف

اگست / ۱۹۴۷ء میں تقسیم ہند کے موقع پر جب دار الحدیث رحمانیہ مرحوم ہو گیا تو آپ اپنے وطن مبارکپور تشریف لے آئے اور تقریبا ایک سال تک گھر رہے، کوئی مشغلہ نہ تھا، جب یہ بات مولانا عطاء اللہ صاحب حنیف بھوجیانوی ومولانا حافظ محمد ذکریا علیہما الرحمہ کو معلوم ہوئی تو تحشیہ مشکوۃ المصابیح کی پیش کش کی، جسے آپ نے بخوشی منظور فرمالیا، اور ۱۳۶۷ھ مطابق ۱۹۴۸ء سے تحشیہ کا کام شروع کر دیا، آپ کا ماہنامہ وظیفہ مولانا عطاء اللہ صاحب حنیف بھوجیانوی اور حافظ محمد ذکریا صاحب رحمہما اللہ نے ایک سو پچاس روپئے مقرر کئے اور اس پوری رقم کی ادائیگی مولانا حافظ محمد ذکریا صاحب مرحوم نے اپنے ذمہ لیا، جب وظیفہ کی رقم حضرت الشیخ مولانا عبید اللہ صاحب مبارکپوری" کے پاس پہونچی تو آپ نے مذکرہ دونوں بزرگوں کو لکھا کہ " میرا کام بآسانی ایک سو پچیس روپے میں چل جائے گا، لہذا میرے وظیفہ کی رقم سے پچیس روپے ماہنامہ کم کر دیئے جائیں"۔

تکمیل تحشیہ کا اندازہ چار سال تھا، مگر جب حضرت شیخ نے کام شروع کیا تو آپ کے سامنے معنوی تحریفات اور دور از کار تاویلات کا وہ طوفان آیا جو عون المعبود، تحفتہ الاحوذی کے بعد برپا کیا گیا تھا لہذا حضرت الشیخ نے حاشیہ پر اکتفا کرنے کے بجائے وسعت دیکر شرح کا کام شروع کر دیا، اور اس کے چند اوراق نقل کر کے مولانا بھوجیانوی صاحب کی خدمت میں بھیج دیا۔

راقم سے مولانا بھوجیانی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ " حضرت الشیخ کے ان بھیجے ہوئے اوراق کو پڑھ کر مجھے بہت خوشی ہوئی، میں نے مولانا حافظ محمد زکریا صاحب سے عرض کیا کہ حضرت الشیخ نے جو نہج اپنایا ہے اس پر چلنے دیا جائے، اس کی شرح کی بھی سخت ضرورت ہے، حاشیہ کا کام بعد میں دیکھا جائے گا، چنانچہ ہم لوگوں نے حضرت الشیخ کے اس طریقہ کار پر اپنی پسندیدگی اور خوشی کا اظہار کیا اور بذریعہ خط آپ کو مطلع کر دیا۔

اس کام کے شروع کئے ہوئے ابھی چند ہی مہینے گذرے تھے کہ مولانا حافظ محمد زکریا صاحب کا انتقال ہو گیا، جس سے مجھے کافی تشویش لاحق ہوئی، لیکن مولانا محمد زکریا صاحب مرحوم کے والد مولانا محمد باقر صاحب نے اپنے فرزند ارجمند کے جاری کئے ہوئے اس کار خیر کو پایۂ تکمیل تک پہونچانے کا عزم کر لیا، اور طے شدہ رقم اس وقت تک برابر بھیجتے رہے جب تک ملک کی زر مبادلہ کی پالیسی اس کے آڑے نہ آئی"۔

شیخ الحدیث مولانا مبارکپوری رحمتہ اللہ علیہ برابر اپنے اس کام میں لگے رہے، یہاں تک کہ مشکوٰۃ المصابیح سے "باب مالا یجوز من العمل فی الصلوٰۃ وما یباح منه" تک کی شرح مکمل ہو گئی، اور "المکتبۃ السلفیہ" لاہور سے ۱۳۸۰ھ مطابق ۱۹۶۱ء میں "مرعاۃ المفاتیح جلد اول" کے نام سے طبع ہو کر منظر عام پر آئی۔

پاکستان سے وظیفہ بند ہو جانے کے بعد اس کی ذمہ داری آپ کے تلمیذ رشید مولانا محمد اقبال صاحب رحمانی مہتمم مدرسہ سراج العلوم بونڈیہار (گونڈہ) علیہ الرحمہ (۱۹۱۹ - ۱۹۸۲) نے لیا اور باب ما یقول عند الصباح والمساء والمنام تک لکھوا کر دو جلدوں میں شائع کیا اور پھر حضرت الشیخ کو ہبہ کر دیا، اب تک اس کی نو جلدیں جو کتاب المناسک کے اختتام تک ہیں، مکتبہ جامعہ سلفیہ بنارس سے شائع ہو چکی ہیں۔

مدرسہ سراج العلوم بونڈیہار کی سرپرستی

۱۹۰۷ء میں اس مدرسہ کی بنیاد مولانا عبد الرحمٰن محدث مبارکپوری (۱۲۸۳ - ۱۳۵۳ھ) نے رکھی اور مولانا شاہ محمد مبارکپوری، مولانا محمد سلیمان صاحب مئوی، مولانا عبد السلام صاحب مبارکپوری (۱۲۸۹ - ۱۳۴۲ھ) نے اس کو پروان چڑھایا، ان بزرگوں کے بعد اس مدرسہ کی دیکھ ریکھ کی ذمہ داری خود حضرت الشیخ نے اپنے سر لی، اور تا حیات بحیثیت ایک سرپرست ومربی کے اس کے پروان چڑھانے میں کوشاں رہے، آپ کی زیر سرپرستی یہ مدرسہ خوب پھلا پھولا اور سیکڑوں تشنگان علم وفن اس سے فائدہ اٹھا کر ملک وبیرون ملک میں اعلائے کلمتہ اللہ کی صدا بلند کر رہے ہیں، حالات یکساں نہیں رہتے، ۱۹۷۶ء کی بات ہے اس مدرسہ کے ناظم جناب عبد المعبود صاحب مہوا کا انتقال ہو گیا تو اس کی نظامت کے سلسلہ

میں باہم اختلاف ہوا، مسلمان دو دھڑے میں بٹ گئے اور مالی تعاون سے ہاتھ کھینچ لیا۔

ایسے نازک وقت میں حضرت الشیخ اپنی کمزوری وضعیفی کے باوجود بونڈیہار تشریف لے گئے اور تمام لوگوں کو مدرسہ پر اکٹھا کیا اور مدرسہ کی مختصر تاریخ اور اہل کنڈو وبونڈیہار کے اسلاف اور ان کے دینی کارناموں کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ اگر واقعی آپ حضرات کو دین کے اس پودے کے اگانے اور آبیاری کرنے والوں سے محبت اور لگاؤ ہے تو اپنے تمام اختلافات کو بالائے طاق رکھ کر مدرسہ کی خدمت جیسے پہلے کرتے تھے کیجئے، اگر اس کا ایک پتا بھی مرجھایا تو ان بزرگوں کی روحوں کو اور خود مجھ کو تکلیف ہوگی، اس لئے کہ میرے باپ، دادا کا لگایا ہوا پودا ہے اور خود میرا مادر علمی ہے، آپ کی اس تقریر سے سب لوگ آبدیدہ ہوگئے اور حضرۃ الشیخ کے سامنے عہد وپیمان کیا کہ آئندہ ان شاء اللہ ایسی حرکت سرزد نہیں ہوگی، اللہ کا شکر ہے کہ مدرسہ اسی آن وبان سے چل رہا ہے۔

جماعتی درد

۱۹۴۷ء میں تقسیم ملک کے نتیجہ میں آل انڈیا اہل حدیث کانفرنس انحطاط کی زد میں آگئی، بہت سے اہل علم پاکستان چلے گئے، دہلی کا شہر جو جماعت کا مرکز تھا، تقریبا قابل ذکر علماء سے خالی ہوگیا، ہندوستان میں چند گنی چنی شخصیتیں باقی رہ گئی تھیں، جس کی وجہ سے سالہا سال تک جماعتی سرگرمیاں موقوف رہیں بالآخر مولانا عبد الوہاب صاحب آروی، مولانا نذیر احمد صاحب رحمانی (۱۹۰۶ - ۱۹۶۵ء)، مولانا عبید اللہ صاحب رحمانی مبارکپوری اور مولانا عبد الجلیل صاحب رحمانی (۱۳۲۷ - ۱۴۰۶ھ) کو کانفرنس کے احیاء کا خیال پیدا ہوا، دہلی میں ایک میٹنگ کی گئی، پھر ممبر سازیاں اور نئے انتخابات ہوئے اور لوگوں کے اندر جماعتی روح پھونک دی گئی، جب جماعت کی نشاۃ ثانیہ ہوگئی اور مولانا عبد الوہاب صاحب امیر جماعت منتخب ہوء گئے تو ان کی ہدایت کے مطابق افراد جماعت نے حرکت وعمل شروع کردیا اور دستور جمعیت میں مناسب تبدیلی اور حذف واضافہ کی ضرورت محسوس کی گئی تو اس کے لئے ایک سب کمیٹی مورخہ ۱۷ نومبر ۱۹۶۱ء کو پانچ ارکان پر مشتمل تشکیل دی گئی، جن کے اسمائے گرامی یہ ہیں شیخ الحدیث مولانا عبید اللہ رحمانی، مولانا نذیر احمد رحمانی، مولانا عبد الجلیل رحمانی، بابو محمد شفیع مالیر کوٹلہ۔

دستور کی تکمیل کی آخری تاریخ مارچ ۱۹۶۲ء تھی، اس کمیٹی کے کنوینر مولانا عبد الجلیل صاحب

رحمانی تھے (اخبار ترجمان کانفرنس نمبر جلد ۹ شمارہ ۱۷)

آپ حضرات نے وقت مقررہ پر دستور کو مرتب کر کے امیر جمعیت کے سامنے پیش کر دیا، موجودہ دستور انہیں حضرات کے محنت و کوشش کا ثمرہ ہے، جس کی روشنی میں جمعیت آج رواں دواں ہے۔

مرکزی دار العلوم بنارس کا قیام اور اس کی سرپرستی

۱۹۴۷ء کے فساد میں جب مدرسہ دار الحدیث رحمانیہ جماعت کے ہاتھوں سے نکل گیا تو جماعت کے حساس افراد کو اس کا بڑا صدمہ پہونچا اسی اثناء میں غیر مسلکی اداروں کی جانب سے اہل حدیث بچوں کے ساتھ بعض ایسے ناگفتہ بہ واقعات پیش آئے جن سے ایک مرکزی درس گاہ کی شدید ضرورت کا احساس پیدا ہوا اور مرکزی جمعیت اس کے لئے تگ ودو کرنے لگی آخر وہ گھڑی آپہونچی کہ اکابرین جماعت کے ہاتھوں مرکزی دار العلوم بنارس کا سنگ بنیاد ۱۲ / رجب ۱۳۸۲ھ مطابق ۲۹ / نومبر ۱۹۶۳ء کو رکھا گیا، حضرت الشیخ کو اس ادارہ سے جو لگاؤ تھا اس کی عکاسی حیطۂ تحریر سے باہر ہے، تاحیات آپ اس کی مجلس منتظمہ کے صدر اور سرپرست رہے اور اپنے بڑھاپے و کمزوری کے باوجود ماہ دوماہ پر اکثر مبارکپور سے جامعہ تشریف لاتے اور طالبان جامعہ کو بعد نماز عشاء پیار و محبت اور شفقت سے نصیحت کرتے، وقتاً فوقتاً بعض طالب علم کو بلا کر اساتذہ کے درس وتدریس اور مقدار خوندگی پوچھتے اور کارکنان دار العلوم کو مفید مشوروں سے نوازتے اور مختلف مقامات کا اس کے مالی تعاون کے لئے متعدد وفود کے ساتھ سفر بھی کرتے۔

وفات

آپ پیدائشی طور پر نحیف الجثہ تھے، لیکن دل ودماغ علم وحکمت سے پر تھا، آپ عمر طبیعی کو پہونچ چکے تھے، اس پر مزید رات، دن کی مسلسل محنت اور پیرانہ سال کی بنا پر بہت کمزور ہو گئے تھے، اعصابی کمزوری بہت بڑھی گئی تھی، اٹھنا، بیٹھنا دشوار ہو گیا تھا، آخر وہ وقت آپہونچا جس سے کسی کو مفر نہیں یہاں تک کہ مورخہ ۵ / جنوری ۱۹۹۴ء مطابق ۲۲ / رجب ۱۴۱۴ھ بروز بدھ سویرے ۵ بج کر ۵۵ منٹ پر آپ کی وفات کی خبر دنیائے اسلام کو سکتے میں ڈال دیا، اسی دن بعد نماز مغرب جنازہ کی نماز آپ کے صاحبزادے مولانا عبد الرحمٰن صاحب رحمانی نے ایک جم غفیر (تقریباً ۲۵ ہزار) کے ساتھ پڑھائی اور جسد خاکی کو سوگوار ہاتھوں سے رب العزت کے آغوش رحمت کے سپرد کر دیا، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

آج محفل علم کی افسوس سونی ہو گئی دین ودانش کے چمن کی لٹ گئی گویا بہار
اب کرے گا کون ہم میں دین کے اسرار کو کاوش تحقیق کی صیقل گری سے آشکار

اخلاق وعادات

آپ بہت نرم خو، خوش اخلاق، حد درجہ پاک باطن اور نیک طینت تھے، عجز وانکساری، محبت ومروت، ایثار وخدمت، صلح وصفائی میں سلف صالحین کی یادگار اور زندہ تصویر تھے، ریا نمود، عزت وشہرت، اور شر وفساد سے طبعی نفرت اور ہنگامہ آرائی سے کوسوں دور تھے، انتہائی ہنس مکھ اور ملنسار تھے، نہ کسی کو عیب لگاتے اور نہ غیبت کرتے تھے۔

پس ماندگان

آپ نے پس ماندگان میں تین لڑکے (۱) فضل الباری (۲) مولانا عبدالرحمٰن رحمانی (۳) ڈاکٹر عبد العزیز مدنی اور ایک لڑکی اور متعدد پوتے وپوتیاں چھوڑی ہیں۔

شاگردان

حضرت الشیخ کی تعلیمی وتدریسی فیضان رسانی کی مدت کل ۱۸ سال ہے اس مدت میں کتنے تشنگان علوم نے آپ سے فیض حاصل کیا، ان کا شمار کرنا مشکل ہے، ایک مختصر فہرست درج ذیل کئے جاتے ہیں۔
(۱) مولانا عبدالرؤف صاحب رحمانی جھنڈا نگری (ولادت ۱۹۱۰ء) (۲) مولانا عبد المعید صاحب بنارسی (۳) مولانا زین اللہ طیب پوری (۴) مولانا عبد الجلیل رحمانی ۱۳۲۷ - ۱۴۰۶ھ) (۵) مولانا محمد اقبال رحمانی (۱۹۱۹ - ۱۹۸۲ء) (۶) مولانا محمد عاقل رحمانی (۷) مولانا محمد ادریس آزاد رحمانی (۱۹۱۶ - ۱۹۷۸ء) (۸) مولانا عبد الرحیم رحمانی بستوی (م مارچ ۱۹۸۰ء) (۹) مولانا محمد زماں رحمانی (۱۹۰۲ - ۱۹۷۸ء) (۱۰) مولانا عبد السلام بستوی (۱۳۲۷ - ۱۳۹۴ھ) (۱۱) مولانا عبد الغفار حسن حال وارد پاکستان (۱۲) مولانا محمد خلیل رحمانی (۱۳) مولانا حکیم عبید اللہ رحمانی (ولادت ۱۹۲۱ء) (۱۴) مولانا عبد الحلیم مجاز اعظمی مئوی (ولادت ۱۹۲۹ء) (۱۵) مولانا محمد عابد رحمانی (ولادت ۱۹۳۰ء) (۱۶) مولانا احمد اللہ رحمانی ولال پوری بنگال (۱۷) مولانا عبد القیوم صاحب دودھونیا بستی (ولادت ۱۹۲۰ء) (۱۸) مولانا محمد یوسف رحمانی بھرائنچی (ولادت ۱۹۱۵ء) (۱۹) مولانا محمد مسلم رحمانی مالدہی بنگال (۲۰) مولانا عبدالستار رحمانی مالدہی بنگال۔

☆☆☆

مدتوں رویا کریں گے جام وپیمانہ تجھے

جناب محمد سکندر محمد زبیر محمد پور پٹنہ

محدث عصر، شیخ الحدیث حضرت مولانا عبید اللہ رحمانی مبارکپوری کی عبقری شخصیت بر صغیر ہند وپاک کے لوگوں کے درمیان محتاج تعارف نہیں۔ آپ کی شخصیت تو پہلے سے ہی مشہور ومعروف تھی، لیکن اپنی بے مثال، بے نظیر اور محققانہ شرح مرعاۃ المفاتیح شرح مشکوۃ المصابیح جیسی اہم تالیف کی وجہ سے پورے عالم اسلام میں مشہور ہو گئے۔

اس قحط الرجال کے دور میں جب کہ بے لوث، مخلص، صالح، بابصیرت، علم تفسیر اور حدیث پر عمیق نگاہ رکھنے والے علماء انگلیوں پر گنے جا سکتے ہیں، ایسے نازک حالات میں کسی جید اور سلفی عالم دین کا دنیا سے رخصت ہو جانا ایک عظیم ملی اور جماعتی سانحہ ہے۔ آپ کی رحلت سے جماعت اہل حدیث یتیم ہو گئی اور علماء دین کے حلقہ میں ایسا خلا پیدا ہو گیا کہ اس کا پر ہونا مشکل نظر آتا ہے۔ یہ ایک ایسا المیہ ہے جس سے ملت اسلامیہ کے ہر فرد کی آنکھیں اشکبار ہو گئیں۔

سرزمین ہند نے مسلمانوں کی چودہ سو سالہ تاریخ کے اندر ان گنت علماء، فضلاء، مفسرین اور محدثین پیدا کئے جن بزرگوں نے دین متین کی خدمت کے لئے اپنے آپ کو وقف کردیا۔ موصوف بھی اللہ کے ان نیک اور صالح بندوں میں سے ایک تھے جن کی پوری زندگی دین کی سربلندی کے لئے وقف تھی۔ آپ کی جدائی سے مخلوق تڑپ رہی ہے۔ مگر قانون قدرت یہی ہے جیسا کہ اس نے "کل من علیہا فان" کے کلمات کے ساتھ اپنی مقدس کتاب قرآن مجید میں دنیائے عالم کے لئے ضبط فرمایا ہے اور اس قاعدۂ کلیہ کے پیش نظر موصوف کو بھی فنا کا لباس زیب تن کرنا پڑا۔ حقیقت یہ ہے کہ موت کا ایک وقت متعین

ہے اور اس سے کسی کو چھٹکارا نہیں ہے۔ خواہ کوئی بھی ہو اس کو موت آنی ہے۔

افضل الرسل محمد ﷺ کی ذات گرامی کیوں نہ ہو سب نے فنا کا لباس پہنا۔ دنیا میں اگر کوئی ہستی زندہ جاوید رہنے والی ہوتی تو آپ ﷺ کی ذات گرامی تھی، مگر آپ بھی ہمیشہ نہ رہے۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے۔

بگیتی گر کسے پائندہ بودے
ابو القاسم محمد زندہ بودے

امام بخاری رحمتہ اللہ علیہ کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ امت میں یہ فخر بہت کم لوگوں کو حاصل ہے کہ باپ بھی محدث اور بیٹا بھی محدث۔ لیکن یہ بات آپ پر بھی چسپاں ہوتی ہے کہ آپ بھی محدث اور آپ کے والد ماجد حضرت مولانا عبد السلام مبارکپوری صاحب سیرۃ البخاری بھی محدث۔ اللہ تعالی موصوف کی دینی خدمات کو قبول فرمائے۔ آمین۔

جب کسی عالم دین کا انتقال ہو جاتا ہے تو اس کی موت پر زمین و آسمان آنسو بہاتے ہیں۔ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمتہ اللہ علیہ کا جب انتقال ہوا تو ان کی لاش پر آسمان نے بھی آنسو بہایا۔ جب کہ بارش کا موسم نہیں تھا۔ اس زمانہ کے شاعر احمد ہائم منصوری متوفی ۸۸۷ ھ نے کیا خوب کہا۔

قد بكت السماء على قاض القضاة بالمطر
و انهدم الركن الذى كان مشيدا من حجر

موصوف عالم دین کے ساتھ ساتھ مفتی دین بھی تھے اور آپ کے جوابات بہت ٹھوس مدلل اور جامع ہوا کرتے تھے۔ آپ کے جوابات پر علماء اہل حدیث اپنی گردنیں جھکا لیتے تھے۔ صاحب علم اور صاحب فتاوی دنیا سے رخصت ہو جاتا ہے تو اسلام میں رخنہ پڑ جاتا ہے۔ ایک عربی شاعر کہتا ہے۔

اذا مات ذو علم وفتوى
فقد وقعت من الاسلام ثلمة

جب کوئی مسئلہ در پیش ہوتا تو اکثر میں راقم " موصوف " کی طرف رجوع کرتا تھا۔ کبھی آپ جوابات اپنے قلم سے دیتے اور کبھی دوسروں سے املا کراتے۔ جب انتہائی مجبور ہو گئے تو معذرت کے ساتھ استفتاء لوٹا دیتے اور مستفتی کو تحریر فرماتے: کہ "صد افسوس ہے کہ آپ کا استفتاء بغیر جواب کے واپس کیا جارہا ہے - عفا اللہ عنی - میں عمر کے تقاضے اور عوارض کی وجہ سے لکھنے لکھوانے اور پڑھنے سے قاصر ہو رہا ہوں۔ اس وجہ سے آمدہ استفتاء اور خطوط بغیر جواب کے واپس کئے جارہے ہیں۔

بار الٰہی! تیرے دین متین کا خادم، تیرے رسول ﷺ کی سنت کا شارح وترجمان، بدعت کا قاطع، توحید کا علمبردار تیرے حضور میں حاضر ہے۔ رب العالمین تو مرحوم کی قبر کو انوار رحمت سے منور فرما اور اپنی جوار رحمت میں جگہ دے، آمین۔

ایسے ہی پاکباز اور پاک طینت شخص جن کی پوری زندگی کتاب وسنت کی اشاعت میں گذری ان کی شان میں اشعار پیش خدمت ہیں۔

شارح فرمودۂ شاہِ امم رخصت ہوا
تیغ توحید کا اہل قلم رخصت ہوا
وہ مولف تھا حدیث مصطفے کا ہند میں
جیسے دنیا سے کوئی شیخ حرم رخصت ہوا

وہ جو تھے شیخ الحدیث ......

از : مولانا فضل اللہ انصاری سلفی
بھوارہ ، مدھوبنی بہار

میں جامعہ سلفیہ بنارس میں زیر تعلیم تھا ، تعلیمی عرصے کا غالبا پہلا یا دوسرا سال تھا۔ عصر کی نماز کے بعد طلبہ آپس میں سرگوشی کر رہے تھے کہ شیخ صاحب تشریف لائے ہیں ، نگاہیں ان کی تلاش میں مضطرب تھیں اور سب ملنے کے لئے بے چین تھے کہ قریب بیٹھے اساتذہ وطلبہ کی ایک بڑی تعداد ان کے ساتھ اٹھی۔ پھر کیا تھا ، جامعہ کی پر شکوہ اور وسیع وعریض مسجد میں طلبہ نے ان سے شرف لقاء حاصل کرنے کے لئے دوسری صف لگانا شروع کردی اور ایسی بھیڑ یکجا ہوگئی کہ جیسے کوئی متاع گرانمایہ لٹ رہی ہو۔ سفید پوش نورانی چہرہ والا ایک شخص جم غفیر میں اسیر نہایت ہی شفقت ومحبت اور وقار وتمکنت کے ساتھ اساتذہ وطلبہ سے مل رہا ہے اور مل کر سب ایسے لوٹ رہے ہیں جیسے کوئی بیش بہا قیمتی چیز کھونے کے بعد مل گئی ہو۔ اس سعادت سے بھلا کون محروم ہوتا ، میں بھی کسی طرح ان سے ملا اور مصافحہ کر کے شرفیاب ہوا۔ قسم اللہ کی نظر ایک اور تاثرات انیک ، پوری شخصیت صفحہ قلب وذہن پہ ثبت ہوگئی اور انمٹ نقش بن گئی۔ گفتگو کوئی اور نہ کلام ، مگر دل دماغ ایک سلام سے بالکل رام ہوگیا۔

اس دن دیر تک طلبہ میں شیخ صاحب کے علم ، فن ، اخلاق واوصاف اور میزات وخصائص کا ذکر ہوتا رہا۔ جامعہ سے وہ پھر روانہ ہوگئے۔ مجھے کیا پتہ کہ پہلی ملاقات بابرکات کا اثر کھینچ کر کبھی شیخ صاحب کے گھر لے جائے گا اور ان کی صفت خاص ضیافت ومہمان نوازی سے لطف اندوز ہونے کا موقع ملے گا۔ اس دوران آبائی وطن (راگھونگر بھوارہ ، مدھوبنی۔ جماعت اہل حدیث کا ایک کثیر آبادی والا علاقہ ، جہاں ماضی میں مولانا عبد العزیز رحیم آبادی کا کاروان دعوت وتبلیغ خیمہ زن ہوتا تھا) کے عمر رسیدہ حضرات اور مبارکپور میں زیر تعلیم یہاں کے طلبہ سے خصوصا شیخ صاحب کے تواضع وانکسار ، ان کی عظمت ووقار ، خندہ روئی ووبھلملنساہت اور جذبہ ضیافت وایثار کے علاوہ دیگر اوصاف حمیدہ واخلاق کریمہ کے بارے میں بہت سننے کو ملا۔ مگر کان تھے کہ تھکتے نہ تھے ، اور دل تھا کہ بے قرار ، کب ان کے گھر جانے کا موقع

ملے اور اپنی آنکھوں سے یہ چیز دیکھنے کی سعادت حاصل ہو۔ بارہا ارادہ کیا، مگر ناکام رہا۔ البتہ عزم مصمم تھا کہ مادر علمی جامعہ سلفیہ سے ہی رخت سفر باندھوں گا۔

اس ارادہ کے ساتھ تعلیمی مدت کے تین مرحلے گذر چکے کہ حسن اتفاق سے ریاض (سعودی عرب) کے ایک علم دوست شیخ فیصل مرشد بمبئی سے بنارس تشریف لائے اور جامعہ میں ایک دن قیام کے بعد انہوں نے شیخ الحدیث عبید اللہ صاحب رحمانی سے ملاقات کی خواہش ظاہر کی۔ استاذ محترم جناب مولانا عبد الوحید صاحب رحمانی شیخ الجامعہ السلفیہ حفظہ اللہ کے حکم پر میں ان کو ساتھ لئے کار پہ سوار مبارکپور کے لئے روانہ ہو گیا۔ ایک عجیب شوق دیدار اور جذبہ زیارت کے ساتھ راستے کی صعوبات ومشکلات برداشت کرتے رات کے دس بجے شیخ صاحب کے گھر پہنچے اور دروازہ پر بے چین وبے قرار، تھوڑے سے انتظار کے بعد رات کی تاریکی میں پھر وہی نورانی چہرہ والا ہاتھ میں شمع دان لئے، دروازہ کھلنے کے بعد سامنے کھڑا نظر آیا تو میں لرز اٹھا اور سلام مسنون کے بعد جب سب گھر کے اندر داخل ہوئے تو دوسرے خالی ہاتھ سے انہوں نے چارپائی برابر کی اور بیٹھنے کو کہا۔ رات کی تاریکی میں تن تنہا از خود استقبال مہماں، خاکسارانہ وضع قطع اور علم وفن کی چوٹی پہ جلوہ افروز ایک شخص کا یہ انکسار جب عرب مہمان نے خصوصا دیکھا تو وہ ٹھٹھا گئے اور سرگوشی کی کہ کیا یہی شیخ الحدیث ہیں؟ واللہ زیارت کی مسرت وخوشی سے آنکھیں اشکبار اور چند بے بضاعت احقر بندوں کے تئیں ان کے اس آؤ بھگت سے حواس باختہ تھے، اور دل شرمندہ بھی، کتابوں سے اٹے گھر میں بیٹھے ہم لوگ مبہوت وحیران "شیخ صاحب" کے موضوع پر تھوڑی دیر ہی تو پنجہ بولے تھے کہ وہ ایک ہاتھ روٹیوں کا اور دوسرے ہاتھ میں سالن کا برتن لئے آتے دکھائی دیئے، تو میں اٹھ کھڑا ہوا بولا کہ یہ کیا کر رہے ہیں؟ زبان حال سے وہ حدیث رسول کی روشنی میں جواب دے رہے تھے کہ " من كان يومن بالله و اليوم الآخر فليكرم ضيفه " جو اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہے، اسے اپنے مہمان کی عزت کرنی چاہئے جسے صرف سنا تھا، اسے اب دیکھ کر شرمندہ ہوتے ہوئے بھی اتنی خوشی ہو رہی تھی کہ جی چاہ رہا تھا اپنے شیخ صاحب کو چوم لوں، ادھر عرب مہمان الگ حیرت واستعجاب میں گرفتار بار بار یہ سوال کر رہے تھے کہ کیا آپ ہی مشکوۃ المصابیح کی شرح لکھ رہے ہیں؟ میں ہاں کہتا اور شیخ صاحب خاکسارانہ لہجے میں فرماتے کہ " لست بجدير ولكن بتوفيق الله " درحقیقت علم کی یہی شان اور پہچان ہے کہ انسان اپنے علم وفن اور صلاحیت ولیاقت کے باوصف تواضع وانکسار اور اللہ پہ اعتماد وتوکل کا دامن نہ چھوڑے، تھوڑی بہت گفتگو کے بعد ہم لوگ سونے کے لئے وہاں سے چل دیئے پھر سونے سے پہلے دیر تک عرب شیخ ہند کے اس شیخ الحدیث کے اخلاق حمیدہ اور تواضع

وانکسار پہ گفتگو کرتے رہے ، صبح ہوئی تو فجر کی نماز کے بعد شیخ عبد الرحمٰن صاحب مبارکپوری سے ملاقات ہوئی ، جو رات گئے دیر سے سفر سے لوٹے تھے ، صبح ناشتہ کے بعد ہم لوگ جب واپس ہونے لگے تو شیخ صاحب دروزاہ تک الوداع کہنے چلے آئے ۔ رخصتی کے وقت دعائیں دیں اور سر پہ اپنا دست مبارک پھیرا ۔ دیدۂ ودل سب اشکبار تھے اور نہ چاہتے ہوئے بھی جدائی کا غم ہم سہتے واپس ہو گئے ۔

جامعہ جب پہنچے تو عرب شیخ فیصل مریشد نے سب سے پہلے مشکوۃ المصابیح کی شرح مرعاۃ المفاتیح کی موجود جلدیں خرید کر اپنے ساتھ لے جانے کا ارادہ کیا ۔ جامعہ سے فراغت کے بعد مدرسہ اسلامیہ میں تدریسی زندگی کے اوائل میں مشکوۃ المصابیح کے لئے جب مرعاۃ المفاتیح کی بعض جلدوں کا مطالعہ کیا تو اس سے بڑی مدد ملی اور بہت استفادہ کیا ۔ سہل و آسان اور جامع تشریح کہیں کوئی پیچیدگی اور نہ ہی بے جا طوالت واختصار ، عرب وعجم میں اسی کتاب کی وجہ سے ان کو عظمت وشہرت اور دنیائے حدیث میں مقبولیت حاصل ہوئی ۔ یہ ایک افسوسناک حقیقت ہے کہ شرح کا کام پایۂ تکمیل کو نہیں پہنچا ، مگر جو بھی ہے ، وہ ہمارے لئے قیمتی سرمایہ علم الحدیث ہے ، جس کی قدر اور جس سے استفادہ بہرحال ضروری اور بہتر ہے جماعت اہل حدیث کی یہ دینی وعلمی ذمہ داری ہے کہ وہ باقی کام کی تکمیل جماعت کے کسی جید عالم کے ہاتھوں کرائے ۔

شیخ صاحب جیسے عالم باعمل ، متواضع وخاکسار ، مہمان نواز وملنسار ، کتاب وسنت کے حامی وعلمبردار ، بلند پایہ محدث ، جامعہ سلفیہ کے رئیس اور جماعت اہل حدیث کے سرپرست کی وفات حسرت آیات کی خبر ۵ / جنوری بروز بدھ مغرب کی نماز کے لئے جاتے وقت مسجد کے دروازہ پر کسی نے دی تو پاؤں تلے سے زمین کھسک گئی ، اور سننے والوں پر سکتہ طاری ہو گیا انا للہ وانا الیہ راجعون ۔ میری زبان سے بے ساختہ یہ جملہ نکلا کہ جماعت اہل حدیث یتیم ہو گئی ۔ اللہ جماعت کی کفالت کرے ، شیخ صاحب رحمتہ اللہ علیہ کی مغفرت فرمائے اور ان کی جملہ دینی وعلمی اور دعوتی وجماعتی خدمات قبول فرمائے (آمین)

جا ملے مولیٰ سے اپنے وہ جو تھے شیخ الحدیث
جن کے دم سے تھا منور ہند میں علم الحدیث

یہ ممکن ہے کہ کوئی شیخ الحدیث پیدا ہو جائے ، مگر یہ بہت مشکل ہے کہ ہمارے شیخ الحدیث ” کی طرح کریمانہ اخلاق ، اوصاف حمیدہ اور بے مثال وباکمال میزات وخصائص کا حامل کوئی ہو جائے ۔

ذهب الذين يعاش في اكنافهم
بقي الذين حياتهم لا تنفع

وہ پیکر علم وعمل

عبد السمیع محمد ہارون انصاری
راگھونگر، بھوارہ، مدھوبنی بہار

وہ جنوری ۱۹۹۴ء کی ۵ / تاریخ تھی مغرب کی نماز کے لئے مسجد میں داخل ہوا۔ دیکھا کہ اذان کا وقت نہیں ہوا ہے۔ تاہم بہت سارے لوگ مجتمع اداس چہرہ باتیں کر رہے ہیں نزدیک گیا تو یہ معلوم ہوا کہ آج صبح شیخ الحدیث علامہ عبید اللہ رحمانی مبارکپوری کا انتقال ہو گیا انا للہ وانا الیہ راجعون۔ قلب وجگر اس روح فرسا خبر سے مضطرب اور بے چین ہوئے۔ کیوں؟ آنکھیں غمناک اور اشکبار ہو گئیں۔ کس لئے؟ یہ سب میں کچھ نہیں جان سکا، ہاں مگر اتنا ضرور جان سکا کہ در اصل یہ اضطراب وغم اس شمع علم حدیث کے بجھنے کے غم میں تھا جو نہ صرف جماعت حقہ جماعت اہل حدیث کے لئے بلکہ ملت اسلامیہ کے لئے سرمایۂ عز وناز اور باعث صد افتخار تھا۔ یہ آنکھیں اس نمونہ سلف کے فراق ابدی کے غم والم میں اشکبار اور نمناک تھیں جو جماعت اہل حدیث کا سر تاج تھا اور جو سلف صالحین کی طرح کتاب وسنت کا علمبردار اور اسلام کا سچا داعی تھا۔ آہ! ثم آہ--- اور آج جب ہم ان سطور کو قلم بند کر رہے ہیں ہم سراپا حزن اور یاس ہیں کیونکہ ہماری جماعت در حقیقت یتیم ہو گئی ہے۔ اللہ تعالی اپنی رحمت خاص سے اس جماعت کو ان کا نعم البدل عطا فرمائے، آمین۔

شیخ الحدیث علیہ الرحمتہ کے بارے میں اپنے اساتذہ کی زبانی بچپن سے سنا کرتا تھا ان کے بارے میں جن معتمدوں کے حوالے سے جو کچھ سنتا اور ان کی جو تصویر ذہن میں آتی وہ یہی کہ وہ علمی لیاقت کے ساتھ عملی زندگی میں سلف صالحین کا نمونہ ہیں ایسی ہستی اور عظیم شخصیت کو دیکھنے کا شوق پیدا ہونا فطری تھا۔ چنانچہ انہیں پہلی بار دیکھنے کا زریں موقع اس وقت ہاتھ آیا جب وہ ۱۹۸۲ء میں جامعہ سلفیہ بنارس میں طلبہ جامعہ کے ذریعہ اسٹرائک کرنے اور پھر انتہائی پیچیدہ صورتحال پیدا ہونے کی وجہ سے تشریف

لائے تھے ۔ یہاں بنارس میں میرا پہلا سال تھا اور عالمیت اول کا طالب علم تھا ۔ جامعہ کی وسیع وعریض اور عالیشان مسجد میں طلبہ جامعہ ناظم مرحوم مولانا عبد الوحید صاحب سلفی رحمتہ اللہ علیہ کی دعوت پر مجتمع ہوئے ۔ انہوں نے طلبہ سے شانتی اور خاموشی بنائے رکھنے کی اپیل کی اور وہ ان کی بات سننے اور پیش آمدہ مسئلہ کو حل کرنے کے لئے تیار تھے ۔ ساتھ ہی انہوں نے اپنے مختصر ، جامع اور درد انگیز بیان میں جماعت اہل حدیث ، اسلاف کرام اور جامعہ کی تاریخ ، مسائل ومشاکل اور قربانیوں کا ذکر کیا جو جامعہ کے قائم ہونے سے لیکر اس وقت تک وقوع پذیر ہو چکے تھے ۔ خدا گواہ ہے کہ ایسی بہت کم آنکھیں تھیں جو اس درد انگیز بیان سے اشکبار نہ ہوئی ہوں ۔ طلبہ مصر تھے ۔ آخر کار چھٹی کا اعلان ہوا ۔ اسی دوران ایک ساتھی نے کہا دیکھو وہی اپنے شیخ الحدیث صدر جامعہ اور سرپرست جماعت مولانا عبید اللہ رحمانی مبارکپوری مد ظلہ العالی ہیں ، سچ بالکل سچ ۔ جیسا سنا ویسا دیکھا اور پایا سراپا عجز وخلوص مکمل نمونۂ سلف بظاہر دبلا پتلا نحیف ولاغر جسم مگر بباطن علم حدیث کا موجزن سمندر ، یہی ہیں وہ ؟ ان کو رشک وتجسس ، شوق ومحبت کی نگاہوں سے بار بار اور ہزار بار دیکھ رہا تھا کہ ان کو پانی پینے کی ضرورت محسوس ہوئی ، کسی کو آواز دی ۔ ناظم مرحوم خود ہی اٹھ گئے اور ادب واحترام کے پیکر بنے پانی لیکر یوں جھک گئے جیسے کوئی جاں نثار وفداکار ۔ وہ یوں ہی کھڑے رہے ، چند ثانیوں ہی کے لئے سہی ، تا آنکہ انہوں نے پانی کا گلاس نہیں لے لیا ۔ میں حیرت وعبرت بنا اس منظر کو دیکھ رہا تھا کہ ایک طرف وہ ہستی سراپا ادب ونیاز اور نیم خم ہے جو دین اور دنیا ہر اعتبار سے مالا مال ہے جنہیں اللہ تعالی نے دولت دیں اور علم وعمل کے ساتھ دولت دنیا بھی پوری فیاضی سے عطا کی تھی وہ ایک شخص کی خدمت میں لگے ہیں جن کی خدمت کے لئے خود نہ جانے کتنے لوگ کمر بستہ رہتے ہوں گے ۔ دوسری طرف وہ عظیم شخصیت ہے جنہیں اللہ نے علم حدیث کی نعمت سے نوازا تھا ایک طرف رئیس شہر دوسری طرف عالم وقت ۔ یہ منظر از خود بڑا نصیحت آموز تھا ۔ ایسے میں وہ واقعہ یاد آیا جو خلیفہ ہارون رشید کے زمانہ میں پیش آیا ۔ اپنے وقت کے حدیث کے سب سے بڑے عالم خلیفہ کے شہر میں آتے ہیں ۔ سارا شہر ان کو دیکھنے اور ایک جھلک پانے کو بیتاب ہے ۔ ادب واحترام میں دیدہ ودل فرش راہ ہیں ۔ ایسے میں خلیفہ وہاں پہنچتے ہیں کسی کو ان کی فکر نہیں ہے ۔ خلیفہ عالم وقت کے پاس پہنچتے ہیں ۔ سراپا حیرت ورشک ہیں ۔ پوچھتے ہیں ، بتایئے یہاں ہم دونوں میں کون زیادہ عظیم اور پیارا ہے ۔ عالم

نے کہا آپ اے خلیفتہ المسلمین ۔ خلیفہ نے کہا نہیں۔ آپ ۔اپنے علم کی وجہ سے ......۔

شیخ الحدیث علیہ الرحمتہ صحیح معنوں میں اپنے علم و عمل کی وجہ سے اسی مقام پر تھے اور بنا بریں سبھوں کے چہیتے تھے ۔ در اصل وہ جماعت اہل حدیث کے روح رواں تھے ۔ ان کے بعد اب ان کی زندگی کے بارے میں بہت ساری اور نئی باتیں معلوم ہوں گی ۔ بہت سارے لوگ ان کے بارے میں اپنے تاثرات تجربات و مشاہدات کی روشنی میں بتلائیں گے ۔ میں ان کے بارے میں دیکھ سن کر جو کچھ کہہ سکتا وہ پورے وثوق اور یقین کے ساتھ یہ کہہ سکتا ہوں کہ ان کے وسیع علم اور عمل میں کوئی تضاد اور اختلاف نہ تھا گویا ان کی زندگی ان کے علم کے مطابق عمل کے پیکر میں ڈھل گئی تھی ۔ کم از کم ان سے ملاقات، گفتگو اور بات چیت کے بعد ہر کوئی کم وبیش اس چیز کو تو ضرور محسوس کر ہی لیتا۔ ان سے ملنے کے بعد ہر کوئی متاثر ہوتا خاکساری، مہمان نوازی وغیرہ جیسے مومنانہ اوصاف تو ان سے موسوم اور متصف ہو گئے تھے ۔ در حقیقت ان کی زندگی میں سلف صالحین کی صاف جھلک اور واضح عکس تھا۔ ان کی زندگی خود ان کی زندگی میں اور اب ان کے انتقال کے بعد ہمیں بتلا رہی ہے کہ انہیں دنیا اور اس کی فانی دولت ومادیت سے کوئی سروکار نہ تھا۔ نہ اس کے لئے کبھی شوق کا تصور بھی کیا۔ دلیل حاضر ہے ۔ وہ اپنے بعد ایسا کچھ بھی چھوڑ کے نہیں گئے جس سے معلوم ہو کہ امیر کبیر تھے ۔ اگر وہ چاہتے تو یہ چیزیں انہیں قدم قدم پہ دعوت دے رہی تھیں پھر اپنے علمی مقام اور حیثیت کے سہارے بہت کچھ جمع کر لیتے جیسے آج کل کے بلا امتیاز مسلک علماء حاصل کر لیتے ہیں در حقیقت وہ روحانیت اور دین کے طلب گار تھے دنیا کے نہیں اور جیسا کہ اسلاف کرام رحمہم اللہ کی زندگی میں مسائل اور مشکلات کے کئی دور گذرے وہی کچھ ان کی زندگی میں کم وبیش آیا۔ شیخ الحدیث علیہ الرحمتہ نے دین کی جو خدمت کی، علم حدیث کے لئے اپنی زندگی کو جس طرح وقف کر دیا وہ ہمارے اور آپ کے علم میں ہو یا نہ ہو اللہ کے علم میں ضرور ہے اور ان شاء اللہ وہ عمل ان کے لئے نجات اخروی اور حقیقی کامیابی کا ضامن ضرور بنے گا۔ تاہم انہوں نے مشکوۃ المصابیح کی شرح مرعاۃ المفاتیح لکھ کر دین کی اور علم حدیث کی جو خدمت کی ہے ان شاء اللہ وہ کارنامہ رہتی دنیا تک ان کے نام کو زندہ رکھنے کے ساتھ آخرت کے لئے بھی عظیم سرمایہ ثابت ہوگا۔

افادات

شیخ الحدیث رحمہ اللہ

شیخ الحدیث نمبر کی اشاعت کے تعلق سے متعدد جماعتی شخصیات سے شیخ الحدیث رحمہ اللہ کے خطوط بڑی تعداد میں موصول ہوئے، مکاتیب شیخ الحدیث کے عنوان سے ان خطوط کا دراسہ کسی مستقل مقالہ میں آئندہ کیا جائیگا، سر دست اس خصوصی شمارہ میں شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ کے بعض فتاوی شائع کررہے ہیں، ان میں فتوی (۱) حضرت مولانا عبد الروف رحمانی جھنڈانگری کے نام تحریر کیا گیا ہے، اور فتوی (۲) سے لے کر (۹) تک مولانا عبد الروف خاں ندوی تلشی پور گونڈہ کے نام تحریر کئے گئے ہیں، اور فتوی (۱۰) سے لے کر (۱۵) تک جناب مولانا عبد المنان صاحب مرشد آباد بنگال کے نام تحریر کئے گئے ہیں جو عزیزی مولانا عبد اللہ فاروقی سلفی کے بدست موصول ہوئے ہیں ؛ اور فتوی (۱۶) جماعت کے معروف شاعر جناب عبد الروف صاحب حیرت کے نام تحریر کیا گیا ہے۔

(۱) استسقاء سے متعلق چند مسائل

استسقاء کی نماز کے لئے میدان میں جانے کے موقع پر امام یا مقتدی کے ننگے سر جانے کی کسی روایت میں تصریح نہیں آئی ہے، صرف چادر اوڑھ کر جانے کا ذکر آیا ہے۔ لوگوں کے سر کھلے ہوئے تھے یا ڈھکے ہوئے؟ اس کی تصریح نہیں ہے۔ البتہ ثیاب بذلہ کام دھام کی حالت اور پرانے دھرانے کپڑوں میں خشوع و تواضع اور مسکنت کے ساتھ میدان میں جانے سے اشارۃ یہ نکلتا ہے کہ سر پر ٹوپی یا پگڑی یا رومال جو زینت کے لباس ہیں نہیں تھے واللہ اعلم۔

نمبر ۲ : ہاں پشت کف کو دعا کی حالت میں اتنی اونچی اٹھالینا کہ بغل دکھائی دینے لگے سنت ہے۔ اور یہ طریقہ دعا میں امام اور مقتدی دونوں کے لئے مشروع ہے۔

نمبر ۳ اس موقع پر چادر کا استعمال کرنا اور اس کو اسطرح الٹنا کہ نیچے کا حصہ اوپر ہوجائے اور اوپر کا حصہ نیچے اور دائیں جانب کا حصہ بائیں جانب ہو جائے اور بائیں جانب کا حصہ دائیں جانب ہوجائے

امام اور مقتدی دونوں کے لئے مشروع و مسنون ہے

۴ : صبح کو طلوع آفتاب یعنی وقت مکروہ نکل جانے کے بعد نماز استسقاء کا وقت شروع ہو جاتا ہے۔ ویسے دن میں اوقات مکروہ کے علاوہ ہر وقت پڑھی جا سکتی ہے۔

۵ : خطبہ نماز سے پہلے دیا جائے یا بعد میں دونوں جائز ہے لیکن ارجح اور اولی یہ ہے کہ نماز کے بعد دیا جائے۔ میدان میں پہونچ کر امام لوگوں کے ساتھ نماز فجر کی طرح دو رکعت نماز ادا کرے پھر لوگوں کو وعظ کہے اور آخر وعظ میں قبلہ رو ہو کر چادر کو مذکورہ طریقہ پر الٹ دے اور ہاتھ اٹھا کر بلند آواز سے دعا شروع کر دے اور مقتدی بھی اس کے ساتھ اپنی چادروں کو الٹیں اور ہاتھ اٹھا کر امام کے دعائیہ جملوں پر آمین کہیں - پھر امام دعا ختم کر کے مقتدیوں کی طرف رخ کر کے خطبہ پورا کرے - واللہ اعلم -

عبید اللہ رحمانی مبارکپوری

۶۵/۱۰/۹ء

(۲) "فلم خانۂ خدا" اور دیگر فلموں کا حکم

سوال : ایک فلم خانۂ خدا ہندوستان کے بعض شہروں میں چل رہی ہے۔ جس میں حج کا پورا نقشہ طواف، سعی، منی، مزدلفہ، میدان عرفات کا منظر اور حج کرتے ہوئے لاکھوں مسلمانوں کو دکھلایا گیا ہے البتہ گانا بجانا اور دوسری لغویات سے پرہیز کیا گیا ہے ہندوستان کے چند شہروں میں مسلمانوں نے احتجاج کر کے بند بھی کرایا ہے دہلی میں دیسائی فلم کمپنی فلم خانۂ خدا چلانے کے لئے ایڑی سے چوٹی تک کا زور لگا رہی ہے مسلمانوں کو آمادہ کرنے کے لئے کئی دفعہ مسلم نمائش کر چکی ہے سوال یہ ہے کہ مسلمانوں کو یہ فلم دیکھنا چاہئے یا نہیں ؟ اور اس کے روپیہ کو دینی اداروں میں صرف کرنا کیسا ہے ؟ قرآن و حدیث کی روشنی میں مدلل جواب سے آگاہ کیجئے -

سائل : عبد الرؤف خان ندوی

جواب :

حج فلم ہو یا کوئی اور افسانوی فلم جس میں ذی روح اشیاء کو فلمایا گیا ہو اس کا بنانا اور دیکھنا دکھلانا سب خلاف شرع ہے - فلم کی بنیادی چیز تصویر کشی ہے اس میں ذی روح اور غیر ذی روح دونوں کے فوٹو لئے جاتے ہیں اور کسی بھی جاندار چیز کی تصویر کشی چاہے قلمی ہو یا عکسی شرعا ممنوع ہے الا عند الضرورۃ الملجئہ - اس بارے میں شریعت نے چھوٹی اور بڑی ، خفی اور جلی ، باریک اور واضح ، عکسی اور غیر عکسی کے درمیان کوئی فرق نہیں کیا ہے ومن ادعی الفرق فعلیه البیان بالدلیل - قال ابن رجب فی فتح الباری شرح صحیح البخاری. الصور للتأسي برؤيتها أو للتنزه بذلك والتلهي حرام وهو من الكبائر وفاعله من أشد الناس عذابا يوم القيامة فانه ظالم ممثل بافعال الله التي لا يقدر على فعله غيره (الكواكب الدراري في شرح صحيح البخاري مخطوطة كتب خانه ظاهرية دمشق مجلد ٦٥ /٨٢/ ٢)

حج فلم ہو یا اور کوئی فلم اس کے بنانے اور تیار کرنے اور لوگوں کو دکھانے کی کوئی وجہ وضرورت نہیں ہے آج کل دنیا پر مادیت اور ہوس زر غالب ہے ، جلب زر کے لئے مختلف طریقے ایجاد کئے جاتے ہیں - فلم انڈسٹری کی صنعت بھی اسی نوع کی ہے - اس کے نتائج بد اور اخلاقی بگاڑ سے لاف سرمایہ داروں اور اباحیوں کو اس سے کیا غرض ؟

جس طرح دوسری فلمیں لہو ولعب اور تفریح کے مقصد سے بنائی اور دکھائی جاتی ہیں اسی طرح حج فلم بھی محض تفریح اور جلب زر کے لئے تیار کی گئی ہے - اس کے دیکھنے والوں کا مقصد تفریح وتماشہ بینی کے سوا اور کچھ نہیں ہوتا - حج فلم کی تیاری اور اس کی نمائش اس عظیم الشان اسلامی عبادات اور دینی وملی شعور کے ساتھ ایک قسم کا مذاق ہے جیسے اسرائیل یا بی بی سی لندن ، وائس آف امریکہ ، پیرس ریڈیو وغیرہ کا بھاڑے کے خوش گلو قاریوں کی قرائت کا نشر کرنا ایک مذاق اور تخول سے زیادہ کچھ نہیں -

کسی بھی مسلم حکومت یا اس کے باشندوں کا کوئی خلاف شرع فعل وعمل اور قانون ہمارے لئے حجت ودلیل نہیں ہوسکتا ، چاہے اس کا تعلق ملکی نظم ونسق سے ہو یا پرسنل لا (احوال شخصیہ) سے یا

حدود واموال سے یا تحدید نسل سے یا زندگی کے کسی اور معاملہ سے، حجت ہمارے لئے صرف کتاب وسنت اور اجماع ہے۔ فلم انڈسٹری کے ذریعہ کمایا ہوا روپیہ دینی کاموں میں صرف کرنا عند اللہ غیر مقبول ہے۔ واللہ اعلم۔

عبید اللہ رحمانی مبارکپوری

۲/رجب ۸۸ھ

(۳) زمین میں شرکت کا ایک مسئلہ

سوال:

زید وبکر چچیرے بھائی ہیں، ان کے پاس آبائی آراضی ہے، سابقہ دستور کے تحت زمین صرف بڑی اولاد کے نام منتقل ہوتی تھی چنانچہ زمین زید کے نام منتقل ہوئی البتہ عملا دونوں فریقین میں نصفا نصف بٹوارہ تقریبا آج سے ۴۵ سال پیشتر ہوگیا، ۳۰ سال بعد بکر نے کاغذی بٹوارہ کرنے کے لئے عدالت کی طرف رجوع کیا عدالتی منازل کی بادیہ پیائی اور اعزہ واقارب کے سمجھانے بجھانے پر فریقین کے درمیان عدالت میں نصفا نصف پر صلح ہوگئی اور فریقین کے نام الگ الگ کھاتے قائم ہوگئے۔

امسال چکبندی شروع ہوئی تو قبضہ کی بنیاد پر کچھ نئی معمولی آراضی بکر کو مزید مل گئی جس میں زید کی کوئی شرکت نہیں ہے، اس طرح بکر کا کچھ حصہ مقابلتا زیادہ ہوگیا، اب زید اس میں حصہ طلب کرتا ہے اور بکر انکار کرتا ہے۔

درج بالا مسئلہ میں قرآن وحدیث کی روشنی میں کیا زید واقعی پانے کا مستحق ہے، بینوا وتوجروا۔

سائل: عبدالرؤف ندوی

معرفت صدر دفتر ضلعی جمعیت تھانہ روڈ تلسی پور ضلع گونڈہ

جواب

اگر واقعہ کی صورت وہی ہے جو سوال میں ظاہر کی گئی ہے تو چکبندی کے موقع پر کسی قانونی گنجائش کی بنا پر بکر کو جو نئی اراضی مل گئی ہے وہ کل کی کل صرف بکر کی ملکیت ہے، زید کا اسمیں حصہ طلب کرنا درست نہیں ہے اور بکر کا انکار کرنا درست اور ٹھیک ہے۔ جیسے اس کے برعکس صورت میں یعنی چکبندی کے وقت زید کو کچھ نئی زمین مل جاتی تو وہ صرف زید کی ملک ہوتی اور اس میں بکر کا کوئی حق نہ ہوتا، اسی طرح صورت مذکورہ فی السوال میں بکر کے حاصل شدہ زمین میں زید کا بھی کوئی حق نہیں ہے۔ البتہ اگر عملی اور کاغذی بٹوارہ سے پہلے چک بندی ہوئی ہوتی اور اس وقت کسی بنا پر کچھ نئی زمین مل جاتی تو دونوں (زید اور بکر) اس نئی اراضی میں برابر کے شریک ہوتے اور جب یہاں عملی اور کاغذی بٹوارہ کے بعد چکبندی کے وقت کسی وجہ سے ملی ہو تو جسکو ملی ہے صرف اسی کی ملک ہوگی، اس میں کسی دوسرے کا کوئی حق نہیں ہوگا۔ اس بارے میں لحاظ صرف موجودہ حالت اور وقت کا ہوگا۔ ہذا ما عندی واللہ اعلم۔

عبید اللہ رحمانی مبارکپوری
۱۸/۸/۹۳ھ

(۴) وتر میں دعاء قنوت کب اور کس طرح؟ میت کو لوبان کی دھونی؟ نماز جنازہ اور دفن کے بعد اسی وضو سے فرض یا نفل پڑھنا۔

سوال: ۱- وتر میں دعاء قنوت کب اور کس طرح پڑھنی چاہئے؟ نیز کون سی دعا پڑھنی چاہئے؟ اللھم

اهدني الخ يا اللهم انا نستعينك الخ

۲- میت اور اس کے کفن کو لوبان وغیرہ کی دھونی دی جا سکتی ہے کہ نہیں ؟

۳- نماز جنازہ پڑھنے اور میت کو دفن کرنے کے بعد اسی وضو سے فرض یا نفل نماز پڑھ سکتے ہیں یا نہیں ؟

سائل : عبد الرؤف ندوی

تلشی پور - گونڈہ

جواب

۱- نماز وتر میں دعاء قنوت رکوع سے پہلے قراءت کے بعد اور رکوع سے سر اٹھانے کے بعد دونوں جائز ہے - لیکن رکوع سے پہلے اولی اور زیادہ بہتر ہے - رکوع سے پہلے قنوت پڑھنے کے بارے میں متعدد مرفوع روایتیں آئی ہیں اور ان میں سے بعض صحیح اور معتبر ہیں اور رکوع سے پہلے قنوت کے بارے میں صرف ایک مرفوع روایت مستدرک حاکم اور سنن کبری بیہقی میں مروی ہے، لیکن اس روایت میں لذا رفعت راسی ولم یبق الا السجود کے الفاظ محفوظ نہیں ہیں - اسی لئے شافعیہ نے قنوت بعدالرکوع کے ثبوت کے لئے بعض صحابہ کے آثار اور قنوت نازلہ پر قیاس کا سہارہ لیا ہے، تفصیل مرعاۃ جلد ۲ ص ۲۱۳ میں ملاحظہ کی جائے -

رکوع سے پہلے قنوت پڑھنا ہو تو قراءۃ ختم کرنے کے بعد نیت باندھے ہوئے دعاء قنوت پڑھ لی جائے یا دونوں ہاتھوں کو اٹھا کر قنوت پڑھی جائے، جیسے عام دعاؤں کے وقت ہاتھ اٹھا کر دعا پڑھی جاتی ہے - اور اگر رکوع کے بعد قنوت پڑھنا ہو تو ہاتھ چھوڑے ہوئے یا دونوں ہاتھوں کو اٹھا کر پڑھی جائے - دونوں جائز ہے -

قنوت وتر میں مذکورہ دونوں دعاؤں کا پڑھنا جائز ہے لیکن پہلی دعا یعنی اللھم اھدنی کا پڑھنا زیادہ بہتر ہے - کیونکہ اس دعا کی آنحضور ﷺ نے خود تلقین فرمائی ہے اور اللھم انا نستعینک کا پڑھنا

صرف بعض صحابہ یعنی حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ اور حضرت ابن عمرؓ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہم سے مروی ہے۔ اور اس بارے میں جو مرفوع روایت آئی ہے وہ مرسل ہے۔ تفصیل مرعاۃ جلد ۲ ص ۲۱۲ میں ملاحظہ کی جائے۔

۲- میت کے کفن کی دھونی دینے کے بارے میں کسی کا اختلاف نہیں ہے، یہ بالاتفاق جائز ہے، بیہقی میں حضرت جابر سے مرفوعا مروی ہے۔

أجمروا كفن الميت ثلاثا ، اور حضرت اسماء بنت ابی بکر سے مروی ہے کہ انھوں نے اپنے گھر والوں سے کہا أجمروا ثيابي إذا مت ثم حنطوني ولا تذروا على كفني حنوطا اور ابن قدامہ مغنی میں لکھتے ہیں ، واوصى أبو سعيد ' وابن عمر وابن عباس عن تجمر أكفانهم بالعود (ج ۲ ص ٤٦٤) مردے کو حنوط یا مشک یا کوئی بھی عطر لگانا مسنون ہے ، اس بارے میں کسی کا اختلاف نہیں ہے ، لیکن خود مردہ کو اگر یا لوبان وغیرہ کی دھونی دینے کے بارے میں (جس کی صورت یہ ہو سکتی ہے) کہ جس چارپائی پر مردہ کو غسل دیا جائے یا جس پر اسے کفنانے کے لئے رکھا جائے ، اس چارپائی کو چاروں طرف سے اور اس کے نیچے دھونی دی جائے . یا خود میت کے چاروں طرف دھونی والی چیز (لوبان یا اگر وغیرہ) گھما اور پھرا دی جائے اس میں علماء کا اختلاف معلوم ہوتا ہے حنابلہ خود میت کو بھی دھونی دینے کے قائل معلوم ہوتے ہیں - ابن قدامہ لکھتے ہیں : وقال أبو هريرة يجمر الميت ولأن هذا عادة الحي عند غسله وتجد يد ثيابه أن يجمر با لطيب والعود فكذالك الميت . انتہی - اور یہ لوگ اپنی دلیل میں ایک مرفوع حدیث پیش کرتے ہیں جو مسند احمد ج ۳ ص ۳۳۰ ص ۳۳۱ اور سنن کبری بیہقی ج ۳ ص ۴۰۵ میں مرفوعا بایں الفاظ مروی ہے ، إذا أجمر تم الميت فأجمروه ثلاثا - لیکن امام بیہقی نے اس روایت کے بعد یحیی بن معین سے ان کا یہ کلام نقل کیا ہے ، لم يرفعه إلا يحي بن ادم ولا اظن هذا الحديث إلا غلطا یعنی اس حدیث کا مرفوع مروی ہونا غلط ہے ، صحیح یہ ہے کہ یہ روایت حضرت جابر سے موقوفا مروی ہے - یہ لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ جس روایت میں اجمرو المیت کا لفظ ہے اس سے مراد " اجمروا کفن المیت ہے جیسا کہ بعض روایات میں آگیا ہے ،

والروایات یفسر بعضها بعضا - لیکن علامہ ماردینی نے الجوہر النقی میں ابن معین کے مذکورہ کلام پر یہ تنقید کردی ہے - کان ابن معین بناه علی قاعدة اکثر المحدثین انه اذا روی الحدیث مرفوعا وموقوفا فالحکم بالوقف والصحیح الحکم بالرفع لانه زیادة ثقة ولا شك فی توثیق یحی بن ادم کذا ذکر النووی والحاکم صحح هذا الحدیث - انتهی

ہمارے نزدیک اگر میت کو بھی دھونی دیدی جائے جسکا طریقہ اوپر بیان کیا گیا ہے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں ۔

۳ - جنازہ کی نماز کے لئے جو وضو کیا گیا ہو ، اس سے نماز جنازہ اور دفن کے بعد فرض نماز ادا کرنا جائز ہے ، منع یا کراہت کی کوئی شرعی وجہ نہیں ہے ، هذا ما عندی والله اعلم بالصواب۔

املاہ : عبید اللہ الرحمانی مبارکپوری

۹ / ذوالقعدۃ ۹٦ھ

(۵) غیر مسلم کے لئے عشر وزکوۃ اور صدقۂ فطر نہیں مد عشر سے قرض کا حکم

سوال نمبر ۱ زید کے پانچ مستقل آدمی ہیں جو زراعت کا کاروبار کرتے ہیں ان کو قرضۂ غلئی یا نقدی دیا جاتا ہے ، فصل پیدا ہونے پر وصول لیا جاتا ہے ، اگر ان ملازمین کو کسی وقت ضرورت پڑے تو کیا عشر وزکوۃ سے امداد کی جاسکتی ہے ، چاہے مسلم ہو یا غیر مسلم ہو ، بینوا توجروا۔

سوال نمبر ۲ احمد کا زید پانچ سو روپیہ کا قرضدار ہے احمد اس کو پانچ سو روپیہ مد عشر سے دینا چاہتا ہے ، لیکن زید احمد کو خاموشی سے بغیر عشر بتائے ہوئے اس کو رقم دے کر وصول لے تو کیا ایسا کرنا جائز ہے آیا نہیں ؟ بینوا توجروا ۔

سائل : دفتر جمعیت اہل حدیث ضلع گونڈہ
واقع تھانہ روڈ قصبہ تلشی پور ضلع گونڈہ

جواب :

۱- غیر مسلم کو عشر وزکوۃ ، صدقہ الفطر کسی حال میں بھی دینا جائز نہیں ہے اور اپنے غریب مسلمان ہلواہی یا ملازم کو عشر وزکوۃ و فطرہ دیا جاسکتا ہے ، بشرطیکہ ایسا کرنے کی صورت میں اسکا کوئی فائدہ بالواسطہ یا بلا واسطہ خود اپنے کو نہ پہونچے-

۲- مرقومہ صورت درست نہیں ہے ، البتہ اگر یہ مقروض ایسا کمزور حال ہے کہ قرض کی ادائیگی کی کوئی صورت نہیں رکھتا اور زکوۃ کا شرعی مصرف نہیں ہے ، تو احمد زید کو یہ بتاکر کہ مذکورہ رقم مد زکوۃ یا عشر کی ہے اور تم اس کو لیکر اسمیں جو تصرف چاہو کر سکتے ہو اسے زید کو دینا درست ہوگا اس کے بعد زید اپنے خوشی سے احمد کو اپنے ذمہ قرض کی ادائیگی میں یہ رقم دیدے تو احمد کے لئے اسکا لینا درست ہوگا-

ہذا ما عندی والعلم عند اللہ تعالی

عبید اللہ رحمانی مبارکپوری

۱۶ / ۳ / ۹۳ھ

(۶) نصف شعبان کے بعد روزہ رکھنا ، مقام رویت ہلال کے مشرق ومغرب میں رویت کا حکم ، ریڈیو کی خبر ، سخت بڑھاپے یا سخت بیماری میں روزہ رکھنے ، ختنہ کی دعوت ، نذر کی دعوت ، امام کا سترہ اور تورک وافتراش کا حکم۔

جواب :

۱- نصف شعبان کے بعد روزہ رکھنے کی ممانعت والی حدیث جو مسند احمد ، ابو داؤد ، ترمذی ، ابن ماجہ ، دارمی اور بیہقی میں حضرت ابوہریرۃ ؓ سے مروی ہے وہ اس شخص کے حق میں ہے ، جو شعبان کے نصف اول میں

روزہ نہ رکھے اور نصف شعبان کے بعد رکھنا چاہے بخلاف اس شخص کے جو نصف اول میں بھی روزہ رکھ رہا ہو تو اس کو اجازت ہے کہ نصف آخر میں بھی روزہ رکھے - جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس ماہ میں کثرت سے روزہ رکھتے تھے ، یعنی نصف اول اور نصف آخر دونوں میں روزہ رکھا کرتے تھے - یا یہ کہ ممانعت والی حدیث اس شخص کے حق میں ہے جو بلا کسی سبب کے نصف رمضان کے بعد روزہ رکھنا چاہے - پس اگر کسی شخص کی ہر مہینہ کے نصف آخر میں روزہ رکھنے کی عادت ہو تو وہ اپنی اس عادت کے مطابق شعبان کے نصف آخر میں بھی روزہ رکھ سکتا ہے اور ایسا شخص ممانعت والی حدیث سے مستثنی ہے ، واللہ اعلم -

۲- مقام رویت ہلال کے مشرق میں جو لوگ کم و بیش پانچ سو میل کی مسافت پر رہتے ہوں ان کے حق میں اس مغربی مقام کی رویت شرعا معتبر ہوگی بشرطیکہ رویت کی اطلاع شرعی قاعدہ کے مطابق ان لوگوں تک پہنچے - اور مقام رویت کے مغرب میں جو لوگ واقع ہوں ان کے حق میں مشرقی مقام کی رؤیت بلا لحاظ کسی مسافت کے معتبر ہوگی - خلاصہ یہ ہے کہ اپنے یہاں سے مشرق میں واقع مقام کی رویت کے اعتبار کے لئے کسی مسافت کی قید نہیں ہے وہ ہر حالت میں مغرب والوں کے لئے معتبر ہوگی - چاہے وہ کتنی ہی دوری پر کیوں نہ ہو ، بشرطیکہ یہ اطلاع غیر بلدۂ رویت تک شرعی قاعدہ کے مطابق پہنچے -

ریڈیو کی خبر اسی وقت مانی جائیگی ، جبکہ ہلال کمیٹی کا کوئی رکن خود ریڈیو سے اعلان کرے یا اس ہلال کمیٹی کا حوالہ دیکر اس کی اجازت سے سرکاری اناؤنسر ہلال کمیٹی کے فیصلۂ رویت کا اعلان کرے -

۳- ایسا آدمی جو بڑھاپے کیوجہ سے روزہ رکھنے کی طاقت نہ رکھے یا ایسا بیمار جو کسی مزمن بیماری کی وجہ سے روزہ رکھنے کی بالکل طاقت نہ رکھتا ہو اور اس کی صحت یابی یا روزہ رکھنے کے لائق ہونے کی امید بالکل منقطع ہو گئی ہو وہ ہر روزہ کے بدلے ایک مسکین کو کھانا کھلا دیا کرے یا دو مد گیہوں دے دیا کرے -

۴- عہد نبوت اور عہد صحابہ میں ختنہ کی دعوت کرنے کا معمول نہیں تھا - لیکن اگر اتفاقی طور پر بلا کسی تکلف اور خاص اہتمام کے کچھ خاص عزیزوں اور دوستوں کو ختنہ کی دعوت دیدی جائے ، تو

مضائقہ نہیں جیسا کہ حضرت سالم بن عبد اللہ بن عمر ؓ فرماتے ہیں ختني ابن عمر أنا ونعيما فذبح علينا كبشا فلقد رأيتنا وإنا لنجذل به على الصبيان أن ذبح عنا كبشا (الأدب المفرد للبخاری ' وابن أبي شيبة في المصنف)

۴- مردہ کو ثواب پہنچانے کے لئے بغیر کسی دن اور مہینہ کی تعیین کے دعوت کرنا بلا شبہ جائز ہے، لیکن چونکہ یہ دعوت نفلی صدقہ ہے، اس لئے اس میں وہی لوگ شریک ہو سکتے ہیں جو صدقات وخیرات کا مصرف اور اس کے مستحق ہوں- مدرسہ کے اساتذہ اگر غریب ہوں، یعنی غنی نہ ہوں تو ایصال ثواب کی دعوت میں شریک ہو سکتے ہیں-

۵- نذر کی کسی بھی چیز یا دعوتی کھانے کے مصرف غرباء ہیں، پس اگر مدرسہ کے استاذ غریب ہوں تو مذکورہ نذر کی دعوت میں شریک ہو سکتے ہیں- البتہ اگر بیمار نے نذر اسطرح مانی ہے کہ میں صحت یاب ہونے پر غریبوں کی نیز اپنے عزیزوں اور دوستوں اور بزرگوں کی دعوت کرونگا خواہ وہ غنی ہوں یا غریب تو اس صورت میں تمام مدعو لوگ اس نذر کی دعوت میں شریک ہو سکتے ہیں، چاہے وہ غنی ہوں یا غریب- ایسی دعوت میں بلا شبہ اساتذہ بھی بلا لحاظ فقر وغنا کے شریک ہو سکتے ہیں-

۶- نمازی کے آگے سے گزرنا عرضا یعنی دائیں سے بائیں یا بائیں سے دائیں جانا منع ہے- اس کے دائیں یا بائیں پہلو سے جاکر اس کے آگے کھڑا ہو جانا یا وہاں جاکر بیٹھ جانا یا اس کے آگے بیٹھا ہوا ہو تو وہاں سے اٹھ کر اور آگے چلا جانا یا وہاں سے اٹھکر اس کے دائیں یا بائیں پہلو آجانا اس کی ممانعت صراحتہ کسی حدیث میں نہیں ہے، لیکن احتیاط اس میں ہے کہ ایسا کرنے سے بھی پرہیز کیا جائے۔

۷- امام کا سترہ مقتدیوں کے لئے کافی ہے، امام کے پیچھے صف میں کھڑے اشخاص کو الگ سے اپنے لئے سترہ رکھنے کی ضرورت نہیں ہے سترة الامام سترة لمن خلفه پس اگر کوئی شخص مقتدیوں کے سامنے اور امام کے سامنے واقع سترہ سے باہر سے گزرے تو اس پر کوئی مواخذہ نہیں اور نہ ایسا کرنے سے کسی کی نماز میں کوئی خلل واقع ہوگا-

۸- تورک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے فعلا صرف دو قعدہ والی نماز میں اور وہ بھی آخری قعدہ میں ثابت ہے - دو رکعت والی نماز کے قعدہ میں تورک کرنے کے بارے میں کوئی صریح روایت نظر سے نہیں گزری پس دو رکعت والی نماز کے قعدہ میں اختیار ہے کہ تورک کیا جائے یا افتراش پر عمل کیا جائے دونوں جائز ہے - واللہ اعلم -

املاہ : عبیداللہ الرحمانی المبارکفوری

۲۶ / ۸ / ۹۶ھ

(۷) جس عورت کا شوہر مر جائے وہ اپنے شوہر کو غسل دے سکتی ہے

جواب : عورت متوفی عنہا زوجہا کا اپنے مردہ شوہر کو غسل دینا باتفاق امت جائز اور درست ہے اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے پس ہندہ اپنے شوہر زید کو غسل دے سکتی ہے اگر چہ زید میت کے بھائی اور لڑکے وغیرہ موجود ہوں - زید کی بیوہ اس کو غسل دینے میں اس کے بھائی اور لڑکوں کے ساتھ شریک ہو جائے - جو لوگ اس کے خلاف ہیں یا اس کے جواز میں شبہ کرتے ہیں غلطی پر ہیں -

قال ابن المنذر اجمع اهل العلم على ان المرأة تغسل زوجها اذا مات قالت عائشة رضی اللہ عنها لو استقبلنا ما استدبر نا ما غسل رسول الله صلى الله عليه وسلم الا نساءه (رواه ابو داؤد) واوصى ابو بكر رضي الله عنه ان تغسله أمراته اسماء بنت عميس و كانت صائمة فعزم عليها ان تفطر فلما فرغت من غسله ذكرت بميته فقالت لا اتبعه اليوم حنثا فدعت بماء فشربت و غسل ابا موسى امرأته ام عبد الله واوصى حابر بن زيد ان تغسله امرأته قال احمد ليس فيه اختلاف بين الناس (المغني ٢٤٠ـ ٥٢٣)

عبيد الله رحماني مباركفوري

١٥ شعبان ٨٩هـ

(۸) تقسیم وراثت کا ایک مسئلہ ، عورت کو سسرال سے ملے زیورات عورت کی ملک ہیں یا نہیں ؟

سوال نمبر ۱ : متوفی زید کے وارثین میں ایک بیوہ ، ایک لڑکی ، تین سگے بھائی زندہ ، دو انتقال شدہ بھائیوں سے بالترتیب تین اور ایک بھتیجے ہیں سبھی بھائیوں کا باہمی بٹوارہ پہلے سے ہے بیوہ مذکورہ متوفی کے ایک بھائی سے نکاح بھی کرنا چاہتی ہے ، ایسی صورت میں ترکہ کس طرح تقسیم ہوگا ، بینوا توجروا۔

(۲) ایک عورت بیوہ ہو جانے کے بعد اپنے میکے چلی آئی ہے اور شادی میں جو زیورات سسرال والوں کی طرف سے اس کو ملے تھے وہ بھی اپنے ساتھ لائی ہے اور اب عقد ثانی کرنا چاہتی ہے ، ایسی صورت میں وہ زیورات اس کو ملیں گے یا سسرال والوں کو ؟ بینوا وتوجروا۔

سائل : عبد الرؤف ندوی ، تلشی پور

جواب :

نمبر ۱ - ترکہ زید متوفی کا بعد تقدیم ما وجب تقدیمہ علی الارث ورفع موانعہ آٹھ سہام پر منقسم ہو کر از آں جملہ ایک سہم اس کی بیوہ کو اور چار سہام اس کی لڑکی کو ملیں گے اور بقیہ تین سہاموں میں سے ایک ایک سہم اسکے ہر ایک سگے بھائی کو ملے گا - بھتیجے محروم ہوں گے - واضح رہے کہ اگر زید نے اپنی بیوی کا مہر زندگی میں ادا نہ کیا ہو تو اس کو کل ترکہ میں سے پہلے اداء دین مہر ادا کیا جائے گا الا یہ کہ بیوی نے بخوشی بلا کسی دباؤ کے مہر معاف کر دیا ہو یا اب معاف کر دے - اور اگر زید نے کسی غیر وارث کے حق میں مالی وصیت کی تھی تو دین مہر کی ادائیگی کے بعد جو کچھ بچے گا اس سے تہائی ترکہ کے اندر وصیت پوری کی جائے گی اس کے بعد جو کچھ بچے گا وہ حسب تصریح بالا ورثہ مذکورین کے درمیان تقسیم کیا جائے گا

صورة التخریج ھکذا

زید مسئلہ ۸

میت

زوجہ	بنت	اخوۃ عینی	ابناء الاخوین
۱	۴	۳	م

(نمبر ۲) اگر اس علاقہ کے عرف و دستور میں یہ بات ہے کہ تمام مرد و عورت، شوہر کی طرف سے بیوی کو پہنائے زیورات کو ہبہ اور بیوی کی ملک سمجھتے ہیں تو یہ زیورات شرعا بھی عورت کی ملک قرار پائیں گے، سسرال والوں کو ان زیورات کے واپس لینے کا حق نہیں ہوگا اور اگر عرف ورواج اس کے خلاف ہے یعنی تمام لوگ ایسے زیورات کو عورت کے حق میں محض عاریت (برائے استعمال) سمجھتے ہیں اور تملیک وہبہ نہیں سمجھتے تو اس صورت میں یہ زیورات عورت کی ملک نہیں ہوں گے لہذا سسرال والوں کو انکے واپس لینے کا حق ہوگا - ہذا ما عندی واللہ اعلم -

عبید اللہ رحمانی مبارکپوری

۴ / ۷ / ۹۱ھ

(۹) عشر وزکوۃ صدقۂ فطر اور چرم قربانی سے عصری تعلیم کے اسکول وکالج اور مدارس ومکاتب کے مصارف برداشت کرنے کا حکم

سوال : عشر وزکوۃ وصدقۂ فطر وچرم قربانی کی مدد سے آزاد جونیر ہائی اسکول کے مصارف کو برداشت کرنا جائز ہے یا نہیں اس علاقہ میں کچھ مدارس ایسے ہیں جن میں سرکاری نصاب کے مطابق درجہ ہشتم تک تعلیم دی جاتی ہے اردو کو لازمی طور پر شامل نصاب رکھا جاتا ہے

قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب سے نوازیں

عبد الرؤف ندوی

دفتر ضلعی جمعیت اہل حدیث گونڈہ

جواب :

عشر وزکوۃ کے مصارف قرآن کریم میں صراحتا مذکور ہیں ان میں ایک مصرف "فی سبیل اللہ" بھی ہے اور "سبیل اللہ" سے مراد رائج الوقت اسلحہ کے ذریعہ خلیفتہ المسلمین یا اس کے مامور کی ماتحتی میں کافر حربیوں سے جہاد کرنے والے مسلمان اور ضروریات جہاد ہیں - ظاہر ہے کہ آزاد جونیر ہائی اسکول یا دینی مکتب ومدرسہ اس مصرف میں داخل نہیں ہیں اس لئے ان اسکولوں ، دینی مدرسوں اور مکتبوں کو "فی سبیل اللہ" کا مصداق سمجھ کر ان پر عشر وزکوۃ کی رقم صرف کرنا صحیح نہیں ہے - البتہ اگر ان اسکولوں ، مدرسوں اور مکتبوں میں تعلیم پانے والے غریب بیرونی طلبہ یا غریب والدین کے نابالغ بچے ہیں ، تو زکوۃ کی دو مبینہ مصرف فقراء ومساکین میں ان طلبہ اور بچوں کے والدین کے داخل ہونے کی بنا پر ان طلبہ اور بچوں کے خورد نوش اور انکی جملہ تعلیمی ضروریات پر عشر وزکوۃ کا صرف کرنا جائز ہوگا-

کار پردازان اسکول ومدرسہ ، وکیل وامین ہونے کی حیثیت سے ان مستحقین پر مذکورہ رقم صرف کریں گے - یہی حکم صدقتہ الفطر کا بھی ہے - ہذا ما عندی والعلم عند اللہ تعالی

عبید اللہ رحمانی مبارکپوری

۲۸ / ۵ / ۹۳ھ

(۱۰) رضاعت محرمہ ، ایک لاکھ چوبیس ہزار والی حدیث کی تحقیق ، بحیرہ (سانڈ) کا حکم

(۱) رضاعت محرمہ کے بارے میں علماء اہلحدیث مختلف الخیال ہیں ، اکثریت شافعیہ کے موافق معلوم ہوتی ہے اور بعض علماء نے مالکیہ وحنفیہ کے مسلک کو ترجیح دی ہے ، قرآنی آیات اور احادیث کا اطلاق حنفیہ ومالکیہ کا موید ہے - مقلد شراح حدیث ومفسرین قرآن نے ایک دوسرے کی تردید اور تائید میں

بڑی لمبی لمبی بحثیں لکھی ہیں - احتیاط حنفیہ ومالکیہ کے مسلک میں ہے -

(۲) یہ حدیث حضرت ابو امامہؓ سے مسند احمد ص ۲۶۵، ۲۶۶ ج ۵ کے علاوہ تفسیر ابن ابی حاتم، طبرانی میں بھی مروی ہے، اس کی سند میں علی بن یزید الالہانی ہیں اور وہ ضعیف ہیں (مجمع الزوائد ص ۱۵۹) اور حضرت ابوذر کی حدیث مسند احمد ص ۱۷۸ ج ۵ کے علاوہ تفسیر عبد بن حمید، اور الاصول للحکیم الترمذی، صحیح ابن حبان، حاکم تاریخ ابن عساکر میں بھی مروی ہے - یہ روایت بھی سندا ضعیف ہے، مسند کی سند میں ابو عمر الدمشقی واقع ہیں اور وہ متروک ضعیف ہیں اور ابن حبان کی سند میں ابراہیم بن ہشام بن یحیی بن یحیٰ واقع ہیں، اور ان کو اگرچہ ابن حبان نے ثقات میں ذکر کیا ہے لیکن ابو حاتم - ابو زرعہ نے انکو کذاب اور ذہبی نے متروک کہا ہے، اور علی بن الحسین بن الجنید نے کہا ہے ینبغی ان لا یحدث عنہ (میزان الاعتدال ص ۲۸۹ ج ۳، لسان المیزان ج ۱ ص ۱۲۲، ج ۴ ص ۲۵۸) معلوم ہوا کہ ایک لاکھ چوبیس ہزار والی حدیث بجمیع طرقہ ضعیف ہے لیکن ایسی ضعیف نہیں ہے کہ اس کو موضوع کہا جائے - عینی اور حافظ اور شوکانی نے اس پر سکوت اختیار کیا ہے -

۳ - حضرت مولانا حافظ عبد اللہ صاحب غازی پوری رحمہ اللہ بحیرہ (سانڈ) کی حلت کے قائل تھے، چنانچہ انہوں نے اس بارے میں ایک رسالہ بھی لکھا تھا، شاید وہی رسالہ آپ کے پاس ہے، بہر حال یہ مسلک ہمارے نزدیک خلاف ثواب ہے، غیر اللہ کے نام پر چھوڑے ہوئے جانور یا اشیاء حرام ہیں، ہمارے لئے ان کا کھانا جائز نہیں ہے لقولہ تعالیٰ "وما اھل بہ لغیر اللہ" اہل کا معنی مطلق رفع صوت لذکر غیر اللہ علی الشئی للتقرب الیہ ہے، واللہ اعلم۔

عبید اللہ الرحمانی
۱/۱۱/۶۳ھ

(۱۱) حدیث اصحابی کالنجوم الخ کی تحقیق

حدیث مسئول عنہ چھ صحابیوں سے مختلف کتابوں میں مختلف اسانید کے ساتھ باختلاف الفاظ مروی ہے - لیکن ان میں سے ایک روایت بھی کسی قابل اعتبار سند سے مروی نہیں ہے - سب کی سندیں

انتہائی درجہ ضعیف بلکہ بالکل ساقط ہیں، کما سیاتی تفصیلہ-

نمبر ا- فقدرواه ابن عبدا لبر فی جامع العلم (۹۱/۲) وابن حزم فی "الاحكام فی أصول الأحكام" (٦/ ٨٢) من طريق سلام بن سليم قال: حدثنا الحارث بن غصين عن الأعمش عن أبي سفيان عن جابر مرفوعا بلفظ: "أصحابي كالنجوم بأيهم اقتديتم اهتديتم" قال ابن عبد البر هذا اسناد لا تقوم به حجة لأن الحارث بن غصين مجهول وقال ابن حزم: هذه رواية ساقطة' أبو سفيان ضعيف' والحارث بن غصين هذا هو أبو وهب الثقفي' وسلام بن سليمان يروى الاحاديث الموضوعة' وهذا منها بلا شك' قال الشيخ الألباني: الحمل في هذ الحديث على سلام بن سليم ويقال ابن سليمان وهو الطويل أولى فإنه مجمع على ضعفه بل قال ابن خراش: كذاب وقال ابن حبان: روى أحاديث موضوعة' وأما أبو سفيان فليس ضعيفا كما قال ابن حزم بل هو صدوق كما قال الحافظ في التقريب' وأخرج له مسلم في صحيحه' والحارث بن غصين مجهول كما قال ابن حزم وكذا قال ابن عبد البر وإن ذكره ابن حبان في الثقات ولهذا قال أحمد لا يصح هذا الحديث كما في المنتخب لابن قدامة (۱۰/۱۹۹/۲)

اس تحقیق سے ثابت ہوا کہ حضرت جابر ؓ کی یہ روایت سندا بالکل ناقابل اعتبار اور موضوع ہے-

نمبر ۲- وروى الخطيب في "الكفاية في علوم الرواية" ص ٤٨ وكذا ابو العباس الأصم في الثاني من حديثه رقم ١٤٢ وابن عساكر (٧/١١٥/٢) من طريق سليمان بن أبي كريمة عن جويبر عن الضحاك عن ابن عباس مرفوعا في حديث طويل بلفظ "إن أصحابي بمنزلة النجوم في السماء فأيها أخذتم به اهتديتم و اختلاف أصحابي لكم رحمة"

قلت: وهذا إسناد ضعيف جدا' سليمان بن أبي كريمة قال ابن أبي حاتم (١٣٨/١/٢) عن أبيه: ضعيف الحديث' وجويبر هوا بن سعيد الأزدي متروك كما قال الدار قطني والنسائي وغيرهما وضعفه ابن المديني جدا' والضحاك هو ابن مزاحم الهلالي لم يلق ابن عباس.

والحديث أورد منه الجملة الأخيرة الحافظ العراقي في تخريج الإحياء (٢٥/١) وأورده السيوطي

بتمامه في أول رسالته : " جزيل المواهب في اختلاف المذاهب " من رواية البيهقي في المدخل . ثم قال العراقي : وإسناده ضعيف ' والتحقيق أنه ضعيف جدا كما ذكرنا من حال جويبر ولكنه موضوع من حيث معناه لما سيأتي ومن طريقه رواه الديلمي كما في موضوعات على القاري (صـــ ۱۹) فإذا عرفت هذا فمن الغريب قول السيوطي في الرسالة المشار إليها : في هذا الحديث فوائد : منها إخباره صلى الله عليه وسلم باختلاف المذاهب بعده في الفروع وذلك من معجزاته لأنه من الاخبار بالمغيبات ورواه بذالك وتقريره عليه حيث جعله رحمة والتخيير للمكلف في الأخذ بأيها شاء الى آخر ما قال . فيقال له : أثبت العرش ثم انقش ' وما ذكره من التخيير باطل لا يمكن لمسلم أن يلتزم القول و العمل به على اطلاقه لأنه يؤدي إلى التحلل من التكاليف الشرعية كما لا يخفى ' وروى ابن بطة في الابانة (٤/١١/٢) والخطيب ونظام الملك في الأمالي (١٣/٢) والضياء في المنتقى عن مسموعاته بمرو (١١٦/٢) وابن عساكر (٦/ ٣٠٢/١) عن طريق نعيم بن حماد ثنا عبد الرحيم بن زيد العمي عن أبيه عن سعيد بن المسيب عن عمر بن الخطاب قال سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول سألت ربي فيما اختلف فيه أصحابي من بعدي فأوحى الله إلي يا محمد إن أصحابك عندي بمنزلة النجوم في السماء بعضها أضوأ من بعض ' فمن أخذ بشئي مما هم عليه من اختلافهم فهو عندي على هدىً ' اس روایت کو صاحب مشکوۃ نے " فضائل الصحابہ " میں رزین کے حوالہ سے "اصحابی کالنجوم بایہم اقتدیتم اہتدیتم کی زیادۃ کے ساتھ ذکر کیا ہے-

حدیث کی مذکورہ سند موضوع ہے " نعیم بن حماد " ضعیف ہیں ، اور "عبد الرحیم بن زید العمی "کذاب ہیں - امام بخاری لکھتے ہیں ترکوہ - اور ابو حاتم کہتے ہیں : يترك حديثه منكر الحديث كان يفسد أباه ' يحدث عنه بالطامات - اور ابن معین کہتے ہیں هو كذاب خبيث - اور ان کے باپ "زید بن الحواری العمی " ضعیف ہیں - اس حدیث کی سند کی اصل آفت "عبد الرحیم بن زید العمی " ہیں-

والحديث ' اورده السيوطي في الجامع الصغير بروايته السجزي في الإبانة وابن عساكر عن عمر ' وقال شارح المناوي في فيض القدير : قال ابن الجوزي في العلل : هذا لا يصح : نعيم مجروح وعبد الرحيم قال

ابن معين كذاب وفي الميزان : هذا الحديث باطل ' ثم قال المناوي : ظاهر صنيع المصنف يعني السيوطي أن ابن عساكر أخرجه ساكتا عليه والأمر بخلافه فإنه تعقبه بقوله ' قال ابن سعد : زيد العمي كان ضعيفا في الحديث وقال ابن عدي عامة ما يرويه ومن يروي عنه ضعفاء ورواه عن عمر أيضا البيهقي : قال الذهبي وأسناده واه وروى ابن عبد البر عن البزار أنه قال في هذا الحديث : وهذا الكلام لا يصح عن النبي صلى الله عليه وسلم ' رواه عبد الرحيم بن زيد العمي عن ابيه عن سعيد بن المسيب عن عمر عن النبي صلى الله عليه وسلم ' وربما رواه عبد الرحيم عن أبيه عن ابن عمر ' وإنما أتى ضعف هذا الحديث من قبل عبد الرحيم بن زيد لأن أهل العلم قد سكتوا عن الرواية لحديثه الكلام أيضا منكر عن النبي صلى الله عليه وسلم وقد روى عن النبي صلى الله عليه وسلم باسناد صحيح " عليكم بسنتي وسنة الخلفاء الراشدين من بعدي ' عضوا عليها بالنواجذ " وهذا الكلام يعارض حديث عبد الرحيم لو ثبت فكيف و لم يثبت والنبي صلى الله عليه وسلم لا يبيح الاختلاف بعده من أصحابه .

ثم روى عن المزني أنه قال : إن صح هذا الخبر فمعناه : فيما نقلوا عنه وشهدوا به عليه فكلهم ثقة موئمن على ما جاء به لا يجوز عندي غير هذا وأما ما قالوا فيه برايهم فلو كان عند أنفسهم كذلك ما خطأ بعضهم بعضا ولا أنكر بعضهم على بعض ' ولا رجع منهم أحد إلى قول صاحبه فتدبر ' انتهى . قال الشيخ الالباني بعد ذكره : الظاهر من الفاظ الحديث خلاف المعنى الذي حمله عليه المزني بل المراد ما قالوه برايه . وعليه يكون معنى الحديث دليلا أخر على أن الحديث موضوع ليس من كلامه صلى اللله عليه وسلم ' إذ كيف يسوغ لنا أن نتصور أن النبي صلى الله عليه وسلم يجيز لنا أن نقتدى بكل رجل من الصحابة مع أن فيهم العالم والمتوسط في العلم ومن هو دون ذلك وكان فيهم مثلا من يرى أن البرد لا يفطر الصائم بأكله

۴ - وذكر الحديث ابن عبد البر معلقا وعنه ابن حزم من طريق أبي شهاب الحناط عن حمزة الجزري عن نافع عن ابن عمر مرفوعا بلفظ " إنما أصحابي مثل النجوم فأيهم أخذتم بقوله اهتديتم " وقد وصله عبد بن حميد في المنتخب من المسند (١/٦٨) اخبرني أحمد بن يونس حدثنا أبو شهاب به ورواه ابن

بطة في الإبانة (٢/١١/٤) من طريق اخر عن أبي شهاب به ' ثم قال ابن عبد البر ' وهذا إسناد لا يصح ولا يرويه عن نافع من يحتج به انتهى . قال الشيخ الألباني وحمزة هذا ابن أبي حمزة . قال الدار قطني متروك ' وقال ابن عدي عامة ما يرويه موضوعات ' وقال ابن حبان ينفرد عن الثقات بالموضوعات حتى كأنه المعتمد لها ولا تحل الرواية عنه ' وقد ساق له الذهبي في الميزان أحاديث من موضوعاته هذا منها .

اس تحقیق سے معلوم ہوا کہ یہ روایت بھی سندا موضوع ہے اور مذکورہ حدیث کے معنی بھی موضوع اور باطل اور مکذوب ہونے پر ابن حزم نے احکام الاحکام (۵ / ۶۴) اور (۶ / ۸۳ / ۸۶) میں بڑی اچھی بحث کی ہے ، اسے ضرور ملاحظہ کیا جائے ۔

٥- وروى أبو نعيم الإصبهاني (ق ١٥٨/ ٢) قال حدثنا أبو الحسن أحمد بن القاسم بن الريان المصري المعروف باللكي بالبصرة في نهر دبيس قراءة عليه فأقر به قال نا احمد بن إبراهيم بن نبيط بن شريط ابو جعفر الأشجعي بمصر قال حدثني أبي اسحق بن ابراهيم بن نبيط قال ثني أبي ابراهيم بن نبيط عن جده نبيط بن شريط مرفوعا بلفظ " أهل بيتي كالنجوم بأيهم اقتديتم اهتديتم " انتهي . والحديث في نسخته أحمد بن نبيط الكذاب وقد قال الذهبي في هذه النسخة : فيها بلايا ' واحمد بن اسحق لا يحل الاحتجاج به فإنه كذاب وأقره الحافظ في اللسان . قلت : والراوي عنه أحمد بن القاسم اللكي ضعيف . والحديث أورده ابن عراق في " تنزيه الشريعة " (٢/ ٤١٩) تبعا لأصله " ذيل الأحاديث الموضوعة " للسيوطي (ص ٢٠١) وكذا الشوكاني في " الفوائد المجموعة في الأحاديث الموضوعة " (صـ ١٤٤) نقلا عن " المختصر " لكن وقع فيه " نسخة نبيط الكذب " فكأنه سقط من النسخة لفظة ابن " وهو أحمد بن اسحاق نسب إلى جده ' وإلا فإن نبيطا صحابي '

٦- ورواه القضاعي (٢/١٠٩) عن جعفر بن عبد الواحد قال لنا وهب بن جرير بن حازم عن أبيه عن الأعمش عن أبي صالح عن أبي هريرة مرفوعا بلفظ " مثل أصحابي مثل النجوم ' من اقتدى بشئي منها اهتدى "

یہ حدیث بھی موضوع ہے اور اس کی آفت جعفر بن عبد الواحد ہیں - دار قطنی ان کے بارے میں کہتے ہیں : یضع الحدیث ، اور ابو زرعہ کہتے ہیں " روی احادیث لا اصل لها " اور حافظ ذہبی نے ان کے ترجمہ میں کئی حدیثیں ذکر کی ہیں جن کے وضع کرنے کے ساتھ ان کو متہم کیا ہے انہیں میں یہ زیر بحث حدیث بھی ہے - چنانچہ لکھتے ہیں : " انه من بلایاه "-

مذکورہ تفصیلی کلام سے معلوم ہوا کہ یہ حدیث بجمیع طرقه والفاظه ساقط اور موضوع ہے اور معنی مضمون کے لحاظ سے بھی باطل اور غلط ہے جیسا کہ علامہ ابن حزم نے " الاحکام فی اصول الاحکام " میں تفصیل کے ساتھ اسے بیان کیا ہے - فقط

املاہ : عبید اللہ مبارکپوری

۱/ ۵/ ۹۸ھ

(۱۲) ختنہ کی دعوت اور قرآن کو غیر عربی رسم الخط میں لکھنے کا حکم

نمبر ۱- ختنہ کی دعوت کرنا - عرب میں اسلامی دستور چلا آتا تھا اور اسلام نے آکر اس سے منع نہیں کیا بلکہ سکوت اختیار کیا اور یہ دلیل ہے اس کی اباحت وجواز کی - پس اگر بغیر کسی اہتمام کے ختنہ کی دعوت کردی جائے تو مضائقہ نہیں حضرت عبد اللہ بن عمر نے جناب سالم کے ختنہ کے موقعہ پر مینڈھا ذبح کیا تھا اس پر امام بخاری نے الادب المفرد ج ۲ ص ۶۴۵ میں باب الدعوة الی الختان کا ترجمہ منعقد فرمایا ہے -

رہ گئی مسند احمد اور طبرانی کی روایت جس میں عثمان بن ابی العاص یہ فرماتے ہیں کہ " انا کنا لا ناتی الختان علی عهد رسول الله صلی الله علیه و ولا ندعی له " تو اس کی سند میں محمد بن اسحاق واقع ہیں اور وہ اگر چہ ثقہ ہیں لیکن مدلس بھی ہیں اور " عن " کے ساتھ یعنی بغیر تصریح سماع کے روایت کرتے ہیں -

نمبر ۲ - قرآن کو ناگری یا انگریزی یا بنگلہ یا عبرانی وغیرہ رسم الخط میں لکھنا میرے نزدیک درست نہیں

ہے- عربی کے کئی حروف ہجا ایسے ہیں جو دوسری زبانوں اور ان کے رسم الخط میں ہیں ہی نہیں اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ قرآن مسخ ہو کر رہ جائے ، بس عربی (خط نسخ یا نستعلیق وامثالہا) کے علاوہ کسی بھی عجمی (فرنچ ، جرمنی ، انگریزی ، ایٹالین ناگری ، بنگلہ ، چینی ، روسی وغیرہ) رسم الخط اور حروف میں قرآن کا لکھنا اور شائع کرنا ہر گز جائز نہیں ہے-

ہذا ما عندی واللہ اعلم

عبید اللہ رحمانی

۲۱ / ۱۰ / ۸۴ ھ

(۱۳) کلمہ لاالہ الا اللہ الخ کے ساتھ دعا ختم کرنے کا حکم اور جن جانوروں کے ساتھ جنسی فعل کیا گیا ہو ان کے قتل کا حکم

سوال نمبر (۱) : کیا فرماتے ہیں علمائے دین وشرع متین حسب ذیل مسلک کے بارے میں کہ بوقت اختتام دعا منہ پر ہاتھ ملتے وقت ابوداؤد کی حدیث " من کان آخر کلامہ لاالہ الا اللہ دخل الجنۃ " سے استنباط کرتا ہوا اجعل آخر کلامنا لاالہ الا اللہ یا پورہ کلمہ کہنا جائز ہوگا یا نہیں مدلل بیان فرمائیں-

(۲) بد فعلی کردہ بہیمہ کو قتل کرنے کا حکم کیسا ہے :

جواب :

(۱) دعا کے بہت سے آداب ہیں جنکے دعا کے وقت اختیار کرنے سے دعا کی قبولیت کی بہت امید ہوتی ہے اور بیشتر آداب دعا احادیث سے ثابت ہیں- ان آداب میں سے ایک ادب یہ بھی ہے کہ دعا کی ابتداء کی طرح اس کا اختتام بھی اللہ کی حمد وثنا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر صلاۃ وسلام بھیجنے کیساتھ کیا جائے کما صرح بہ ابن الاثیر الجزری فی الحصن الحصین والنووی فی الاذکار وابن الامام فی سلاح المومن والقسطلانی فی المواہب اللدنیتہ - امام احمد نے حضرت جابر سے ایک مرفوع حدیث روایت کی ہے جس

میں یہ ٹکڑا بھی ہے ولکن اجعلوا فی اول الدعاء واوسطہ وآخرہ - ونیز حضرت عمر سے مروی ہے ان الدعاء موقوف بين السماء والأرض لا يصعد منه شئي حتى تصلي على نبيك (ترمذي) كلمة اسلام "لاالہ الا اللہ محمد رسول اللہ " کے ساتھ یا کلمۂ ذکر "لاالہ الا اللہ " کے ساتھ دعا ختم کرنا کسی مرفوع یا موقوف روایت سے ثابت نہیں - اور نہ ہی اس کو کسی محدث یاامام وفقیہ نے آداب دعا میں ذکر کیا ہے - اور اس کے لئے حدیث مذکور فی السوال "من کان آخر کلامہ لاالہ الا اللہ دخل الجنۃ " سے استدلال کرنا صحیح نہیں ہے - اس حدیث میں کلمۂ ذکر لاالہ الا اللہ کی یہ فضیلت بیان کرنی مقصود ہے کہ جس شخص کی زبان پر موت کے وقت یہ کلمہ جاری ہوجائے اور وہ اس کے بعد اس کے خلاف کوئی کلمہ نہ نکالے تو اس کلمۂ ذکر کی برکت سے اس کو جنت میں دخول اولی حاصل ہوگا - اس حدیث میں اس قسم کا ذرہ بھر بھی اشارہ نہیں ہے کہ دعا کے آخر میں اس کے کہنے سے دعا کی قبولیت کی امید ہوتی ہے - پس دعا کو کلمۂ اسلام یا صرف کلمۂ ذکر کے ساتھ ختم کرنا بے دلیل بات ہے اور دعا کے مسنون ومستحب طریقہ کے خلاف ہے اور جاہل ان پڑھ لوگوں کا کام ہے - لیکن اگر کوئی شخص جہلا اسی کلمہ اسلام یا کلمۂ ذکر کے ساتھ دعا ختم کرے تو وہ نہ تو اسلام سے خارج ہوگا اور نہ ہی اس کے اعمال حبط ہونگے وہ بہر حال مسلمان رہے گا مشرک وکافر نہیں ہوجائے گا کیونکہ دعا کے آخر میں اس کلمہ کے کہہ دینے سے اس کے مشرک ہونے اور اسلام سے خارج ہونے پر کوئی کمزور سے کمزور دلیل بھی نہیں ہے بلکہ اس کلمہ کا ذکر کرنا تو اس کے مسلمان ہونیکی روشن دلیل ہے لیکن یہ طریقہ دعا کے مذکورہ شرعی مسنون ادب کے ضرور خلاف ہے ، ہذا ما عندی واللہ اعلم -

(۲) ظاہر حدیث ابن عباس " من وقع على بهيمة فاقتلوه واقتلوا البهيمة " (احمد ' ترمذي ' ابوداؤد وغیرہ) کی رو سے جانور کو مار ڈالنا چاہیئے بشرطیکہ ایسا واقعہ اسلامی حکومت میں ہو اور حکومت بھی حنبلی مذہب والوں کی ہو یا انکی ہم خیال غیر حنبلی مسلمانوں کی ہو - قال ابن قدامة يجب قتل البهيمة (أى التي اتى بها) سواء كانت مملوكة له او لغيره مأكولة او غير ماكولة لقول النبي صلى الله عليه وسلم من اتي بهيمة

فاقتلوه واقتلوا البهيمة و لم يفرق بين كونها ماكولة او غير ما كولة ولا بين ملكه وملك غيره والحيوان ان كان للفاعل ذهب هدرا وان كان لغيره فعلى الفاعل ندامته لانه سبب اتلافه الخ (المغني ص ۱۹۰ ص ۱۹۱ ج ۸) والله أعلم)

عبيد الله رحماني مباركفوري

یکم محرم ۸۲ھ

(۱۴) رویت ہلال بذریعہ ریڈیو

سوال : کیا فرماتے ہیں محققین شرع دریں مسئلہ کہ رویت ہلال بذریعہ ریڈیو معتبر ہوگی یا نہیں ؟

بينوا بالدلائل العقلية والنقلية وتوجروا عند الله ذي الرحمة الواسعة .

جواب :

یہاں دو باتیں وضاحت طلب ہیں۔ ایک یہ کہ اگر کسی مقام میں رویت ہلال کا بقاعدۂ شرعیہ تحقق ہو جائے تو اس مقام رویت کے علاوہ کتنی دور تک کے مقامات میں اس رویت کا اعتبار ہو سکتا ہے ؟ دوسری یہ کہ شرعا جتنی دور تک بھی اعتبار ہو سکتا ہو اس میں ریڈیو کے ذریعہ اطلاع واعلان اور خبر کا اعتبار ہوگا یا نہیں ؟

پہلی بات کے بارے میں معلوم ہونا چاہئے کہ مشرق والوں کی رویت شرعی مغربی مقامات میں رہنے والوں کے حق میں بلا لحاظ مسافت معتبر ہوگی - یہ ناممکن ہے کہ کسی مشرقی مقام میں ہلال طلوع ہو جائے لیکن اس کے مغرب میں طلوع نہ ہو - علم ہیئت قدیم ہو یا جدید اس کی رو سے ایسا ہونا ضروری ہے پس بلا لحاظ وتقیید مسافت قریبہ یا بعیدہ مشرق والوں کی رویت مغرب والوں کے حق میں معتبر ہوگی - اور کسی مغربی مقام میں رویت ہلال شرعیہ کا تحقق ہوجائے تو مشرق کے انھیں مقامات تک وہاں کی رویت معتبر ہوگی کہ جنکے مطالع اور بلدۂ رویت کے مطلع کے درمیان اختلاف نہ ہو بلکہ دونوں کے

مطالع متفق و متحد ہوں - یہاں مطلع کے اختلاف واتحاد کا لحاظ ضروری ہے - **الذی دل علیه حدیث کریب عن ابن عباس عند مسلم (انه لا یجب علی من لم یروه الصوم برویة غیرهم اذا تباعد محلاهما وهو الاصح من مذهبنا (ای الشافعیته)**

واختلفوا في ضبط التباعد والاصح ضبطه باختلاف المطالع فاذا رائي ببلد لزم كل بلد علم اتحاد مطلعها معها الصوم برويتهم بخلاف بلد علم اختلاف مطلعها لها او شك هل مطلعها متحد او مختلف

قال في الانوار والمراد باختلاف المطالع ان يتباعد البلدان بحيث لو رئى في احدهما لم ير في الاخر غالبا انتهى قال السبكي والاسنوي قد تختلف وتكون رويته في احدهما مستلزمة لرويته في الآخر من غير عكس اذا الليل يدخل في البلاد الشرقية قبل دخوله في الغربية وحينئذ فيلزم عند اختلافهما من رويته في الشرقي رويته في المغربي من غير عكس واما عند اتحادهما فيلزم من رويته في احدهما رويته في الاخر قال الاسنوي وعلى هذا يحمل حديث كريب فان الشام غربي المدينة فلا يلزم من رويته في الشام رؤيته فيها اي المدينة ومما يؤيدان الاعتبار باتحاد المطالع دون مسافة القصر اتفاقهم على ان اختلافها معتبر في مواقيت الصلاة .

(اتحاف اهل الاسلام بخصوصيات الصيام ص ۷۱ ص ۷۲ لابن حجر الهيثمي المكي)

میل اور کوس کے ذریعہ اتحاد واختلاف مطلع کی تحدید وتعیین دشوار ہے ویسے کہا جاتا ہے کہ تقریبا ۶۰۰ میل کی دوری پر مطلع مختلف ہو جاتا ہے اور اس سے کم مسافت پر مطلع متحد ومتفق رہتا ہے واللہ اعلم - دوسری بات کے بارے میں معلوم ہونا چاہئے کہ ریڈیو کے ذریعہ رویت ہلال کی خبر نہ تو مطلقا مقبول ومعتبر ہے نہ مطلقا مردود ہے ، ریڈیو فی نفسہ بری چیز نہیں ہے اور نہ اس کا استعمال مطلقا ممنوع ہے بلکہ اگر اس سے جائز فائدہ اٹھایا جائے اور اچھا کام لیا جائے تو وہ اچھی اور جائز چیز ہے اور غلط کام میں استعمال کیا جائے تو بری چیز ہے -

اسلامی ملک پابند شریعت حکومت اگر بقاعدۂ شرعیہ رویت ہلال کی تحقیق کر کے ذمہ دارانہ طور

پر رویت کا ریڈیو کے ذریعہ اعلان کرے تو اس کی قلمرو اور حدود کے اندر نیز بیرون ملک میں بھی بلدۂ رویت سے مغرب میں واقع تمام بلاد وامصار وتوابع میں مطلقا اس ریڈیو کی خبر معتبر ہوگی اور مشرقی مقامات میں اتحاد ومطلع کی حد تک معتبر ہوگی -

اور غیر مسلم حکومت کے ریڈیو کے ذریعہ رویت ہلال کی خبر کا بتفصیل مذکور اس وقت اعتبار ہوگا جبکہ اس نے معتبر مشاہیر علماء کی رویت ہلال کمیٹی مقرر کی ہو - اور یہ کمیٹی ہی بقاعدۂ شرعیہ رویت کی تحقیق کر کے خود ریڈیو پر جاکر اعلان کرے -

ہذا ما عندی واللہ اعلم بالصواب

عبید اللہ رحمانی مبارکپوری

۲ / ۴ / ۸۴ھ مطابق ۱۲ / ۸ / ۶۲ء

فتوی (۱۶) زمین کی تمام پیداوار میں زکوۃ عشر کا حکم

کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین بحکم آیت عام **انفقوا من طیبات ما کسبتم ومما اخرجنا لکم من الارض** وبحکم حدیث صحیح عام **فیما سقت السماء والعیون اوکان عشریا العشر وفیما سقی بالنضح نصف العشر** زمین کی پیداوار سے عام ازیں کہ وہ قابل خورش ہو اور فروخت کر کے ہزار ہا روپیہ حاصل ہوں مثلا کپاس ، سن ، پٹوہ ، وغیرہ میں عشر ہے یا نہیں اگر نہیں ہے تو مذکورہ آیت وحدیث کی مخصص کونسی آیت یا کونسی حدیث ہے ، **بینوا بیانا شافیا للتعلیل توجروا اجرا جزیلا عند الله الجلیل** .

جواب :

میرے نزدیک راجح مسلک امام داوٗد ظاہری کا ہے کہ زمین کی تمام پیداوار میں عشر یا نصف عشر فرض ہے خواہ وہ انسانی خوراک ہو یا نہ ہو بشرطیکہ وہ مالی آمدنی کا ذریعہ ہو - البتہ جو چیزیں ان میں سے

ناپ یا تول کر فروخت کی جاتی ہوں ان میں نصاب ملحوظ ہوگا مقررہ نصاب کے برابر پیدا ہوگی جب ہی ان میں عشر یا نصف عشر لازم ہوگا - اور جو زمینی پیداوار موزونات ومکیلات میں سے نہ ہو اس میں نصاب زکوۃ ملحوظ نہیں ہوگا بلکہ تھوڑی پیدا ہو یا زیادہ، بہر حال اس میں عشر یا نصف عشر واجب ہوگا- تفصیل مرعاۃ جلد سوم میں ملاحظہ ہو فقط

عبید اللہ رحمانی مبارکپوری
۴ / ۸ / ۸۲ھ

(۱۶) فرض نماز سے سلام پھیرنے کے معا بعد چندے کا ڈبہ کھڑکھڑانے کا حکم

سوال : کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین مسائل ذیل میں -

موجودہ زمانے میں بعض مساجد میں ہر جمعہ کو فرض نماز کے سلام کے معا بعد ایک یا دو آدمی صفوں میں نمازیوں کے سامنے ڈبہ کھڑکھڑاتے ہوئے چلتے ہیں تاکہ انہیں چندہ مل جائے - یہ چہل قدمی مصلیوں کے اذکار وادعیہ میں ذہنی انتشار کا موجب ہوتی ہے - پیسے والے چند پیسے ڈبہ میں ڈالتے رہتے ہیں - کیا اس طرح بالالتزام چندہ کرنا عند الشرع جائز ودرست ہے ؟

کیا دور رسالت سے لیکر خلفاء راشدین تک فرض نماز جمعہ کے سلام کے معا بعد مذکورہ طور پر بالالتزام چندہ کرنے کی نظیر ملتی ہے ؟

نماز مفروضہ کے سلام کے بعد اذکار وادعیہ کا مسنون ہونا ثابت ہے یا نہیں ؟ اگر ہے تو اذکار وادعیہ قلیلہ وکثیرہ کا ترک اور چندے کی فوقیت وترجیح کس حد تک عند الشرع درست وجائز ہے ؟

بینوا وتوضحوا وتوجروا عند اللہ -

جواب :

مسجد میں کسی حاجت مند کا سوال کرنا گو شرعا جائز ہے جیسا کہ سنن ابوداؤد میں " باب المسئلہ

فی المسجد" کے ماتحت روایت کردہ حدیث سے اس کا جواز ثابت ہوتا ہے۔ لیکن سوال میں چندہ مانگنے کی مذکورہ صورت یعنی فرض نماز جمعہ سے سلام پھیرنے کے فورا بعد یا دو چار منٹ کے بعد دو ایک آدمیوں کا صفوں کے درمیان مصلیوں کے سامنے ڈبہ کھڑ کھڑاتے ہوئے اس لئے گزرنا کہ مصلیان اس میں کچھ پیسے ڈالدیں یہ طریقہ مطلقا مکروہ ومذموم ہے چاہے کبھی کبھار ایسا کیا جائے یا ہر جمعہ کو التزاما اس طرح چندہ مانگا جائے۔ عہد نبوت وعہد صحابہ کرام میں اس طرح چندہ مانگنے کا کہیں اتہ پتہ نہیں ملتا۔ نیز سلام کے بعد صفوں کے درمیان مقتدیوں کے سامنے اس طرح ڈبہ کھڑ کھڑاتے ہوئے چندے سے فرض نماز کے بعد جو اذکار مشروع ہیں ان میں خلل پڑنا اور انتشار پیدا ہونا بالکل ظاہر ہے۔ بنابریں سوال میں چندہ مانگنے کا مذکورہ طریقہ واجب الترک ہے۔

مسجد یا مدرسہ یا کسی کی ذاتی ضرورت کے لئے مسجد میں چندہ مانگنا ہی ہے تو مسجد سے باہر نکلنے کی جگہ کے قریب بند ڈبہ رکھدیا جائے تاکہ اس میں چندہ ڈالنے والے پیسے ڈالدیا کریں۔ ھذا ما ظھر لی والعلم عند اللہ تعالی۔

املاہ : عبید اللہ رحمانی مبارکپوری

۲ / صفر ۹۶ھ

نماز اور دعائے مسنون سے فارغ ہونے کے بعد مسجد میں چندہ کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے لیکن صورت مسئولہ میں وہ جواب بالکل صحیح ہے جو حضرت شیخ الحدیث صاحب نے تحریر فرمایا ہے

عبد الغفور بسکوہری

۱۹ / مارچ ۱۹۷۶ء مطابق ۱۹ صفر ۹۶ھ

☆☆☆

منظومات

قطرات الدموع

علی رحلة الشیخ الکبیر مولانا عبید اللہ رحمانی

(نور الله مرقده ، غفر الله له وجعل الجنة مثواه)

محمد یونس مومن اثری غازی فوری

ما بال قلبی التائه   فی الحب من سودائه
سقم الفواد بدائه   یا حسرتا لشفائه
موت اتاه لحبه   للرؤیة بفنائه
دمع جری بفراقه   لا یجمد بعزائه
روحی فداه ومهجتی   نفسی فدی بفدائه
وهب الاله بنعمة   ورضاه فی ارضائه
کشف الظلام بنوره   وهدی الوری بضیائه
رطب اللسان بذکره   فی مدحه وثناءه
بکت العیون بموته   من وجده برثائه
علم الحدیث مرامه   من ماهر بسوائه
خلق عظیم شانه   والکبر من اعدائه
شرح الصدور بشرحه   وانارها بضیائه
للشغل طول نهاره   واللیل فی احیائه
نسی الضریب عذوبة   من ذاق من حلوائه
نجم الهدی بعلومه   شمس الوری بضیائه
فتواه در لامع   فی الصحف من افتاءه

قرب النجاح ببابه وصحونه وفناءه
سبق البرية مدحة بعطائه وسخائه
يقرى الضيوف بحلمه ادنى بحسن وفائه
صلى الاله على الذي هو كان من نجبائه
ملأ البلاد بنصفة اقضى القضاة برأيه
عجب الزمان لمثله ما نظر تحت سمائه
اسم العبيد مبارك قد فاق من قرنائه
هب النسيم معطرا قد طيب من رحضاءه
ضم الضريح محبة من جاء من بعدائه
دان البرية رحمة من خلقه واخائه
بلغ سلامى يا صبا للشيخ عند لقاءه
علم الحديث دثاره علم الهدى بخباءه
درر بنطق بيانه عذراء فى انشائه
اروى الغمام بجوده اسخى اللهى بعطائه
برقت صفيحة وجهه من ورعه وبهائه
درس الحديث معطر عبقاته بفضائه
كم من قتيل سابح بدموعه ودمائه
عرق الجبين ندامة لله عند قضائه
اصل الاصيل خميره والشرف من آبائه
فضل اوى بجنابه مجد ثوى بخبائه
اين الرجال عديله بمضائه وابائه
احيى الليالى دائما بسهاده وبكائه
تجري ينابيع الحكم من بابه وفنائه
ان الحمام مقدر ياتى على ارخائه
سكن الجنان بروحه وبجسمه بردائه

تاریخ وفات شیخ مبارکپوری رحمتہ اللہ علیہ

از : شوق اعظمی

از جہان آب وگل یک مرد حق آگاہ رفت
شارح مشکوٰۃ مولانا عبید اللہ رفت
حیف عمرش صاحب مرعاۃ را مہلت نہ داد
تشنہ تکمیل بودہ از جہاں ناگاہ رفت
چوں شنیدم شیخ روشن دل دریں عالم نماند
اشک از چشم رواں شد از دلم صد آہ رفت
مفتی اسلام بود ومرجع عرب وعجم
حیف آں دانائے اسرار کتاب اللہ رفت
درمیان عالم و فاضل وحید عصر بود
آں باقبال آمدہ بود وبعز وجاہ رفت
در زبان او اثر از خوبی ا خلاص بود
واعظ روشن ضمیر وناصح دل خواہ رفت
آنکہ تحقیق انیقش قابل صد رشک بود
ایں چنیں علامہ فاضل ز دنیا آہ رفت
پیکر صدق وصفا آئینہ مہر و وفا
آں صحابۂ سیرت وخوش خلق وعالی جاہ رفت
چہرۂ زیبائے اوا اکنوں کجا خواہیم دید
بود روشن تر جبین او مہرو ماہ رفت
شوق تاریخ وفاتش در سنہ ہجری بگو
مجمع البحرین مولانا عبیداللہ رفت

ایضا

شیخ عصر عبید اللہ
رفت ازیں عالم بہ بہشت
دانائے اسرار وحکم
واقف تر از خوب وزشت
نور حقیقت شمع ہدی
نیک نہاد وپاک سرشت
ہر تار اعمال خویش
از پود اخلاص بہ رشت
در شرح مشکوٰۃ شریف
آنچہ نوشتہ خوب نوشت
دشمن را از کلمہ خیر
داد جواب سنگ وخشت
عاجز کرد مقابل را
از طرز وانداز گرفت
در غم ہجرانش گریاں
اندر کعبہ ودیر وکنشت
از بہر تاریخ وفات
شوق بگو دوبار بہشت

۷۰۷×۲ = ۱۴۱۴ھ

وہ افتخار بزم افاضل نہیں رہا

(شیخ الحدیث علامہ عبید اللہ مبارکپوری رحمہ اللہ کی رحلت سے متاثر ہو کر)

پروفیسر حفیظ بناری

وجہ فروغ انجمن دل نہیں رہا
محفل ہے چپ کہ نازش محفل نہیں رہا

شیخ الحدیث شرع نبی ﷺ کا وہ رازداں
افسوس اب وہ جوہر قابل نہیں رہا

کیوں اہل کارواں نہ ہوں افسردہ وملول
روشن چراغ جادۂ منزل نہیں رہا

کس سے جواب مانگئے مشکل سوال کا
عقدہ کشائے گیسوئے مشکل نہیں رہا

علم وعمل کا آئینہ روپوش ہو گیا
وہ حق شعار عالم وعامل نہیں رہا

اب کس میں ہے تلاش وتجسس کی وہ تڑپ
دین متیں کی فکر کا بسمل نہیں رہا

جاں سوز ودل خراش ہے تیرہ شبی کا غم
تاریکیوں میں وہ مہ کامل نہیں رہا

امواج اضطراب میں ڈوبے ہوئے ہیں دل
پیش نگاہ امن کا ساحل نہیں رہا

پیغام حق سناتا رہا جو بہر نفس
اب وہ حریف بدعت وباطل نہیں رہا

کرتا رہا جو اپنے قلم سے مجاہدہ
اس خوش نظر کا کوئی مماثل نہیں رہا

حق اس کی مغفرت کرے، جنت میں دے جگہ
وہ افتخار بزم افاضل نہیں رہا

☆☆☆

سن وصال شیخ الحدیث مرحوم

۱۹۹۴ء

جناب تابش حجازی

ہوا ویران لالہ زار سلف — گلستاں سے گئی بہار سلف
آہ ! رخصت ہوئے عبید اللہ " — بجھ گئی شمع تابدار سلف
مرکز علم ومرجع علماء — شیخ صاحب تھے شیوہ دار سلف
آپ کا خلق ، اسوہ حسنہ — آپ کی ذات ، اعتبار سلف
وہ سراپا ، نمونۂ اسلاف — پیکر حلم ، وضع دار سلف
تھی زمانے میں شخصیت ان کی — نازش قوم ، افتخار سلف
کم سخن ، ذی وقار ، پاک نفس — ہو بہو ، نقش زر نگار سلف
حرز جاں تھی ، حدیث پاک رسول — سرمۂ چشم تھا شعار سلف
جادۂ حق ہیں ، سنت وقرآں — کتنی سیدھی ہے رہگزار سلف
وہ محدث ، وہ شارح مشکوۃ — وہ امین سلف ، وقار سلف
مصحف علم پاک ، وہ " مرعاۃ " — در مکنون وشاہکار سلف
ان پہ نازل ہو رحمت باری — اور ملے خلد میں جوار سلف
لکھ دو سال وفات مع ازباد — رونق خلد ، یادگار سلف

۱۸+ ۱۳۹۶ = ۱۴۱۴ھ

نیّر اسلام

حیرت بستوی ایم-اے

ہوشمندو ! وقت کی ڈھلتی جوانی دیکھ لو !
صرف رب ہے جاوداں ، ہر شے ہے فانی دیکھ لو !

رہگزر پر موت کی ان گنت گزرے کارواں
چل دیئے شیخ الحدیث ہند بھی سوئے جناں

سامنے وہ درد کے جنگل کا منظر آگیا
یاد کی آنکھوں میں اشکوں کا سمندر آ گیا

ہائے اپنی انجمن اب سونی سونی ہو گئی
سیج پر کانٹوں کی روح شادمانی سو گئی

خوب اسم با مسمی تھا عبید اللہ کا
عبد سے معبود کا رشتہ سدا محکم رہا

وہ بڑا نایاب ہیرا تھا مبارکپور کا
اس کے آگے ذکر ہے بیکار کوہ نور کا

نیک صورت ، نیک سیرت اپنا وہ دمساز تھا
مفتی اعظم ، محدث ، عالم ممتاز تھا

قابل تحسین اس کی مومنانہ شان تھی
اسوہ خیر البشر ؐ پر زندگی قربان تھی

آشنائے خلد اس کا جذبۂ بیدار تھا
سنت وتوحید کا وہ اک علمبردار تھا

ضو فشاں جلوے ہیں اس کی رہبری کے دیش میں
جوت چمکائے حرم کی بت گری کے دیش میں

کوثر وتسنیم کا ہے لطف میٹھی بات میں
اس کی شخصیت تجلی ریز ہے " مرعات " میں

مسکرا کر کہہ رہی ہے فکر کی شائستگی
دانش دیں کا ادارہ محترم کی ذات تھی

کشور انسانیت میں اس کا فیض عام تھا
اس صدی کی تیرگی میں " نیرّ اسلام " تھا

بعد مردن بھی حقیقت اس کی جلوہ بار ہے
جاگتا ، جیتا ہوا اس کا حسیں کردار ہے

لب پہ حیرتؔ کے ہے رحلت کی یہ تاریخ حسیں
خندہ زن بادفنا پر ہے " چراغ علم ودیں "

۱۴۱۴ھ

رہبر خوب تر

عبدالرؤف حیرت بستوی ایم، اے

غور سے دیکھ اے چشم ذوق سفر
کتنی نزدیک ہے موت کی رہگزر

سن لے یہ مصرع تر مرے ہم نشیں
جاوداں ہے فقط احکم الحاکمیں

جس پہ نازاں رہے ہوش کے قافلے
سوئے فردوس اب وہ رواں ہو گئے

ربط یہ تھا عبید اور اللہ کا
نور سجدہ جبیں پہ تھا جلوہ نما

عمر بھر شمع حق وہ جلاتے رہے
فکر باطل کی ظلمت مٹاتے رہے

من میں جنت کی خوشبو بساتے رہے
نیکیوں کی جوانی سجاتے رہے

نیک خو، نیک دل، نیک انسان تھے
آدمیت کی عظمت پہ قربان تھے

ضو فگن رخ پہ ایمان کی شان تھی
حسن تقویٰ کی ہونٹوں پہ مسکان تھی

قابل رشک تھی دل ربا زندگی
مصلح دین، شیخ الاحادیث کی

بزم دانش میں حیراں ہیں بالغ نظر
اٹھ گئے ہائے وہ رہبر خوب تر

شہر حیرتؔ میں اب بھی امر نام ہے
روح مرعاۃ "غمخوار اسلام ہے"

۱۹۹۴ء

☆☆☆

گفتگو اس کی حدیث مصطفےٰ کا آئینہ

شاد عباسی بنارس

گلشن رحمانیہ دلی کا وہ اک پھول تھا نام اس کا تھا عبید اللہ رحمانی لقب
اس کے جینے کی ادا حسن وفا کا آئینہ

اس کی خاموشی بھی تھی تفسیر فرمان نبی گفتگو کرتا نہ تھا وہ زندگی میں بے سبب
اس کا اک اک لفظ تھا حکم خدا کا آئینہ

اس کے چہرے سے عیاں تھا نرمیٔ دل کا جمال اس کی آنکھوں سے چھلکتی تھی مۓ عرفان رب
اس کی نظروں میں تھا پوشیدہ حیا کا آئینہ

تھر تھراتے پاؤں اس کے قصر ملت کے ستون کانپتے ہاتھوں میں اس کے تیشۂ فرمان رب
دے گیا دنیا کو وہ غار حرا کا آئینہ

وہ مفسر وہ معلم وہ مدبر وہ مشیر ہو کے حاضر اس کے در پر پوچھتے تدبیر سب
گفتگو اس کی حدیث مصطفٰی کا آئینہ

اس کے رشحات قلم سے صفحہ قرطاس پر تا ابد باقی رہے گا جلوہ محبوب رب
وہ تھا گویا کوہ فاراں کی صدا کا آئینہ

شاد اس کے در پہ تھا مہمان بن کر چند روز میزبانی اس کی یاد آتی ہے اک اک کر کے اب
اب کہاں اس جیسے عالی مرتبہ کا آئینہ

☆☆☆

فخر ایشیا

از : عاطر صدیقی

ہر قدم تھے رب کی مرضی پر فدا شیخ الحدیث
مسکرا کر پی گئے جام فنا شیخ الحدیث

عالم وفاضل ، محقق ، مفتیٔ بیدار مغز
بزم انساں کے تھے نادر رہنما شیخ الحدیث

صورت وسیرت صحابہ کی لبھاتی تھی انہیں
ہر نفس تھے حسن تقویٰ پر فدا شیخ الحدیث

نغمۂ توحید وسنت جب سناتے جھوم کر
رحمت رحمان کہتی واہ وا شیخ الحدیث

دور حاضر میں وہ اک صمصام تھے اسلام کے
کاٹتے تھے شرک وبدعت کا گلا شیخ الحدیث

صرف ہند وپاک ہی میں قدر افزائی نہیں
چشم عاطر میں ہیں " فخر ایشیا " شیخ الحدیث

سال ہجری چودہ سو چودہ رجب بائیس کو
ہو گئے اقلیم فانی سے جدا شیخ الحدیث

علم کے بحر رواں ، کہسار تھے اخلاق کے
حامئ حق پیکر صدق وصفا شیخ الحدیث

اسوۂ خیر الوریٰ پر زندگی قربان تھی
جلوۂ فردوس سے تھے آشنا شیخ الحدیث

دانش دل کی تجلی بس گئی تھی قلب میں
عمر بھر دیتے رہے درس ہدیٰ شیخ الحدیث

بعد مردن بھی ہے زندہ روشنی مرعاۃ کی
دے گئے مشکوۃ کی ایسی ضیا شیخ الحدیث

حضرت شیخ الحدیث رحمانی کی رحلت

از رشحات قلم مومن اثری غازی پوری
فاضل ادب ایم، اے (عربی)

نضر الله عبیدا کان من اهل الاثر — واعفه وارحمه وآت الشیخ خیر المستقر
مالک کون و مکاں یہ کون رخصت ہو گیا — جس کی رحلت پہ ہے اب دنیا میں ہنگامہ بپا
ان کی ذات محترم میں تھیں بہت سی خوبیاں — کیا کرے ان کو بیان نا چیز کی کج مج زباں
وہ تھا شیخ وقت عالم با عمل عالی دماغ — جس کے دم سے جل رہا تھا علم کا روشن چراغ
شارح مشکوۃ جس کی شرح اک مرعاۃ ہے — بیہقی وقت کی اس شرح کی کیا بات ہے
وہ محقق وہ محدث ماہر فن رجال — سامنے جس کے نہیں چلتی تھی کوئی قیل وقال
مسند فتوی پہ جس کی ذات تھی عالی وقار — بحر افتاء سے چنا کرتا تھا در آبدار
لائق تحسین جس کی ہر ادا تھی دل نواز — قدر انساں جانتا تھا کیسا تھا مہماں نواز
سنت نبوی تھی جس کی ہر ادا سے آشکار — حلقہ احباب میں تھا انتہائی بردبار
جس کے حسن خلق میں شامل نہ تھا نام ونمود — اور بے جا مدح سے بھی دور تھا اس کا وجود
خامشی سے زندگی بھر کام وہ کرتا رہا — علم کے پیاسوں کی خاطر جام وہ بھرتا رہا
آج کیوں ویراں سا لگتا ہے مجھے باغ حدیث — کیا خزاں آئی کہ رخصت ہو گیا راغ حدیث
مرغزار علم وفن کی تازگی جاتی رہی — پیکر انسانیت کی سادگی جاتی رہی
جس کی فطرت میں نمایاں اسوۂ خیر الانام — اور جس کا ہر عمل تھا مثل اصحاب کرام
خدمت دین متیں جس کا رہا ہے مشغلہ — جنت الفردوس میں اللہ دے اچھا صلہ
آپ کا حسن عمل اور آپ کا حسن یقین — ملت بیضاء کے دونوں ہیں محافظ اور امیں
آپ تھے نخل نبوت کے یقیناً خوشہ چیں — آپ سے رخشندہ ہے شرع محمد کی جبیں
پیکر علم و عمل کی سادگی تھی بے مثال — اس پہ انعام حدیث مصطفی تھا لا زوال
آپ کو ملحوظ تھا فتووں میں اپنے احتیاط — جن کو پڑھ کے سب کو ملتا ہے عجب حظ ونشاط
آپ ابن تیمیہ تھے جرح اور تعدیل میں — اب کوئی باقی نہیں جو آئے اس تمثیل میں
اشہب خامہ پہ ان کی برق بھی حیران ہے — موم ہو جاتے تھے دل تقریر کی وہ شان ہے
آپ تھے شیخ عرب اور آپ ہی شیخ عجم — آپ جیسی شخصیت دنیا میں نادر اور کم
آپ کی مرعاۃ لا ثانی ہے طولانی بھی ہے — روح مومن کے لئے یہ آب حیوانی بھی ہے

بتعزیت شیخ الحدیث

مولانا عبید اللہ رحمانی مبارکپوری رحمہ اللہ

از : قلم عبد الستار قدسی گونڈوی

کیوں بزم ، کہکشاں کی رہی سوگوار آج
کیوں آفتاب تیز بھی ہے برف بار آج
پیراہن شگوفہ بھی ہے چاک چاک آج
ہے گلستاں میں دامن گل تار تار آج
پیر وجوان وکودک نوخیز سب کے سب
کس کے غم فراق میں ہیں اشکبار آج
دوش صبا پہ آئی خبر ہائے چل دیئے
شیخ الحدیث جانب دار القرار آج
اقلیم علم کا وہ شہنشاہ چل بسا
علم حدیث کا نہ رہا تاج دار آج
روئی سحر کہ لوگو بتاؤ کدھر گیا
میری گداز راتوں کا سجدہ گذار آج
ساقی تو اپنا ساغر وپیانہ ٹھیک کر
آتا ہے تیرا بندۂ بادہ گسار آج
مسلم ، بخاری وابو داؤد وترمذی
بزم محدثین میں ہوگی بہار آج
فرش زمیں پہ قدسی پامال ونیمجاں
مرغ تخیلات کا دل داغدار آج

☆☆☆

ہر کلی اوڑھے ہوئے ہے رنج وغم کا پیرہن

سالکؔ بستوی

اس قدر مرگ عبید اللہ پر تاثیر ہے — زندگی اپنی سراپا درد کی تصویر ہے
لالہ وگل کی زباں پر رنج کی ہے داستاں — آرزو کے گلستاں پر چھا گئی باد خزاں
ہو گیا ہے دیکھئے ناگفتہ بہ گلشن کا حال — دل کے ٹکڑے کر رہی ہے شورش حزن وملال
اشک شبنم سے دھلے ہیں روئے گلہائے چمن — ہر کلی اوڑھے ہوئے ہے رنج وغم کا پیرہن
درد کے کانٹوں پہ دل کی شادمانی سو گئی — موت عالم موت عالم کے مشابہ ہو گئی
رب عالم نے بنایا تھا انہیں روشن چراغ — ہند میں روشن کئے توحید وسنت کے چراغ
جامعہ رحمانیہ دہلی کے تھے اک یادگار — وہ عبید محترم شیخ الحدیث باوقار
نام روشن اب بھی تیرا اے مبارکپور ہے — علم دیں کے نور سے تیری فضا معمور ہے
اے کریم وکارساز وخالق ورب جلیل — رحم کر پسماندگاں پر دے انہیں صبر جمیل
ہے دعا سالکؔ کی اے رحمان! کر نظر کرم — مسکرائیں قصر جنت میں " عبید محترم "

☆☆☆

وہ حدیثوں کا تاجدار گیا

راشد سراجی

ایک ہمدرد و غمگسار گیا
چھوڑ کر سب کو اشکبار گیا

سونی سونی فضا ہے اس کے بغیر
وہ حدیثوں کا تاجدار گیا

سب کا مشفق تھا صاحب دل تھا
سب پہ یکساں تھا جس کا پیار گیا

وہ کبھی لوٹ کر نہ آئے گا
ساتھ ہی اس کے انتظار گیا

اس کی ہوتی ہے اب کمی محسوس
جب سے وہ علم کا حصار گیا

وہ تھا انس و خلوص کا پیکر
سادگی سے جو دن گذار گیا

موت پر تجھ کو اختیار نہیں
زندگی! تیرا اعتبار گیا

کچھ نہ وہ لے گیا عمل کے سوا
سب فرائض کا بوجھ اتار گیا

رخ پہ آندھی کے اک چراغ تھا جو
ایک جھونکے سے آج ہار گیا

اب تو دے ان کو صبر کی توفیق
جن کا سرمایۂ قرار گیا

ہاتھ ملتے ہی رہ گئے راشدؔ
غم ہے ہمدرد اور یار گیا

" رہے ان کی لحد پر رحمتوں کی شبنم افشانی "

کلیم انصاری مئوی

گئے دنیا سے مولانا عبید اللہ رحمانی
کہاں اب دیکھ پائیں گے بھلا وہ شکل نورانی

عجب کہرام سا اک چھا گیا سارے زمانے پر
سنا جب ہو گئے رخصت جہاں سے شیخ رحمانی

ہوا ہے ختم رندان کہن کا سلسلہ ان پر
اندھیری ہے وہ محفل جو کبھی تھی بزم نورانی

زبان شیریں ، کلام نرم ونازک تا حیات ان کا
ہر اک فرد بشر سے ملتے وہ با خندہ پیشانی

بشر تھے وہ بشر سے سہو ونسیاں ہو ہی سکتا ہے
نظر انداز کر اللہ لغزش ان کی انجانی

مرے اللہ تو نعم البدل ان کا عطا کر دے
نہیں تو پھر حدیث مصطفیٰ میں ہوگی من مانی

ہے " مرعاۃ المفاتیح آپ کی تالیف لا ثانی
کیا ہے مسئلوں میں آپ نے عمدہ گل افشانی

مفکر تھے، مدقق تھے ، محقق تھے ، محدث تھے
نہ پوچھو ان کا ہے ، ذکر مراتب کتنا طولانی

کبھی " ہم زندۂ جاوید کا ماتم نہیں کرتے "
نبیؐ ہوں ، یا صحابیؓ ہوں ، وہ چشتیؒ ہوں کہ جیلانیؒ

کلیم بے نوا کی یہ دعا ہے روز محشر تک
رہے ان کی لحد پر رحمتوں کی شبنم افشانی

☆☆☆

خوب دلکش تھی ادائے الفت شیخ الحدیث

فہد جھنڈانگری (نیپال)

سوئے عقبیٰ چل دیئے جب حضرت شیخ الحدیث
کر گئی رنجیدہ سب کو رحلت شیخ الحدیث

ہر کسی سے خندہ پیشانی سے وہ ملتے رہے
خوب دلکش تھی ادائے الفت شیخ الحدیث

جس نے بھی دیکھا ہے حسن جلوۂ "مرعاۃ" کو
بس گئی ہے اس کے دل میں عظمت شیخ الحدیث

دیکھ کر " مرعاۃ " کو کہتے ہیں یہ اہل نظر
آخرت میں یہ بنے گی حجت شیخ الحدیث

ایک فاضل شیخ نے دیکھا تو برجستہ کہا
ہے صحابی کے مشابہ صورت شیخ الحدیث

وہ مبلغ تھے حدیث مصطفیٰ کے بے مثال
یاد رکھے گی یہ دنیا خدمت شیخ الحدیث

ہے گذارش فہد کی یہ عالم اسلام سے
آب زر سے لکھی جائے سیرت شیخ الحدیث

JANUARY & FEBRUARY 1997 Vol. XV • No. I, II

MOHADDIS

THE ISLAMIC CULTURAL & LITERARY MONTHLY MAGAZINE

Phone : 91 - 542 - 320958 / 322116 Fax : 91 - 542 - 323980

Shaikhul-Hadees Number

(**1**)

In the memory of:

Allama Abul Hasan Obaidullah Rahmani Mubarakpuri

WRITER : MIRAAT AL MAFATEEH SHARAH MISHKAAT AL-MASABEEH

Published by: Abdul Auwal Ansari, on behalf of Darut-Taleef Wat-Tarjama
B. 18/1 G. Reori Talab, Varanasi. Edited by: A. W. Hijazi.
Printed at Salafia Press, Varanasi.